صدائے اکرام کے عنوان کے تحت رمضان 1441 ہجری تا محرم 1442 کے حالات
وواقعات پر مبنی تحریرات کا پہلا مجموعہ

سیرتِ صحابہ رضی اللہ عنہم

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم ہمارا دین وایمان ہیں، صحابہ کے ذریعے ہی ہمیں قرآن وسنت ملی۔ ہمارے معاشرے کا انداز بڑی حد تک مشینی ہو گیا ہے۔ زندگی کی بدلتی ہوئی قدروں سے دلوں کی آبادیاں ویران ہو رہی ہیں۔ فکرو نظر کا ذوق اور سوچ کا انداز بدل جانے سے ہمارے ہاں ہیروشپ کا معیار بھی پستی پر آ گیا ہے۔ آج کھلاڑی، ٹی وی اور بڑی سکرین کے فن کار ہماری نسلوں کے آئیڈیل اور ہیرو قرار پائے ہیں جس کی وجہ سے ماضی کے وہ عظیم سپوت اور روشنی کی وہ برتر قندیلیں ہماری نظروں سے اوجھل ہو گئی ہیں۔ آج بڑی شدت سے اس بات کی ضرورت ہے کہ عہدِ ماضی کے ان نامور سپوتوں اور رجالِ عظیم کی پاکیزہ سیرتوں اور ان کے اُجلے اُجلے کردار کو منظرِ عام پر لایا جائے۔ (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)

از قلم: قاری محمد اکرم غفرلہ

ناشر: مدرسہ فیض القرآن اوڈھروال (چکوال)

سیرتِ صحابہ رضی اللہ عنہم

صدائے اکرام کے عنوان کے تحت رمضان 1441 ہجری تا محرم 1442 کے حالات
وواقعات پر مبنی تحریرات کا پہلا مجموعہ

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم ہمارا دین وایمان ہیں، صحابہ کے ذریعے ہی ہمیں قرآن وسنت ملی۔ ہمارے معاشرے کا انداز بڑی حد تک مشینی ہوگیا ہے۔ زندگی کی بدلتی ہوئی قدروں سے دلوں کی آبادیاں ویران ہورہی ہیں۔ فکرونظر کا ذوق اور سوچ کا انداز بدل جانے سے ہمارے ہاں ہیروشپ کا معیار بھی پستی پر آگیا ہے۔ آج کھلاڑی، ٹی وی اور بڑی سکرین کے فن کار ہماری نسلوں کے آئیڈیل اور ہیرو قرار پائے ہیں جس کی وجہ سے ماضی کے وہ عظیم سپوت اور روشنی کی وہ برتر قندیلیں ہماری نظروں سے اوجھل ہوگئی ہیں۔ آج بڑی شدت سے اس بات کی ضرورت ہے کہ عہد ماضی کے ان نامور سپوتوں اور رجال عظیم کی پاکیزہ سیرتوں اور ان کے اُجلے اُجلے کردار کو منظر عام پر لایا جائے۔ (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)

از قلم: قاری محمد اکرام غفرلہ

ناشر: مدرسہ فیض القرآن اوڈھروال (چکوال)

آئینہ کتاب

پیش لفظ 9

خلیفہ بلافصل سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ 10

مراد رسول سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ 10

حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت 15

شہید مظلوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یوم شہادت 20

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا 27

مقدس ہستیوں کی شان میں گستاخی کرنے والے شر پسند 30

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت 37

حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک نظر میں 76

فضائل ومناقب حضرت علی کرم اللہ وجہہ 79

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں بدترین گستاخی 87

سیدنا حضرت امام حسن رضی اللہ تعالی عنہ کے فضائل ومناقب 53

شہادت سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ 52

سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ 68

رمضان المبارک کے مسنون اعمال (1) 67
رمضان المبارک کے مسنون اعمال (2) 70
رمضان المبارک میں دعاؤں کا اہتمام کریں 73
رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف 92
غزوہ بدر 95
شب قدر کی عبادت اور اسکی قدر ومنزلت 99
اعتکاف کے چند ضروری مسائل 102
نماز تسبیح پڑھنے کا طریقہ 106
رمضان المبارک کی قدر کریں 108
رمضان المبارک اور سخاوت 112
رمضان المبارک اور زکوٰۃ 115
جمعۃ الوداع اور قضاء عمری 119
روزہ اور صبر 123
صدقۃ الفطر 126
لیلۃ الجائزہ، انعام کی رات 129
عیدین کی نماز کا طریقہ اور اس کی سنتیں 132
رمضان کے بعد زندگی کیسے گذاریں (1) 134
رمضان کے بعد زندگی کیسے گذاریں (2) 137
شوال کے 6 روزے سنت ہیں 140
آنکھیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بیش بہا نعمت اور ان کی قدر وقیمت 143

بری عادات سے چھٹکارا ایسے حاصل کریں 148
میرا جسم میری مرضی یا جنسی آزادی 153
عشر ایک اہم فریضہ 157
درود ناریہ 160
بچے کے حفظ کرنے کے بعد والدین کی ذمہ داری 163
28 مئی یوم تکبیر اور یوم تفاخر کا دن 165
حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ ایک نظر میں 167
مدارس امتِ مسلمہ کا سرمایہ اور اثاثہ ہیں 172
مسواک کے ستر (70) فوائد 176
سچے نبی کی نشانیاں 178
ایک کے بدلے دس 184
تین بدری فرشتے 184
’عیسائی خاتون‘ 185
کورونا وائرس کی وبا 186
علمائے کرام کی عزت و توقیر کریں 189
حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اولاد 193
اردو لکھنے میں کی جانے والی 12 غلطیاں 196
مذاق اور مزاح کی شرعی حیثیت 201
لاک ڈاؤن اور پرائیویٹ تعلیمی ادارے 204
حضرت جی مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی منتخب نصیحتیں 207

سورج گرہن کی حقیقت 215
میرے شیخ حضرت ہزاروی رحمہ اللہ تعالیٰ 222
توبہ کیسے کریں؟ 234
نام ریاست مدینہ کا کام یہود وہنود کو خوش کرنے کا 241
زبان اللہ کی عظیم نعمت اور اس کا صحیح استعمال 244
ہمارا قبلۂ اول شدید خطرے میں ہے 249
واجب قربانی یا صدقہ وخیرات 252
اچھے اخلاق کی حیثیت 255
آیا صوفیا میوزیم سے مسجد تک 257
احادیثِ رسول ﷺ 260
چند سبق آموز حکایات 262
برگزیدہ خاتون 265
ائمہ مساجد کے کرنے کے کام 266
اصلاح معاشرہ اور مسجد کا کردار 269
نئی نسل کے ایمان وعقیدہ کی حفاظت 274
شرور وفتن سے حفاظت کے لیے دعائے انس رضی اللہ عنہ 277
خواتین کے لیے احکام وآداب 280
ارضِ مقدس کو دنیا کے نقشے سے مٹانے کی مذموم کوششیں 283
اور امت مسلمہ کی خاموشی! 283
ذی الحجہ کے پہلے دس دنوں کی فضیلت احادیث کی روشنی میں 286

بت شکنی سنتِ ابراہیمی 290
یکساں نصابِ تعلیم یا مغربی ایجنڈا؟ 293
قربانی کی اہمیت و فضیلت 296
ماں باپ سے بدسلوکی پر اللہ کا غضب 299
عقیقہ کب اور کیسے کریں؟ 302
منشیات کا بڑھتا ہوا رجحان 305
مدارس میں دینی و دنیاوی تعلیم کا امتزاج 309
گستاخ رسول ﷺ کی سزا 315
عیدالاضحی کی نماز کا طریقہ اور مسنون اعمال 318
غازی خالد فیصل آپکی جرأت اور استقامت کو سلام 321
رزق کی چابیاں 324
جامع مسجد وزیر خان کی بے حرمتی 333
بابری مسجد کی جگہ رام مندر کا سنگ بنیاد 336
14 اگست ہمارے لئے یوم تشکر اور یوم احتساب ہے 339
حرام اور مشتبہ سے اپنے آپ کو بچائیں! 344
حفظِ قرآن" حفاظتِ قرآن کا ذریعہ 347
17 اگست یومِ شہادت علامہ علی شیر حیدری رحمہ اللہ 351
متحدہ عرب امارات اور اسرائیلی معاہدہ 354
ویران مساجد کی آباد کاری کا ذمہ دار کون؟ 357
خاتم النبیین (ﷺ) نوٹیفکیشن 360

مساجد کے ذمہ داران سے چند گزارشات 363
بجلی کی قیمتوں میں ریکارڈ اضافہ 371
بس تھوڑا صبر کریں 374
محرم الحرام میں شادی 377
کیلے اور بجلی کا بل 380
6 ستمبر یوم دفاع پاکستان 383
7 ستمبر یوم تحفظ ختم نبوت 386
چند آسان گھریلو ٹوٹکے 393

پیش لفظ

رمضان کے مبارک دنوں میں کچھ مخلص ساتھیوں نے انتہائی خلوص اور محبت سے فرمایا کہ یہ سوشل میڈیا کا دور، دورہ ہے روزانہ کی بنیاد پر کوئی نہ کوئی تحریر وٹس اپ اور فیس بک پر سینڈ کر دیا کرو، تا کہ لوگوں کو اور بالخصوص آپ کے شاگردوں کو کچھ نہ کچھ فائدہ ہو جائے، راقم نے انہیں کہا بھی کہ لکھنے کا ڈھنگ اور سلیقہ نہیں ہے، اور ہماری پاکستانی قوم کا پڑھنے کا مزاج بھی نہیں ہے، پھر کچھ لکھنے کے لئے مطالعے کی بھی اشد ضرورت ہوتی ہے، تو انہوں نے کہا تو مطالعہ کرونا کس نے منع کیا ہے آج کل ویسے بھی کرونا کی وجہ سے ویلے واندے او، کوئی نہ کوئی تو پڑھے گا ہی، مختصر یہ کہ پھر رب داناں لے کر میں نے لکھنا شروع کر دیا اور یہ انہی تحریرات کا مجموعہ ہے جو میرے فیس بک کے پیج اور وٹس اپ گروپ میں پبلش ہوئی ہیں، اس لیے میری ان تمام مسلمان بہن بھائیوں کو مشورہ ہے کہ کتب بینی کے لیے اپنی مصروف زندگی سے تھوڑا بہت وقت ضرور نکالیں، اگر آپ کو فائدہ نہ بھی ہوا تو نقصان تو بالکل ہی نہیں ہو گا کیونکہ مطالعہ ہی انسان کے ذہن پر لگے جالے صاف کرتا ہے اور فکری وسعت عطا کرتا ہے۔ زیر تذکرہ کتاب میں سوچنے سمجھنے اور جاننے کا بہت سا مواد موجود ہے۔

ویسے تو کئی درجن پہلوؤں پر اظہار خیال کیا گیا ہے لیکن زیادہ تر صحابہ کرام پر لکھا گیا ہے اس لئے اس کتاب کا نام سیرت صحابہ ہے، صحابہ کرام کی تمام خوبیاں معیت محمد رسول اللہ ﷺ کی بدولت ہیں اور یہی ان حضرات کا سب سے بڑا اعزاز اور شرف ہے کہ انہیں معیت محبوب علیہ السلام کا شرف حاصل ہے، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ و جہاد تقویٰ وغیرہ تمام حسنات میں امت مسلمہ کے دیگر افراد بھی شامل ہو سکتے ہیں مگر یہ معیت صرف صحابہ کرام کو حاصل ہے اور

اسی لئے وہ ساری امت میں درجات کے اعتبار سے افضل واعلیٰ ہیں صحابہ کرامؓ اجمعین وہ نفوس قدسی ہیں جن کو خاتم الانبیا ﷺ کے جمال جہاں آرا سے اپنی آنکھیں روشن کرنے اور آپ کی مجلس نشینی کی سعادت نصیب ہوئی۔محسن انسانیت کے فیض صحبت نے ان کے شرف انسانیت کو جیتی جاگتی تصویر بنادیا۔ان کا ہر فرد خشیت الٰہی حق گوئی، ایثار، قربانی تقوی، دیانت، عدل اور احسان کا پیکر جمیل تھا۔تمام علمائے حق کا اس بات پر کامل اتفاق ہے کہ صحبت رسول ﷺ سے بڑھ کر کوئی شرف اور بزرگی نہیں۔

صحابی کا مطلب ہے دوست یا ساتھی شرعی اصطلاح میں صحابی سے مراد رسول اکرم ﷺ کا وہ ساتھی ہے جو آپ پر ایمان لایا، آپ ﷺ کی زیارت کی اور ایمان کی حالت میں دنیا سے رخصت ہوا۔صحابی کا لفظ رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں کے ساتھ کے خاص ہے لہذا اب یہ لفظ کوئی دوسرا شخص اپنے ساتھیوں کے لیے استعمال نہیں کرسکتا۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد صحابہ کرام کی مقدس جماعت تمام مخلوق سے افضل اور اعلیٰ ہے یہ عظمت اور فضیلت صرف صحابہ کرام کو ہی حاصل ہے کہ اللہ نے انہیں دنیا میں ہی مغفرت، جنت اور اپنی رضا کی ضمانت دی ہے بہت سی قرآنی آیات اور احادیث اس پر شاہد ہیں۔صحابہ کرام سے محبت اور نبی کریم ﷺ نے احادیث مبارکہ میں جو ان کی افضلیت بیان کی ہے ان کو تسلیم کرنا ایمان کا حصہ ہے۔بصورت دیگر ایمان ناقص ہے۔صحابہ کرام کے ایمان ووفا کا انداز اللہ کو اس قدر پسند آیا کہ اسے بعد میں آنے والے ہر ایمان لانے والے کے لیے کسوٹی قرار دے دیا۔کیونکہ ہمارے معاشرے کا انداز بڑی حد تک مشینی ہوگیا ہے۔زندگی کی بدلتی ہوئی قدروں سے دلوں کی آبادیاں ویران ہو رہی ہیں۔فکر ونظر کا ذوق اور سوچ کا انداز بدل جانے سے ہمارے ہاں ہیروشپ کا معیار بھی بہت پست سطح پر آگیا ہے۔آج کھلاڑی ٹی وی اور بڑی سکرین کے فن کار ہماری نسلوں کے آئیڈیل اور ہیرو قرار پائے ہیں جس کی وجہ سے ماضی کے وہ عظیم سپوت اور روشنی کی وہ برتر قندیلیں ہماری نظروں سے اوجھل ہوگئی ہیں۔آج بڑی شدت سے اس بات کی ضرورت ہے کہ عہد ماضی کے ان نامور سپوتوں اور رجال عظیم کی پاکیزہ سیرتوں اور ان کے اُجلے اُجلے کردار کو منظر عام پر لایا جائے۔اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمیں خاتم النبیین حضرت محمد مصطفی ﷺ اور ان کے محبوب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی سچی محبت اور تابعداری نصیب فرمائیں! (آمین یارب العٰلمین)

خلیفہ بلافصل سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

خاتم الانبیاء کرام علیہم السلام کے بعد انسانوں میں سب سے افضل شخصیت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں جنھوں نے زمانۂ جاہلیت میں بھی شراب و جوا اور ہمہ جہتی منکرات سے اجتناب کیا، وہ جنہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی امامت تفویض کی، وہ جس نے اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر اس قدر احسان کیے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرمانا پڑا کہ ان کے احسانات کا بدلہ خود اللہ تعالیٰ چکائیں گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میرے حوضِ کوثر پر بھی رفیق ہو گے جیسے سفرِ ہجرت میں میرے ساتھ تھے۔

خاتم النبیین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، آپؓ کا نام عبداللہ بن عثمان بن عمر بن عمر القرشی التیمی تھا اور آپ کی کنیت ابو بکر تھی۔ آپؓ ابو قحافہ کے گھر میں عام الفیل کے دو سال چھ ماہ بعد ۵۷۳ کو پیدا ہوئے۔ آپؓ کے لقب صدیق اور عتیق قرار پائے۔ آپؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر لمحہ اور ہر گھڑی تائید و نصرت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلانِ نبوت اور سفرِ معراج پر سب سے پہلے تصدیق و گواہی آپؓ نے دی، جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حق و سچ کی تائید کرنے کا لقب (صدیق) عنایت کیا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ خوبصورت چہرے والے اور کشادہ پیشانی کے حامل تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلانِ نبوت کے بعد سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فوراً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوچھا کہ کیا آپ نے اعلانِ نبوت کیا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اثبات میں جواب ملتے ہی آپؓ بغیر کوئی دلیل مانگے مشرف باسلام ہو گئے۔ ایسے موقع پر اسلام کی قبولیت جبکہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سگے چچا و مکہ کے سردار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہو چکے تھے، آپ کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ، بچوں میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور غلاموں میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی بھی جوان و بڑی عمر کے آزاد فرد نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو قبول نہیں کیا تھا، گویا آپ رضی اللہ نے اسلام قبول کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر آنے والی ہر آزمائش کے لیے اپنے آپ کو پیش کر دیا۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے قبولِ اسلام سے تادمِ زیست خود کو اور اپنے اہل خانہ کو اسلام کی خدمت کے لیے وقف کر دیا، جس کا نتیجہ ہے کہ قرآن کریم میں جہاں عظمتِ صدیقی کے تذکرے ملتے ہیں، وہیں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں آپ کے فضائل و مناقب بیان ہوئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ اُحد پہاڑ پر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ہمراہ موجود تھے، پہاڑ لرزنے لگا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ’’تھم جا! تجھ پر نبی و صدیق اور دو شہید موجود ہیں۔‘‘ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مقامِ امتیازی کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: ’’صدیقؓ سے محبت مومن کرے گا جبکہ نفرت منافق رکھے گا۔‘‘ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ: ’’میں نے دنیا میں تمام محسنوں کے احسانات کا بدلہ اُتار دیا، جبکہ صدیق اکبرؓ کے احسانات کا بدلہ اللہ تعالیٰ عطا فرمائیں گے۔‘‘ احادیث میں یہ بھی وارد ہوا ہے کہ: ’’آپؓ کی موجودگی میں کسی بھی شخص کے لیے روا نہیں کہ وہ مصلائے امامت پر کھڑا ہو۔‘‘ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الوفات میں ۱۷ نمازوں کی امامت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کی اور یہی وجہ ہے کہ رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی لختِ جگر سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی نمازِ جنازہ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے خود پڑھانے کی بجائے مصلائے امامت سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بار ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے استفسار کیا کہ آسمان کے ستاروں کے بقدر کسی کی نیکیاں ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ہاں! سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی۔ام المومنینؓ خاموش ہوگئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ آپ کے سوال کا کیا مطلب تھا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میرا یہ خیال تھا کہ اس قدر نیکیاں میرے والد ماجد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی ہوں گی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’غمگین کیوں ہوتی ہو؟ اتنی نیکیاں آپ کے والد ماجد کی تو صرف سفرِ ہجرت کی تین راتوں کی ہیں۔‘‘

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے قبولِ اسلام کے بعد کے حالات کا اگر جائزہ لیا جائے تو غیرت و حمیت اور شجاعت جیسے عالی اوصاف سے آپؓ کا دامن بھرا ہوا نظر آتا ہے۔اور آپؓ کی دعوت پر حضرت عثمانؓ، حضرت ابوعبیدہؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ جیسے جلیل القدر صحابہؓ حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔آپؓ نے قبولِ اسلام کے بعد جان و مال سب کچھ اسلام پر قربان کر دیا۔دشمنانِ اسلام کے چنگل میں پھنسے مظلوم مسلمان مؤذنِ رسولؐ بلال بن ابی رباح رضی اللہ عنہ، زنیرہؓ، عامر بن فہیرہؓ، ام عبیسؓ وغیرہ مسلم غلاموں کو مشرکین کی قید سے نجات دلانے کے لیے فدیہ ادا کیا۔آپؓ نے اپنے سارے گھرانے کو خدمتِ اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے لیے وقف کر دیا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں اپنی لختِ جگر اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا دی۔اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی سورۂ نور کی ۱۸ آیات میں سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی لختِ جگر کی فضیلت کو بیان کیا۔سفرِ ہجرت میں آپؓ نے دل جمعی کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی۔جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشاعتِ اسلام کی خاطر مسلمانوں سے صدقہ دینے کی التجا کی تو آپؓ نے سب سے زیادہ مال پیش کیا۔

جب خالق ارض و سماء نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کا حکم دیا تو ایک جانب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کا ارادہ باندھا تو دوسری جانب کفارِ مکہ دارالندوۃ میں جمع ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو

(نعوذ باللہ) شہید کرنے کا منصوبہ بنانے لگے، اسی بنا پر مشرکین نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کا محاصرہ کرلیا۔ اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے لوگوں کی سب امانتیں سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حوالہ کیں اور کفار کا محاصرہ توڑ کر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچے اور اپنے ہمراہ سفرِ ہجرت پر چلنے کو کہا۔ باوجود تمام حالات کا علم ہونے کے آپ تو پہلے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلنے کے لیے بے تاب تھے۔ ایسے موقع پر جب کسی کام کے کرنے پر موت سامنے نظر آرہی ہو تو وہ کام کرگزرنا محض فطری شجاعت و بہادری اور تائیدِ ایزدی کے بغیر ممکن نہیں ہوتا۔ سفر کے دوران نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب غارِ ثور میں قیام فرمایا تو دشمن تعاقب کرتے ہوئے غار کے دہانے تک پہنچ گیا۔ اس وقت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی جان کی پرواہ نہیں کی، بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نقصان پہنچنے کے ڈر سے اپنی پریشانی کا اظہار کیا، جس پر بذریعہ وحی آپؓ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلّی دی اور فرمایا: ''لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا''، یعنی ''تو میرے بارے میں غم نہ کر، بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔'' ہجرت کے اس پرخطر سفر میں بے باکی کے ساتھ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر کرنا اس بے مثال فطری شجاعت کا عملی مظاہرہ ہے جو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ذات میں اللہ پاک نے ودیعت کررکھی تھی۔ غارِ ثور کی چڑھائی چڑھتے وقت آپؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے کندھوں پر اُٹھایا، غار کی صفائی کے دوران خطرناک سانپ نے آپؓ کی ایڑی پر ڈسا تو آپؓ کو یہ بھی شرف ملا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعابِ دہن ان کی ایڑی پر لگایا۔ سفرِ ہجرت میں دشمن کے حملہ کے خوف سے دورانِ سفر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چہار جانب سے حفاظت کا فریضہ انجام دیتے رہے۔

آپؓ کی حیات میں رومیوں نے جب دھوکہ دہی سے مسلمانوں کے خلاف صف آرائی کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھاری بھرکم لشکر لے کر وہاں پہنچے، رومی پسپا ہوگئے، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی کے بعد قبائل عرب کو ساتھ ملا کر رومی پھر صف آرا ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں لشکر بھیجا جس میں حضرت زید بن حارثہؓ اور حضرت جعفر طیارؓ سمیت متعدد جلیل القدر صحابہؓ

جامِ شہادت نوش کر گئے۔اس جنگ کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کا ایک عظیم لشکر تشکیل دیا،جس میں سیدنا صدیق اکبرؓ اور سیدنا عمر فاروقؓ جیسے جلیل القدر اور عظیم المرتبت صحابہؓ بھی موجود تھے،اس لشکر کی قیادت حضرت زیدؓ کے نوخیز بیٹے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو عنایت کی۔"جیش اسامہؓ" کی روانگی سے پیشتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے پردہ فرما گئے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جنازہ و تدفین اور سقیفہ بن ساعدہ میں مسئلہ خلافت میں صحابہ کرامؓ کی مصروفیت کے بعد جب اتفاقِ رائے سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ منتخب ہوئے تو آپؓ نے فوراً لشکر اسامہؓ کو روانگی کا حکم دیا،بڑے بڑے عظیم المرتبت صحابہ کرامؓ کی جانب سے یہ مشورہ دیا جاتا رہا کہ آپ ابھی اس لشکر کو روانہ نہ کریں،کیوں کہ مدینہ کے اطراف سے بغاوت اور یورش کا خطرہ ہے،مگر آپؓ نے فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کیے گئے فیصلہ سے کسی طرح رجوع نہیں کیا جاسکتا۔"جیش اسامہؓ" جب کامرانی و کامیابی اور مالِ غنیمت کے ہمراہ واپس آیا تو پورے عرب پر مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی۔

وفاتِ نبوی کے بعد جب آپؓ کو خلیفہ منتخب کرلیا گیا تو بہت سے خطرناک فتنوں نے مسلمانوں کو گھیر لیا۔کہیں فتنۂ ارتداد پیدا ہوگیا تو کہیں منکرین زکوٰۃ نے اسلام کے بنیادی فریضے زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کردیا۔اسی طرح جھوٹے مدعیانِ نبوت (مسیلمہ،طلیحہ اسدی اور سجاح) کی قوت بھی مضبوط ہونے لگی۔اس پر بھی معاملہ ختم نہیں ہوا،بلکہ مرتدین،منکرین زکوٰۃ اور مدعیانِ نبوت جیسے داخلی فتنوں کی یکساں سرکوبی کے لیے آپؓ نے گیارہ لشکر تشکیل دیئے۔اس موقع پر صحابہؓ نے نرمی کی درخواست کی تو آپؓ نے یہ سن کر ایک تاریخی جملہ ارشاد فرمایا کہ: "أَيُنْقَصُ الدِّيْنُ وَأَنَا حَيٌّ ؟" یعنی دین میں کمی آجائے اور میں زندہ رہوں، پھر فرمایا کہ: اگر میرے ساتھ کوئی تعاون کرنا چاہے تو خوب اور اگر آپؓ سب میرا ساتھ چھوڑ دیں تو بھی میں تن تنہا اسلام کے ان دشمنوں کا مقابلہ کروں گا۔سنو! مجھے یہ بات منظور ہے کہ اس مقابلہ میں دشمن مجھے مار ڈالیں اور میرے لاشے کو پرندے نوچ نوچ کر کھا جائیں،لیکن یہ بات منظور نہیں کہ اسلام کو ذرہ برابر بھی نقصان پہنچے۔اس پامردی و استقامتِ فیصلہ کا نتیجہ ہے کہ مسلمانوں کے تمام فوجی لشکر بشمول "جیش اسامہؓ"

منکرین زکوٰۃ و مدعیانِ نبوت اور دشمنانِ اسلام کی نا صرف سرکوبی کرنے میں کامیاب ہوئے، بلکہ بڑی تعداد میں غنائم اور اسلحہ جمع کرنے میں بھی کامیاب ہوئے اور اسی کا ثمرہ ہے کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد میں ہی فتح فارس و روم کی طرح پڑ گئی جس کی بشارت نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ خندق کے موقع پر سنائی تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ دو برس چند ماہ منصبِ خلافت پر فائز رہنے کے بعد بیمار ہوئے اور پیر کے روز ۲۲ جمادی الاخریٰ ۱۳ ہجری میں انتقال کر گئے اور اُمورِ خلافت چلانے کی خاطر جو راہنما اصول انہوں نے اختیار کر رکھے تھے، انہیں کی روشنی میں کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشاورت کے بعد آپؓ اپنے بعد خلافت کے لیے اپنا جانشین مرادِ پیغمبر اور خسرِ رسولؐ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو نامزد کر گئے تھے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں سیرتِ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے سبق حاصل کرتے ہوئے مستقبل میں پرعزم ہو کر اسلام کی سربلندی کے لیے جدوجہد کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

مراد رسول سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

زیر نظر تصویر میں بیس ہزار عمر نام کے لوگوں کا پُر امن احتجاج کا جو منظر ہے بنگلہ دیش کی عوام کا ہے جہاں ایک بد بخت نجسی رافضی نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شان اقدس میں گستاخی کی ہے ان لعنتیوں کا تبرا بازی کے علاوہ کوئی اور کام ہی نہیں ہے۔العیاذ باللہ!

نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرامؓ کے مبارک نفوس کو انسانوں کے لیے ہدایت کے جگمگاتے ستاروں سے تعبیر فرمایا کہ جس طرح رات کی اندھیری میں انسان ستاروں کی روشنی سے منزل تک پہنچتا ہے اسی طرح کفر کی تاریکیوں میں صحابہ کرامؓ کی ہستیاں مشعلِ ہدایت ہیں۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے صحابہ میں کسی کو برا نہ کہو اس لیے کہ (وہ اتنے بلند مقام اور اللہ کے محبوب ہیں) تم اگر احد پہاڑ کے برابر بھی سونا کرچ کرو گے تب بھی ان کے ایک مد بلکہ نصف مد خرچ کرنے کے برابر ثواب کے مستحق نہ ہو گے۔ایک حدیث میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:...... بلاشبہ میری امت کے برے لوگ وہ ہیں جو میرے صحابہ کے بارے میں گستاخ ہیں۔

مسلمانوں کے دوسرے خلیفہَ راشد، امام العادلین، مراد رسول حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی "عمر" ہے، دورِ جاہلیت اور اسلام دونوں میں آپ کا نام عمر ہی رہا، عمر کا معنی ہے آباد کرنے یا آباد رکھنے والا۔چوں کہ آپ کے سبب اسلام کو آباد ہونا تھا لہٰذا پہلے ہی سے یہ نام عطا کر دیا گیا، نیز آپ کا عہد

خلافت چوں کہ اِسلام کی آبادی کا زمانہ ہے اس لحاظ سے بھی آپ اسم با مسمی ہوئے۔" والد کا نام خطاب، قبیلہ قریش بنی عدی، والدہ کا نام ختمہ بنت ہشام، ان کا تعلق قریش کے قبیلہ مخزوم سے تھا۔ حضرت سیدنا عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوالحفص (ابوالاسد) اور آپ کا لقب فاروق ہے۔ اس لقب کے حوالے سے حضرت علی المرتضی کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم سے عرض کیا گیا کہ ہمیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے متعلق کچھ بتائیے تو ارشاد فرمایا حضرت عمر وہ ہستی ہیں جنہیں اللہ عزوجل نے لقب فاروق عطا فرمایا، کیوں کہ آپ نے حق کو باطل سے جدا کر دکھایا۔ (تاریخ ابن عساکر) آپ کی کنیت ابوحفص ہے، جس کی نسبت آپ کی صاحب زادی حضرت سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی طرف ہے جو ام المؤمنین بھی ہیں۔ آپ کا لقب و کنیت دونوں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عطا کردہ ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کا نسب نویں پشت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جا ملتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نویں پشت میں کعب کے دو بیٹے ہیں مرہ اور عدی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مرہ کی اولاد میں سے ہیں، جب کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ عدی کی اولاد میں سے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا سے حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے اسلام قبول کرلیا۔ اس لیے آپ کو مراد رسول بھی کہا جاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالی سے دعا فرمائی تھی اے اللہ! ابوجہل اور عمر بن خطاب میں سے، جو آپ کو زیادہ محبوب ہو اس کے ذریعے اسلام کو غلبہ عطا فرما۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ یہ روایت بیان کر کے آگے کہتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دونوں میں سے عمر رضی اللہ عنہ زیادہ محبوب تھے۔ (سنن ترمذی)

سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ تاریخ اسلام کی اتنی ولولہ انگیز اور ہمہ جہت شخصیت تھے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی سیرت، اوصاف، کردار، بلند حوصلے، خداداد شجاعت، غیر معمولی فراست اور کارناموں کو اختصار سے بیان کرنا ممکن نہیں۔ یہ وہ صحابی ہیں جن کی فضیلت کے لیے اتنا کافی ہے کہ قرآن کریم ان کی رائے کی موافقت کرتا ہے اور سید المرسلین، خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے فرمایا: میرے بعد اگر کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر ہوتا۔ (سنن ترمذی) 22 لاکھ مربع میل پر حکومت کرنے والے خلیفہ کی زندگی کا

ایک ایک گوشہ اپنے اندر ایسے ان مٹ نقوش لیے ہوئے ہے جن کی اتباع کرنے والے بادشاہ ہوں یا رعایا سبھی راہِ ہدایت پر گامزن ہو جاتے ہیں آپ کی اطاعتِ الٰہی ، اتباعِ رسول، زہد وتقوی، اخلاق حسنہ، رعایا کی نگہبانی، یتیموں پر شفقت، غم زدوں کی غم گساری، غریبوں پر رحم، ناداروں کی دل جوئی، بے سہاروں کے ساتھ ہم دردی، عاجزی وانکساری، احساسِ ذمہ داری، بیت المال سے حق دار کی خیر خواہی، یادِ آخرت وغیرہ تمام ہی صفاتِ عالیہ قابل تقلید ہیں۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ دین میں اس قدر پختہ تھے کہ انسان کا سب سے بڑا دشمن شیطان بھی ان کے مقابلے میں آنے سے کتراتا تھا۔ اسی حقیقت کے متعلق نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی ہے اے ابن خطاب! اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! جب کبھی شیطان کا سرِ راہ تم سے سامنا ہوتا ہے تو وہ تمہارا راستہ چھوڑ کر دوسرے راستے پر چل دیتا ہے۔ (صحیح بخاری) تاریخ گواہ ہے کہ جس قدر فتوحات اور احکامات شرعیہ کا نفاذ آپ رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں ہوا اتنا کسی اور خلیفہ کے زمانے میں نہ ہوا، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصالِ پرملال کے وقت اِسلامی حکومت کا کل رقبہ تقریباً نو لاکھ ستائیس ہزار مربع میل تھا۔ خلافتِ صدیقی میں اس رقبے میں مزید دو لاکھ پچھتر ہزار ایک سو چونسٹھ مربع میل کا اضافہ ہوا اور سلطنت اسلامیہ کا کل رقبہ بارہ لاکھ دو ہزار ایک سو چونسٹھ مربع میل ہو گیا اور پھر خلافتِ فاروقی کی عظیم الشان فتوحات کی بدولت اس رقبہ میں تیرہ لاکھ نو ہزار پانچ سو ایک مربع میل کا اضافہ ہوا اور یوں پچیس لاکھ گیارہ ہزار چھ سو پینسٹھ مربع میل زمین آپ کے زیرِ نگیں آ گئی۔ یہ تمام علاقہ بغیر آرگنائزڈ آرمی کے فتح ہوا۔ آپ کی ان فتوحات میں اس وقت کی دو سپر پاور طاقتیں روم اور ایران بھی ہیں۔ آج سیٹلائٹ میزائل اور آبدوزوں کے دور میں دنیا کے کسی حکمراں کے پاس اتنی بڑی سلطنت نہیں ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے کسی ساتھی نے ان کی حکم عدولی نہیں کی، وہ ایسے عظیم مدبر و منتظم تھے کہ عین میدان جنگ میں اسلام کے مایہ ناز کمانڈر سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو معزول کر دیا اور کسی کو یہ حکم ٹالنے اور بغاوت کرنے کی جرات نہ ہوئی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جن علاقوں کو فتح کیا وہاں آج بھی سیدنا

عمر فاروق کا نظریہ موجود ہے، دن رات کے پانچ اوقات میں مسجد کے میناروں سے اس نظریے کا اعلان ہوتا ہے۔عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دنیا کو ایسے سسٹم دیے جو آج تک دنیا میں موجود ہیں۔آپ کے عہد میں باجماعت نماز تراویح کا باقاعدہ سلسلہ شروع ہوا، آپ کے دور میں شراب نوشی کی سزا 80 کوڑے مقرر ہوئی، سن ہجری کا اجرا کیا گیا، جیل کا تصور دیا گیا، مؤذنوں کی تنخواہیں مقرر کیں، مسجدوں میں روشنی کا بندوبست کروایا، باوردی پولیس، فوج اور چھاؤنیوں کا قیام عمل میں لایا گیا، آپ نے دنیا میں پہلی بار دودھ پیتے بچوں، معذوروں، بیواؤں اور بے آسرا لوگوں کے وظائف مقرر کیے۔آپ نے دنیا میں پہلی بار حکمرانوں، گورنروں، سرکاری عہدے داروں کے اثاثے ڈکلیئر کرنے کا تصور دیا۔آپ جب کسی کو سرکاری عہدے پر فائز کرتے تھے تو اس کے اثاثوں کا تخمینہ لگوا کر اپنے پاس رکھ لیتے اور اگر عرصہ امارت کے دوران عہدے دار کے اثاثوں میں کوئی غیر معمولی اضافہ ہوتا تو اس کی تحقیق کرتے۔یہ وہ سسٹم ہے جس کو دنیا میں کوئی دوسرا شخص متعارف نہ کروا سکا، دنیا کے 245 ممالک میں یہ نظام کسی نہ کسی صورت میں موجود ہے۔ان حقائق کی روشنی میں زبان وقلم بے اختیار گواہی دیتا ہے کہ دنیا کا سکندر اعظم عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں۔

قرآن کریم کے مطابق تمام صحابہ کرام محبت والفت اور باہمی رحم دلی میں بے مثال تھے۔اسی لیے حضرت عمر فاروق اور حضرت علی رضی اللہ عنہما بھی ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ شیر وشکر رہے، غزوہ خندق کے موقع پر جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے مشہور جنگ جو کافر عمر بن عبدود کو جہنم رسید کیا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرط مسرت سے ان کا سر چوم لیا۔

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو حج سے واپسی کے بعد ابولؤلو نامی مجوسی ایرانی غلام، جس کی قبر آج بھی معلوم ہے اور ایرانی اسے بابا فیروز کے نام سے یاد کرتے ہیں، فیروزہ نامی پتھر بھی اسی بدترین دشمن اسلام کی طرف منسوب ہے، نے خنجر کے پے درپے تین وار کر کے شدید زخمی کر دیا۔آپ تین دن اسی حالت میں رہے، مگر نماز کوئی نہ چھوڑی، پھر یکم محرم الحرام کو دس سال پانچ مہینے اور اکیس دن مسند خلافت

پر متمکن رہنے کے بعد 63 برس کی عمر میں آپ شہید ہو گئے۔آپ اکثر یہ دعا فرمایا کرتے تھے: اللھم ارزقنِی الشہادۃ فِی سبِیلِک، واجعل موتِی فِی بلدِ رسولِک صلی اللہ علیہِ وسلم (الٰہی! تو مجھے اپنی راہ میں شہادت کی موت عطا فرما اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر مدینے میں مرنا نصیب فرما۔) آپ نے وصیت کرتے ہوئے فرمایا: جب مجھے قبر میں رکھ دو تو میرا گال زمین سے یوں ملا دینا کہ اس کے اور زمین کے درمیان کوئی چیز حائل نہ رہے۔آپ کو بیری کے پتوں سے پانی گرم کر کے غسل دیا گیا اور دو چادروں اور جو قمیص پہن رکھی تھی اس میں کفنایا گیا۔وصیت کے مطابق آپ کی نماز جنازہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے چار تکبیروں کے ساتھ پڑھائی اور یکم محرم الحرام کو روضۂ رسول میں دفن ہونے کی سعادت پائی۔(اسد الغابہ، طبقات کبریٰ)

صحابہ کرامؓ کا ادب واحترام ہر ایک کے لیے ضروری ہے، جو کوئی ان کی بے ادبی یا گستاخی کرے گا وہ دنیا میں بھی ذلیل وخوار ہو گا اور آخرت میں رسوا و نامراد ہو گا۔صحابۂ کرامؓ کی سیرت واخلاق، کردار واوصاف کو اپنانا اور ان کے نقشِ قدم پر چل کر منزلِ مقصود کو پانے کی فکر و کوشش کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔یقیناً جسے اپنے نبی سرورِ کونین ﷺ سے محبت ہو گی تو صحابہؓ سے بھی ضرور محبت کرے گا، دین کو ہم تک پہنچانے اور انسانوں تک نبی کے پیغام کو عام کرنے کے لیے صحابۂ کرامؓ نے جو قربانیاں دی ہیں ان کا تصور بھی ہمارے دلوں میں عقیدت ومحبت کے جذبات کو موجزن کر دیتا ہے۔ہمارے گھرانوں میں صحابۂ کرامؓ کی سیرت وواقعات کے تذکرے ہونے چاہئیں، ہمارے نوجوانوں کو چاہیے کہ صحابۂ کرامؓ کے حالاتِ زندگی سے سبق لیں اور ایک بامقصد زندگی گزارنے والے بنیں۔

حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے محبوب خاتم النبیین نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم وہ نفوسِ قدسیہ ہیں جنہوں نے خاتم المرسلین ﷺ کے رخِ روشن سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کیا، خاتم الانبیاء ﷺ کی رفاقت وصحبت کا لازوال شرف حاصل کیا اور دینِ حق کو پھیلانے، اسلام کو سربلند کرنے کے لیے ان کے عظیم الشان قربانیاں اور کارنامے قوت ایمانی کے ایسے روشن چراغ ہیں جو قیامت تک آنے والے انسانوں کو کامیابی کا سیدھا راستہ دکھاتے رہیں گے۔ خاتم المرسلین حضور نبی کریم ﷺ کی بعثت کا اصل مقصد دنیا کو پسندیدہ و برگزیدہ اخلاق کی تعلیم دینا تھا۔ صحابہ اکرام علیہم الرضوان کو براہ راست اس چشمہ سے سیرابی کا موقع ملا، اس مقدس جماعت کا ہر ہر فرد اسلامی و نبوی اخلاق کا مجسم نمونہ تھا، لیکن حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو بارگاہ رسالت ﷺ میں جو قرب حاصل تھا اس اعتبار سے آپ محاسن ومحامد کی مجسم تصویر تھے خاتم النبیین ﷺ کے اِن حقیقی عاشقوں نے راہِ حق میں جو مصائب وآلام برداشت کیے انہیں پڑھ کر جسم پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے، انہوں نے دین متین کی سربلندی کے لیے ہر میدان میں ایسی بے مثال قربانیاں دیں کہ اُن کا اجتماعی وانفرادی کردار مسلمانوں کے لیے منارۂ نور بن گیا۔ شرف صحابیت تو تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم میں مشترک تھا، مگر اُن کے مراتب میں فرق ہے، یہ فرق اُن کے زمانۂ قبولِ اِسلام، بارگاہِ نبوی ﷺ میں تقرب اور بعض دوسرے خصائل وفضائل کی بنا پر ہے حضرت سیّدُ نا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو

رسول اللہ ! ﷺ نے سب پر فضیلت عطا فرمائی اور خود حضرت سیّدُ نا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے وصال کے وقت سیّدُ نا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ منتخب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''الٰہی میں نے تیری مخلوق پر روئے زمین کے سب سے بہتر انسان کو خلیفہ بنایا۔''

حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ ''عام الفیل'' کے تقریباً 13 سال بعد مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے اور نبوت کے چھٹے سال پینتیس سال کی عمر میں مشرف بہ اسلام ہو کر حرم ایمان میں داخل ہوئے۔ آپ رضی اللہ عنہ کا نام عمر بن خطاب، لقب فاروق اور کنیت ابوحفص ہے، آپ رضی اللہ عنہ کا سلسلہ نسب نویں پشت میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جا ملتا ہے۔ آپؓ کے بارے میں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: میرے بعد اگر کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتا (ترمذی)۔ عمر کی زبان پر خدا نے حق جاری کر دیا ہے (بیہقی)۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کفار کی روح کانپتی تھی، رسول پاک ﷺ نے فرمایا عمر جس راستے سے گزرتے ہیں، شیطان اپنا راستہ بدل لیتا ہے۔ (بخاری و مسلم)۔ میرے بعد ابوبکر و عمر کی اقتداء کرنا (مشکوٰۃ)

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جب کسی بزرگ کو عامل بنا کر بھیجتے تھے تو یہ شرائط سنا دیتے تھے: 1-گھوڑے پر کبھی مت سوار ہونا۔ 2-عمدہ کھانا نہ کھانا۔ 3-باریک کپڑا نہ پہننا۔ 4-حاجت مندوں کی دادرسی کرنا۔ اگر اس کے خلاف ہوتا تو سزائیں دیتے۔ آپ کی خلافت کا سب سے نمایاں وصف عدل وانصاف ہے۔ شاہ و گدا، شریف و رذیل، عزیز و بیگانہ، سب کے لیے ایک ہی قانون تھا اور انصاف کا یہ دائرہ صرف مسلمانوں تک محدود نہ تھا بلکہ اس کا دیوان مسلمان، عیسائی، یہودی سب کے لیے یکساں تھا۔ آپؓ کے دور خلافت میں امیر و غریب، مفلس و مالدار سب ایک ہی حال میں نظر آتے تھے۔ حضرت عمرؓ کا مقولہ ہے کہ: ''میں اگر عیش و عشرت کی زندگی بسر کروں اور لوگ مصیبت میں وافلاس میں رہیں، مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا'' خلافت کی حیثیت سے آپ کے جاہ و جلال کا سکہ تمام دنیا پر بیٹھا ہوا تھا مگر مساوات کا یہ عالم تھا کہ قیصر و کسریٰ کے سفراء آتے تو انہیں پتا ہی نہیں چلتا تھا کہ شاہ کون ہے؟ زہد وقناعت، تواضع، خوف خدا

کے پہاڑ تھے ۔ پیوند لگے کپڑے پہنے کاندھے پر مشک رکھ کر بیوہ عورتوں کے لیے پانی بھرتے، مجاہدین کے گھروں کا سودا سلف بازار سے خرید لاتے، تھک جاتے تو زمین پر لیٹ جاتے اور رعب و دبدبہ کا یہ عالم تھا کہ فقط نام سے ہی قیصر کسریٰ کے ایوان میں لرزہ طاری ہو جاتا۔

آپ رضی اللہ عنہ نے امور حکومت وسلطنت میں ایسی درجنوں اصلاحات فرمائیں جو پہلے نہیں تھیں ان کو" اولیات فاروقی "کہا جاتا ہے جن میں بعض مندرجہ ذیل ہیں مثلاً:...... ☆...... بیت المال کا قیام☆......مالی تجاویز وایجاد☆......معاشرتی نظام کی تجاویز☆......سیاسی کابینہ کا قیام☆......سنہ ہجری کا قیام ☆......امیر المومنین کا لقب☆......فوج کے اور مختلف حکومتی شعبہ جات کے باقاعدہ دفاتر کا قیام☆...... رضا کاروں کی تنخواؤں کا تقرر☆......ملک کی حدود کا قاعدہ☆......مردم شماری ☆...... نہریں کھدوانا☆...... راستے میں مسافروں کے لئیے کنوئیں اور سرائے کا انتظام☆...... راستوں کو ڈاکوؤں سے محفوظ کروانا ☆......رات کو رعایا کی خبر گیری اور حفاظتی گشت کا قیام☆......شہر آباد کروانا مثلاً کوفہ، بصرہ، جزیرہ فساط (قاہرہ)، رصا مشرک☆......خانہ کعبہ کے صحن کی توسیع ☆......صوبہ داری کا نظام اور اسکے حکام کا تقرر☆......جیل خانہ کا قیام☆...... پولیس کا باقاعدہ محکمہ☆......مفلوک الحال عیسائیوں اور یہودیوں کے روزینے کا تقرر☆......نماز تراویح باجماعت پڑھانے کا اہتمام☆...... تجارت کے گھوڑوں پہ زکواۃ کا تقرر☆......نمازِ جنازہ میں چار تکبیروں کا اجماع☆......بیرونی تجارت کی اجازت (جسے امپورٹ ایکسپوٹ کہتے آجکل) پرچہ اور قانونی دستاویزات کے نویس مقرر کرنا☆......درہ کا استعمال (تاریخ خلفاء، ص312)

صرف یہی نہیں بلکہ آپ دور میں فتوحات کا وہ سلسلہ شروع ہوا کہ 22 لاکھ اور کچھ کے مطابق 25 لاکھ مربع میل تک اسلام کی دعوت اور آپ کی خلافت پہنچی ۔ان میں فارس وعراق جزیرہ خراسان و بلوچستان وشام و فلسطین ومصر وآرمینیا۔ پھر آپ نے 220 ہجری میں اسلامی سلطنت کے جو صوبے بنائے تھے وہ کچھ یوں تھے، مکہ ،مدینہ،شام ،مصر (بالائی مصر ،زیریں مصر)،فلسطین (ایلیا و

رملا)،خراسان،آذربجان،فارس،عراق(،بصرہ،کوفہ)،دجلہ کا بالائی حصہ(جزیرہ،فرات)۔ان میں بعض ایسے صوبے تھے جو دو دو صوبوں کے برابر سمجھے جاتے اور دو دو صدر مقام تھے۔ ہر صوبے میں ایک کاتب، منشی،صاحب الخراج یا کلیکٹر،ایک پولیس کا افسر،افسر خزانہ اور ایک قاضی ضرور ہوتا۔

خاتم النبیین جنابِ نبی اکرم ﷺ نے حضرت عمر کو شہادت کی خوشخبری سنائی تھی۔زندگی کے آخری دنوں میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلسل دعا کرتے تھے کہ اے اللہ! مجھے شہادت عطا فرما اور میری موت آئے تو تیرے حبیب کے شہر میں آئے۔26 ذوالحجہ 23 ہجری کو محراب رسول میں نماز فجر پڑھا رہے تھے ایرانی مجوسی غلام ابولولو فیروز نامی بدبخت نے آپ پر حملہ کیا جس سے آپ شدید زخمی ہوئے اور یکم محرم 24 ہجری کو شہادت کے مقام پر فائز ہوگئے۔۔آپ کے بعد اتفاق رائے سے حضرت عثمان کو امیر المومنین منتخب کیا گیا۔

شہادت سے کچھ دیر قبل آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے صاحبزادے حضرت سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بلایا۔اوران سے سے فرمایا:"تم اُم المؤمنین حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بارگاہ میں چلے جاؤ اوران سے عرض کروکہ عمر بن خطاب اس بات کی اجازت چاہتا ہے کہ اسے اس کے ساتھیوں کے ساتھ دفن کیا جائے اور حضور صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے قرب میں جگہ عطا فرمائی جائے۔ حضرت سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور سلام عرض کیا۔آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رو رہی تھیں،آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا:"حضرت سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کو سلام عرض کر رہے ہیں اور اس بات کی اجازت چاہتے ہیں کہ انہیں ان کے ساتھیوں کے قرب میں دفن کیا جائے۔" آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ سن کر ارشاد فرمایا:"یہ جگہ تو میں نے اپنے لئے رکھی تھی لیکن اب میں یہ جگہ عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایثار کرتی ہوں،انہیں جا کر یہ خوشخبری سنا دو۔" چنانچہ حضرت سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اجازت لے کر واپس تشریف لائے۔

جب حضرت سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بتایا گیا کہ حضرت سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما

آ گئے ہیں تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "مجھے بٹھادو۔" آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سہارا دے کر بٹھا دیا گیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "اے میرے بیٹے! کیا خبر لائے ہو؟" آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: "حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اجازت عطا فرمادی ہے، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوش ہو جائیں، جس چیز کو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پسند کیا کرتے تھے وہ آپ کو عطا کر دی گئی ہے۔" یہ سن کر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "مجھے اس چیز سے زیادہ اور کسی چیز کی فکر نہیں تھی، الحمدللہ عزوجل مجھے میری پسندیدہ چیز عطا کر دی گئی ہے۔" پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "جب میری روح پرواز کر جائے تو مجھے اٹھا کر سرکارِ ابد قرار صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے روضہ اقدس پر لے جانا، پھر بارگاہِ نبوت میں سلام عرض کرنا اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سلام عرض کرنا: "عمر بن خطاب اپنے دوستو ں کے ساتھ آرام کی اجازت چاہتا ہے، اگر وہ اجازت دے دیں تو مجھے وہاں دفن کر دینا اور اگر اجازت نہ ملے تو مجھے عام مسلمانوں کے قبرستان میں دفنا دینا۔ اسلام کے سب سے بڑے ہیرو ہر قسم کی ضروری وصیتوں کے بعد حملہ کے تین دن بعد یکم محرم الحرام، ہفتہ کے دن، 24ھ میں دنیا سے پردہ فرما گئے اور اپنے محبوب آقا کے پہلو میں میٹھی نیند سو رہے۔ نماز جنازہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، طلحہ رضی اللہ عنہ، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، نے قبر میں اتارا اور وہ آفتاب عالم تاب خاک میں چھپ گیا۔ رضی اللہ عنہم ورضوعنہ!

شہیدِ مظلوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یوم شہادت

منفرد خصوصیات کی حامل شخصیت :

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا امتِ مسلمہ پر یہ احسان و کرم ہے کہ اس نے اسے ایسی عظیم الشان ہستیاں عطا فرمائیں جنہیں تاریخ میں بلند مقام حاصل ہے۔ جن کی زندگیاں ہمارے لیے روشن مثال ہیں۔ انہیں عظیم الشان ہستیوں میں سے منفرد خصوصیات کی حامل شخصیت سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ کی زندگی کا ہر پہلو نہ صرف مسلمانوں کے لئے بلکہ عالم انسانیت کے لئے مشعل راہ ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا شمار اپنی قوم کے افضل ترین لوگوں میں ہوتا تھا۔ آپ جاہ وحشمت کے مالک، شیریں کلام اور شرم وحیا کے پیکر تھے۔ مال و دولت اور ظاہری اسباب کی فراوانی تھی۔ قوم کے لوگ آپ کی عزت وتکریم کرتے تھے۔ ایسی نیک فطرت کہ نہ قبل از اسلام کسی بت کو سجدہ کیا، نہ برائی کے مرتکب ہوئے اور نہ کبھی شراب کی طرف دیکھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ راشد حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کی شخصیت اپنے وجود میں ان گنت محاسن کی جامع ہے۔ آپ کا شمار ان خوش نصیب افراد میں ہوتا ہے جو انبیائے کرام کے بعد برگزیدہ ترین ہیں۔ آپ کو ہر وہ اعزاز حاصل ہے جو اسلام میں کسی بھی شخص کیلئے فضیلت وتقرب کا باعث ہوسکتا ہے۔ آپ خلفاء راشدین اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، آپ کو اصحاب بدر میں

شمار کیا گیا۔ بیعت رِضوان کے انعقاد کا سبب ہی آپ ہیں ۔آپ کا اسم گرامی عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی ہے ۔شہیدِ مظلوم عثمان غنیؓ کو حضور اکرم ﷺ نے کئی بار جنت کی بشارت دی ۔حضور اکرم ﷺ کی دو بیٹیوں کے ساتھ یکے بعد دیگرے نکاح کی وجہ سے حضرت عثمان غنیؓ کو ''ذوالنورین'' بھی کہا جاتا ہے ۔آپ کا نام عثمان کنیت ابوعبداللہ اور ابوعمر اور لقب ذوالنورین تھا۔ والد کا نام عفان بن ابی العاص اور والدہ کا نام اروی بنت کریز تھا، اروی کی والدہ ام حکیم البیضا تھیں جو جناب عبد المطلب کی صاحبزادی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پھوپھی تھیں ۔عام الفیل کے چھٹے سال سیدنا عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت شریفہ ہوئی، جیسا کہ تاریخ الخلفاء میں ہے ۔آپ کا تعلق شہر مکہ کے قبیلہ قریش کی شاخ بنوامیہ سے تھا۔ آپؓ نے خلیفہ اوّل سیدنا صدیق اکبرؓ کی دعوت پر اسلام قبول کرتے ہوئے اپنے آپ کو ''نورِ ایمان'' سے منور کیا، طبقات ابن سعد کے مطابق آپؓ اسلام قبول کرنے والوں میں چوتھے نمبر پر ہیں، آپؓ حافظ قرآن، جامع القرآن اور ناشر القرآن بھی ہیں، ایک موقع پر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: جنت میں ہر نبی کا ایک ساتھی و رفیق ہوتا ہے، میرے ساتھی جنت میں عثمان غنیؓ ہوں گے ۔سیدنا عثمان غنیؓ خوب صورت، باوجاہت اور متوازن قد و قامت کے مالک تھے، گھنی داڑھی اور دراز زلفوں کی وجہ سے آپؓ جب لباس زیب تن کر کے ''عمامہ'' سے مزین ہوتے تو انتہائی خوب صورت معلوم ہوتے، اعلیٰ سیرت و کردار کے ساتھ ساتھ اپنی ثروت و سخاوت میں مشہور اور ''شرم وحیا'' کی صفت میں بے مثال تھے ۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کے بارے میں ارشاد فرمایا تھا کہ میں اس سے کس طرح شرم نہ کروں، جس سے فرشتے بھی شرم کرتے ہیں آپ نے اسلام کی راہ میں بڑے شدائد برداشت کیے، مگر دامے، درمے اور سخنے اسلام کے لیے سرگرم رہے ۔

حضرت عثمان بن عفّانؓ کی حضور ﷺ سے محبت

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اگر انتہائی محبت نہ ہوتی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے غایت محبت نہ ہوتی تو آپ ان سے دوسری صاحبزادی کا نکاح نہ فرماتے

اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر بڑا اعتماد تھا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی یہ ایک عظیم منقبت ہے کہ سابقہ امتوں میں کوئی ایسا شخص نہیں گزرا جس نے پیغمبر کی دو بیٹیوں سے شادی کی ہو، سوائے حضرت عثمان بن عفان کے حضرت سعیدؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو دیکھا کہ اوّل شب سے طلوع فجر تک ہاتھ اٹھا کر سیدنا حضرت عثمان غنیؓ کے لیے دعا فرماتے رہے، آپ ﷺ فرماتے ! اے اللہ، میں عثمانؓ سے راضی ہوں تو بھی راضی ہو جا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا! اے عثمان، اللہ تعالیٰ نے تمہارے تمام گناہ معاف کر دیے ہیں جو تم سے ہو چکے یا قیامت تک ہوں گے۔ سیدنا حضرت عثمان غنیؓ ایک مدت تک ''کتابتِ وحی'' جیسے جلیل القدر منصب پر بھی فائز رہے۔ اس کے علاوہ حضور اقدس ﷺ کے خطوط وغیرہ بھی لکھا کرتے تھے، حضرت عثمان غنیؓ کی یہ حالت تھی کہ رات کو بہت تھوڑی دیر کے لیے سوتے اور تقریباً تمام رات عبادت میں مصروف رہتے، آپؓ ''صائم الدہر'' تھے، سوائے ممنوع دنوں کے کسی دن روزے کا ناغہ نہ ہوتا۔

شہرِ مدینہ کا کنواں:

شہر مدینہ میں بئر رومہ کے نام سے میٹھے پانی کا ایک کنواں تھا حضرت عثمان نے ۳۵ ہزار درہم کے عوض یہ کنواں خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا جس پر نبی اکرم ﷺ نے آپ کو جنت کی بشارت دی۔

مسجد نبوی میں اضافہ:

مسجد نبوی کے رقبہ میں پہلا اضافہ نبی پاک کی ایما پر حضرت عثمان نے فرمایا تھا۔ اور مسجد سے متصل ایک قطعہ زمین بروایت تاریخ ابن کثیر ۲۵ ہزار درہم میں خرید کر مسجد میں شامل کر دیا۔ بعد ازاں اپنے عہد خلافت میں بھی آپ نے مسجد نبوی کی تعمیر و توسیع پر خاص توجہ فرمائی۔

سفارت کے فرائض:

واقعہ حدیبیہ کے نازک موقع پر آپ نے سفارت کے فرائض انجام دیے اور نبی اکرم ﷺ کے

نمائندے کی حیثیت سے آپ کا پیغام قریش تک پہنچایا اور جب آپ کے قتل کی افواہ اڑ گئی تو نبی پاک نے آپ کا قصاص لینے کے لیے بیعت فرمائی اور اس میں اپنے ایک ہاتھ کو حضرت عثمان کا ہاتھ قرار دے کر بیعت لی۔

حضرت عثمان غنیؓ کی سخاوت:

حضرت عثمان کا ایک لقب غنی بھی تھا اور درحقیقت آپ اس لقب کے پوری طرح مستحق تھے۔ یوں تو ساری عمر آپ نے اپنا مال بڑی فیاضی سے راہ اسلام میں خرچ کیا تاہم غزوہ تبوک میں آپ کا مالی انفاق حد سے بڑھ گیا۔ اس موقع پر سیدنا حضرت عثمان غنیؓ نے ایک ہزار اونٹ، ستر گھوڑے اور ایک ہزار اشرفیاں جنگ تبوک کے لیے اللہ کے راستے میں دیں۔ حضور اقدس ﷺ منبر مبارک سے نیچے تشریف لائے اور حضرت عثمان غنیؓ کی سخاوت سے اس قدر خوش تھے کہ آپ ﷺ اپنے دست مبارک سے اشرفیوں کو الٹتے پلٹتے اور فرماتے تھے آج کے بعد عثمانؓ کا کوئی عمل انہیں نقصان نہیں پہنچائے گا۔ حضرت عثمان عہد شیخین (حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ) میں بھی حسب سابق شیخین کے مشیر و معتمد رہے، ساتھ ہی ہمہ تن دین اسلام کے لیے وقف رہے اور انکا مال و دولت ہمیشہ کی طرح مسلمانوں کی ضروریات پر خرچ ہوتا رہا۔

بُغضِ عثمان رضی اللہ عنہ پر وعید؛

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے پاس ایک شخص کا جنازہ لایا گیا تو آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی، عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ ہم نے آپ ﷺ کو اس سے پہلے کسی کی نماز جنازہ ترک کرتے نہیں دیکھا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ بغض رکھتا تھا، لہٰذا اللہ تعالیٰ بھی اس سے بغض رکھتے ہیں۔ (جامع ترمذی)

آپ کا دورِ خلافت:

سیدنا حضرت عثمان غنیؓ نے 24ھ میں نظام خلافت کو سنبھالا اور خلیفہ مقرر ہوئے تو شروع میں آپؓ

نے 22 لاکھ مربع میل پر حکومت کی۔حضرت عثمان غنیؓ نے فوج کو جدید عسکری انداز میں ترتیب دیا، آپؓ کے دورِ خلافت میں حضرت امیر معاویہؓ نے اسلام کا پہلا بحری بیڑا تیار کر کے ''بحراوقیانوس'' میں اسلام کا عظیم لشکر اتار دیا، اس طرح پایائے روم پر سکتہ طاری کر کے آپؓ کی فوجوں نے فرانس و یورپ کے کئی ممالک میں اسلام کے آفاقی نظام کو پہنچایا۔ایک موقع پر حضور ﷺ نے فرمایا! اے عثمان! اللہ تعالیٰ تمہیں خلافت کی قمیص پہنائے گا، جب منافق اسے اتارنے کی کوشش کریں تو اسے مت اتارنا، یہاں تک کہ مجھ سے آملو (یعنی شہید ہو جاؤ)۔ چنانچہ آخری وقت میں جب باغیوں اور منافقوں نے آپؓ کے گھر کا محاصرہ کیا تو آپؓ نے فرمایا! مجھ سے حضور اقدس ﷺ نے عہد لیا تھا (منافق خلافت کی قمیص اتارنے کی کوشش کریں گے، تم نہ اتارنا) میں اس عہد پر قائم ہوں اور صبر کر رہا ہوں، باغیوں نے آپؓ کے گھر کا محاصرہ کیا۔

شہادت کبریٰ

۱۸ ذی الحجہ ۳۵ ھ کو نبی اکرم کے اس محبوب خلیفہ کو ایک عظیم سازش، جو کہ درحقیقت اسلامی تاریخ کی سب سے اول اور سب سے بڑی سازش تھی، اسی سازش کے تحت اس عالم میں قتل کر دیا گیا کہ آپ قرآن کی تلاوت کر رہے تھے، کئی دن کے روزے سے تھے، اور اپنے گھر میں محصور تھے۔گو کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ سمیت کئی صحابہ کرام آپ کے گھر کے دروازے پر پہرہ بھی دے رہے تھے لیکن اس کے باوجود بلوائی آپ کے گھر میں پیچھے کی سمت سے داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے۔اور عین تلاوت قرآن کی حالت میں خلیفہ وقت اور امیر المومنین کو شہید کر دیا گیا۔حافظ ابن کثیر نے ''البدایہ والنہایہ'' میں لکھا ہے کہ باغیوں کی شورش میں حضرت عثمان غنیؓ نے صبر و استقامت کا دامن نہیں چھوڑا۔محاصرے کے دوران چالیس روز تک آپؓ کا کھانا اور پانی باغیوں نے بند کر دیا اور 18 ذوالحجہ کو چالیس روز سے بھوکے پیاسے 82 سالہ مظلوم مدینہ خلیفہ سوم سیدنا عثمان غنیؓ کو جمعۃ المبارک کے روز، قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہوئے روزے کی حالت میں انتہائی بے دردی کے ساتھ شہید کر دیا۔آخری دن انہوں نے

اپنی شہادت کے بارے میں بھی گفتگو فرمائی اور فرمایا کہ: یہ لوگ مجھے قتل کریں گے، پھر فرمایا: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے ساتھ ابوبکر وعمر کو خواب میں دیکھا ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: اے عثمان! ہمارے ساتھ افطار کرو، چنانچہ اس دن آپ نے روزہ رکھا اور روزہ کی حالت میں شہید کر دیئے گئے۔ سیدنا حضرت عثمان غنیؓ نے 12 دن کم 12 سال تک لاکھوں مربع میل کے وسیع و عریض خطے پر اسلامی سلطنت قائم کرنے اور نظام خلافت کو چلانے کے بعد جام شہادت نوش کیا۔

آپ کی شہادت کے بعد:

یہ عظیم سازش جو عبداللہ بن سبا سمیت متعدد منافقین کی سعی کا نتیجہ تھی درحقیقت صرف حضرت عثمان کے خلاف نہ تھی بلکہ اسلام اور تمام مسلمانوں کے خلاف تھی اور آپ کی شہادت کے بعد وہ دن ہے اور آج کا دن کہ مسلمان تفرقہ اور انتشار میں ایسے گرفتار ہوئے کہ نکل نہ سکے۔ یہ وہ بات تھی جس کی خبر حضرت عثمان نے ان الفاظ میں دی تھی کہ بخدا اگر تم نے مجھے قتل کر دیا تو پھر تا قیامت نہ ایک ساتھ نماز پڑھو گے نہ ایک ساتھ جہاد کرو گے۔ نیز بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے صحیح اور حسن اسانید سے یہ بھی ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فتنہ کے بارے میں خبر دی ہے جس میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوں گے اور وہ حق پر ہوں گے۔ اور وہ مظلوم قتل ہوں گے۔ ان احادیث میں ایک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فتنہ کا ذکر فرمایا، اتنے میں ایک شخص کا وہاں سے گزر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: یہ شخص جو منہ پر کپڑا لٹکائے جا رہا ہے، یہ اس فتنہ میں مظلوم قتل ہوگا۔ حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس شخص کو دیکھا تو وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حیاء اور لوگوں کی جان کی فکر کا یہ حال تھا کہ آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، اپنے محافظوں اور اپنے غلاموں کو اس سے روک دیا تھا کہ وہ ان کی طرف سے باغیوں سے قتال کریں اور فرمایا کہ: میری وجہ سے کسی کا خون نہ بہایا جائے، اور انہیں قسم دے کر فرمایا کہ وہ چلے جائیں، اور اپنے غلاموں سے فرمایا جس نے اپنے ہتھیار پھینک دیئے وہ آزاد

ہے اوران کے گھر میں سات سو کے قریب ایک بڑی جماعت تھی، اگر ان کو چھوڑ دیتے تو وہ ان باغیوں کو مار بھگاتے۔

آپ کی شہادت پر مدینہ میں ایک عام کہرام مچ گیا☆......حضرت سعید بن زید نے ارشاد فرمایا لوگو واجب ہے کہ اس بد اعمالی پر کوہ احد پھٹے اور تم پر گرے۔☆......حضرت انس نے فرمایا حضرت عثمان جب تک زندہ تھے اللہ کی تلوار نیام میں تھی، اس شہادت کے بعد یہ تلوار نیام سے نکلے گی اور قیامت تک کھلی رہے گی۔☆......حضرت ابن عباس نے ارشاد فرمایا اگر حضرت عثمان کے خون کا مطالبہ بھی نہ کیا جاتا تو لوگوں پر آسمان سے پتھر برستے☆......حضرت علی کو جیسے ہی شہادت عثمان کی خبر ملی آپ نے فرمایا اے اللہ میں تیرے حضور خون عثمان سے بریت کا اظہار کرتا ہوں اور ابن کثیر نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ ☆......حضرت علی حضرت عثمان کے پاس جا کر ان پر گر پڑے اور رونے لگے حتیٰ کے لوگوں نے خیال کیا کہ آپ بھی ان سے جا ملیں گئے۔

آپ کی زندگی صبر و استقامت، علم و عمل، محنت و جفاکشی اور عقل و دانش کا ایک روشن باب ہے۔ جس کی مثال مشکل ہی سے مل سکے گی۔ سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی زندگی کو اپنے لیے نمونۂ عمل بنانا ہمارے لیے بے حد ضروری اور دونوں جہاں میں کامیابی کا وسیلہ ہے، اللہ ہمیں ان کے نقشِ قدم پر چلائے۔ (آمین)

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ام المؤمنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا نام ’’عائشہ‘‘ اور لقب ’’صدیقہ‘‘ اور ’’حمیرا‘‘ ہے۔اُن کی کنیت ’’اُم عبداللہ‘‘ اور خطاب ’’اُم المؤمنین‘‘ ہے۔آپ ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے محبوب بیوی ہیں۔آپ کے والد ماجد خلیفہ اول امیر المؤمنین حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور والدہ ماجدہ مشہور صحابیہ حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا ہیں۔۔حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے والدِ ماجد حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مردوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔اعلانِ نبوت سے پہلے اور بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر وحضر کے ساتھی حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے لیے جو بے مثال قربانیاں دی ہیں وہ اسلامی تاریخ کے صفحات پر جگمگا رہی ہیں۔ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے خلیفۃ المسلمین حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس مقدس اور مبارک خاندان میں پیدا ہوئیں۔جس میں سب سے پہلے اسلام کی کرنوں نے اپنا اجالا بکھیرا۔حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا گھر ابتدا ہی سے نبوت کے نور سے روشن ومنور رہا۔کفر وشرک کا اس گھرانے میں دور دور تک پتا نہ تھا اسی نورانی ماحول میں آنکھ کھولنے والی ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا دامن بھی ہمیشہ کفر وشرک کی گندگیوں سے پاک وصاف رہا۔بچپن ہی سے آپ نے اسلامی اور ایمانی فضا میں اپنی گزر بسر کی۔کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بچپن کے اس دور کو

ضائع ہونے نہیں دیا بلکہ اللہ تعالیٰ کے عطا کیے ہوئے قیمتی حافظے سے کام لیتے ہوئے بہت کچھ یاد کیا جو بعد میں امت کے لیے منافع کا سبب بنا۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بچپن ہی سے بے پناہ ذہین اور مثالی قوتِ حافظہ کی مالکہ تھیں۔ آپ کے والدِ ماجد خلیفۃ المسلمین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی بڑے علم وفضل والے اور حکمت و دانائی کے مجموعہ تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی دوسری اولاد کی طرح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خصوصی تربیت فرمائی اور انھیں دتاریخ وادب کے علاوہ اُس زمانے کے ضروری علوم بھی پڑھائے۔ جب نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ہوگیا اُس کے بعد بھی اُن کے والد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تعلیم وتربیت فرماتے رہے۔ والدِ ماجد کی اِن ہی تربیت کا اثر تھا کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکاح میں آجانے کی وجہ سے مسلمان عورتوں کے زیادہ تر مسائل اور اُن کی ضروریات کی باتیں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے توسط سے ہی پہنچیں، جب آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آ گئیں تو یہ دور اُن کی تعلیم وتربیت کا حقیقی دور بنا۔ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاشانۂ اقدس میں آ کر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جو کچھ سیکھا وہ آج پوری امتِ مسلمہ خصوصاً مسلمان عورتوں کے لیے بھلائی اور نجات کا سامان بنا ہوا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عمر شریف نکاح کے وقت کم تھی اس کی وجہ یہی ہے کہ ان کے ذریعہ امت کی عورتوں کی تعلیم وتربیت کا کام لینا مقصود تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اللہ رب العزت نے ذہانت عطا فرمائی تھی آپ کے سامنے جب بھی کوئی مسئلہ درپیش آتا تو آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لیتیں اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسئلہ واضح فرمادیتے تو وہ انھیں ازبر کرلیتیں۔ یہی وجہ ہے حدیث کی کتابوں میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کردہ حدیثوں کی کافی تعداد ہے۔ امام بخاری اور امام مسلم علیہم الرحمۃ کے مطابق حضرت ابوہریرہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کے علاوہ کسی دوسرے صحابی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ حدیث روایت نہیں کیں، اللہ جل شانہٗ نے آپ رضی اللہ عنہا کو قرآن وسنت سے مسائل کو سمجھنے اور ان کو حل کرنے کا شعور بخشا۔ نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے اثر نے آپ کو امت کی ایک بہترین فقیہ اور عالمہ بنا دیا۔ یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے صحابہ مشکل سے مشکل مسائل میں آپ کی طرف رجوع کرتے اور تسلی بخش جواب پاتے۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: ”تمام ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن پر مجھے چار چیزوں میں فضیلت حاصل تھی۔ (۱) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے کنواری ہونے کی حالت میں شادی فرمائی جب کہ میرے علاوہ کوئی بھی بیوی کنواری نہیں تھی۔ (۲) جب سے میں آپ ﷺ کے نکاح میں آئی قرآن میرے ہی گھر میں نازل ہوتا تھا کسی اور بیوی کے گھر میں نازل نہیں ہوتا تھا۔ (۳) میرے معاملہ میں صفائی کے لیے قرآنِ کریم کی آیتیں نازل ہوئیں جو قیامت تک پڑھی جائیں گی۔ (۴) میرے نکاح سے پہلے دو مرتبہ حضرت جبریل امین علیہ السلام میری تصویر لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ”جب ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کوئی ایسی مشکل بات پیش آئی اور ہم نے اس کے متعلق حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے پوچھا تو ہم نے اس (مسئلے) کے بارے میں انھیں ہی ذی علم پایا۔“ حضرت موسیٰ بن طلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں (کہ: ”میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ فصاحت والا کسی کو نہیں پایا۔“ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک آدمی نے بُرے انداز میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ذکر کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا دفع ہو جا تجھ پر کتے بھونکیں کیا تو محبوبہ حبیبِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو بُرا کہتا ہے۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی وفات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کے آخری حصے میں ہوئی اس دوران مروان مدینے کا حاکم تھا۔ وفات کے وقت آپ رضی اللہ عنہا کی عمر شریف سڑسٹھ سال تھی۔ ۵۸ھ رمضان المبارک میں آپ بیمار ہوئیں چند روز علیل رہیں۔ بالآخر منگل کے روز ۱۷ رمضان المبارک ۵۸ھ کو نمازِ وتر کے بعد رات کے وقت میں اس دنیا سے رخصت ہوئیں۔

مقدّس ہستیوں کی شان میں گستاخی کرنے والے شر پسند

حالیہ عشرہ محرم الحرام میں اسلام آباد اور کراچی سمیت اہل تشیع نے اپنی مجالس اور ماتمی جلوسوں میں اصحاب رسول اللہ! ﷺ کی شان میں گستاخی کر کے فرقہ واریت پھیلانے کی ناکام کوشش کی ہے حکومتی اداروں اور اس کے متعلقہ لوگوں کو یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ خلیفہ اول سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی یا دیگر صحابہ و اہل بیت عظام رضوان اللہ علیہم میں سے کسی ایک بزرگ کی توہین تحقیر بھی کسی سنی مسلمان کے لئے قابل برداشت نہیں ہے اور ایسی کوئی بات اگر سر عام ہو تو فساد کا باعث بنتی ہے امن و امان کے لئے ایسے امن کے دشمنوں اور شر پسند عناصر کو گرفتار کر کے سخت کاروائی عمل میں لائی جائے بصورت دیگر حکومتی ایماء پر ملک میں فرقہ وارانہ فسادات کا خطرہ ہے جس کو سنبھالنا کسی کے بس میں نہیں ہوگا اور فرقہ وارانہ اقدامات کو روکنا ریاست کی ذمہ داری ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا تعلق براہِ راست خاتم النبیین نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی سے ہے، اس لیے ان کی محبت عین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہے اور ان سے بغض رکھنا، براہ راست نبی کریم ﷺ سے بغض رکھنا ہے، ان کے حق میں ادنیٰ لب کشائی اور جرأت بھی ناقابل معافی جرم ہے۔ چنانچہ خاتم الانبیاء امام الانبیاء ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اللہ سے ڈرو۔ اللہ سے ڈرو میرے صحابہ کے معاملہ میں، ان کو میرے بعد ہدف تنقید نہ بنانا، پس جس نے ان سے محبت کی تو میری محبت کی بنا پر اور جس نے ان سے بغض رکھا تو مجھ سے بغض کی بنا پر، جس نے ان کو ایذا

دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا دی، اور جس نے اللہ کو ایذا دی تو قریب ہے کہ اللہ اسے پکڑ لے۔(ترمذی حدیث نمبر:3662)اسی طرح ایک مقام پر فرمایا:"میرے صحابہ کو برا بھلا نہ کہو، میرے صحابہ کو برا بھلا نہ کہو، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! اگر تم میں سے ایک شخص اُحد پہاڑ کے برابر سونا بھی خرچ کر دے تو ان کے ایک سیر جو کو، بلکہ اس کے عشر عشیر کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔(ترمذی، حدیث نمبر:3861)ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو برا بھلا کہتے ہیں تو ان سے کہو تم میں سے جو بُرا (یعنی صحابہ کو بُرا کہتا) ہے اس پر اللہ کی لعنت ہے۔(ترمذی، حدیث نمبر:3866)ایک حدیث میں خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے میرے صحابہ کو گالی دی، اس پر اللہ تعالیٰ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔(رواہ الطبرانی) یہ وہ محبوب جماعت ہے جسے دنیا ہی میں رضائے الٰہی کا پروانہ عطا کیا گیا، قیامت تک آنے والے لوگوں کے لیے ایک عظیم واسطے ہیں کہ ان کے بغیر دین وشریعت نامکمل ہے، امت کو دین وایمان کا سرمایہ انہی مقدس نفوس کے واسطے سے ملا، اگر خیر القرون میں ان کی محنتیں اور قربانیاں نہ ہوتیں تو آج نہ جانے امت مسلمہ زیغ وضلالت اور گمراہی کی کن کھائیوں میں جا گرتی، حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم کی اسی رفعتِ شان اور عالی مرتبت صفات کے سبب ہر دور کے علمائے حق نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے عقیدت ومحبت کو ایمان کا جز قرار دیا ہے، ان سے محبت حب نبوی ﷺ کی دلیل ہے اور ان سے بغض ونفرت نبی کریم ﷺ سے بغض وعداوت کے مترادف ہے۔اصحاب محمد ﷺ کو بُرا بھلا کہنا، ان کی شان میں ادنی سی گستاخی بھی سخت محرومی کا باعث ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول مبارک ہے کہ" میں اس شخص سے بیزار ہوں جو حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بغض رکھے، جو مجھ سے محبت رکھتا ہے وہ ان (حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے بھی محبت رکھے۔(فضائل صدیق ترجمہ مولانا عبد التواب صاحب ملتانی ؒ ص15)☆......حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا" وہ میرے دو

دوست ہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں ہدایت کے امام، اسلام کے بزرگ اور رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سب کے مقتداء جس نے ان کی اطاعت کی شر سے بچ رہا اور جو شخص ان کے قدم بقدم چلا وہ سیدھی راہ پر چلا۔" (فضائل صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۔ص 7) ☆......حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ" میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کی بطیب خاطر بیعت کر کے ان کی مدد کرتا رہا۔" (ایضاً ص 9) ☆......" امام ابوجعفر صادق محمد باقرؒ کا بیان ہے کہ" میں ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت کا منکر نہیں اور نہ ہی عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت کا منکر ہوں ۔ ہاں لیکن ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے افضل ہیں۔" (احتجاج طبرسی ص 204)" مخالف گروہ کے ایک شخص نے امام جعفر صادقؒ سے خلافت صدیق وعمر رضوان اللہ عنہم اجمعین کے متعلق سوال کیا تو آپؒ نے فرمایا۔" وہ دونوں امام عادل تھے، مصنف تھے، حق پر تھے اور حق پر انہوں نے وفات پائی ان دونوں پر قیامت تک اللہ کی رحمت نازل ہو رضوان اللہ عنہم اجمعین ۔(احقاق الحق ص 1 مطبوعۃ 1203) ☆......حضرت امام جعفر صادقؒ نے فرمایا:" حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ میرے پڑنانا ہیں ۔کیا کوئی شخص اپنے آباؤ اجداد کو سب وشتم کرنا پسند کرتا ہے؟ اگر میں صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں گستاخی کروں تو خدا مجھے کوئی شان اور عزت نہ دے۔" (احقاق الحق ص 7)" حضرت امام جعفرؒ کی والدہ ام فروہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پڑپوتی (پوتے کی بیٹی) تھیں اور امام جعفر صادق کی نانی حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پوتی تھیں" ☆......حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ:" حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ شخص ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیلؑ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر" صدیق" رضی اللہ تعالیٰ عنہ" کا نام دیا ہے ۔نماز کی امامت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ تھے ۔آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہمارے دین کے لئے پسند فرمایا ہم نے ان کو اپنی دنیا کے لئے پسند کیا اور بیعت کی اور خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تسلیم کیا۔(بحوالہ رسالہ فضائل

صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مصنف امام ابو طالب محمد ابن العشاری المتوفی 451ھ ص 15 ترجمہ مولانا عبدالتواب صاحب ملتانی ؒ)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کوئی پھولوں کی سیج نہ تھی۔بلکہ کانٹوں کا بستر تھا جس کو آرام دہ بنانے کے لئے تمام کانٹوں کو چننا ضروری تھا۔خلافت کے مختصر اور قلیل عرصے میں اندرون ملک کے فتنوں کو فروع کرنے کے علاوہ بلاد غیر کو ممالک محروسہ اسلامی بنا کر آئندہ کے لئے فتوحات کے دروازوں کا افتتاح کیا اور جن مشکلات کا سامنا سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہوا اس کی مثال پیش کرنے سے تاریخ بالکل خاموش ہے۔(رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ☆......حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مفصل تقریر کی جس کا شروع حصہ یہ ہے کہ:" اے ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خدا آپ پر رحم فرمائے۔اللہ کی قسم آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام امت میں سب سے پہلے ایمان لائے۔سب سے زیادہ ایمان کو اپنا خُلق بنایا،سب سے بڑھ کر (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل دوستدار تھے۔اور خُلق وفضل اور سیرت وصحبت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سب سے زیادہ نسبت حاصل تھی۔خدا آپ کو اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور جمیع مسلمانوں کی طرف سے جزاءِ خیر دے۔آمین!

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ سے پوچھا گیا کیا جناب ابو بکر اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے محبت کرنا سنّت ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ نہیں،بلکہ فرض ہے۔(کتاب الرّقائق والحکایات لخیثمۃ بن سلمان،ص:171)امام مالک رحمہ اللہ کا فرمان:" کہ سلف صالحین رحمہم اللہ اپنی اولاد کو قرآن کریم کی سورتوں کی طرح سیدنا ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما کی محبت کے آداب سکھاتے تھے۔(مسند ابن القاسم الجوہری ص:100)حضرت ابن حزم رحمہ اللہ کا فرمان ہے آپ فرماتے ہیں کہ:صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبّت فرض ہے۔(الجمہرۃ،ص:3)امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:جو شخص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی کو بھی،خواہ وہ حضرت ابو بکر وعمر وعثمان ہوں یا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم ہوں،برا کہے تو اگر کفر وفحش کا

الزام لگائے تو اس کو قتل کر دیا جائے اور اس کے علاوہ گالیوں میں سے کوئی گالی دے تو اسے سخت سزا دی جائے گی۔امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ: جو شخص کسی صحابی پر عیب یا نقص کا الزام لگائے تو اس پر شرعی سزا واجب ہے اور امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کے اسلام کو مشکوک سمجھا کرتے تھے، فرماتے تھے کہ ایسے شخص کو دین اسلام پر تم ایک تہمت سمجھو۔امام مسلم کے استاد ابوزرعہ عراقی فرماتے ہیں کہ: تم کسی کو دیکھو کہ وہ کسی صحابی کی تنقیص کر رہا ہے تو سمجھ لو کہ یہ شخص زندیق ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن حق ہے اور رسول حق ہے اور جو کچھ رسول صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں وہ حق ہے، اور ہم تک یہ سب حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے واسطے سے پہنچا، پس جس نے صحابہ کو مجروح کیا اور ان کی شخصیت کو داغ دار کیا بے شک وہ شخص کتاب وسنت کو باطل کرنا چاہتا ہے، پس اس نالائق کو زندیق اور گمراہ قرار دینا زیادہ احق اور اقوم ہے۔امام طحاوی اپنی مشہور ترین کتاب عقیدہ طحاویہ میں ذکر فرماتے ہیں: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے محبت کرتے ہیں اور ان میں سے کسی کی محبت میں غلو نہیں کرتے اور نہ ہی کسی پر تبرّا کرتے ہیں، اور ہم ہر اس شخص سے بغض ونفرت کرتے ہیں جو صحابہ سے بغض رکھتا ہے اور ہم ہمیشہ خیر و بھلائی کے ساتھ ہی انکا ذکر کرتے ہیں، ان سے محبت کرنا دین ہے، ایمان ہے، احسان ہے، جب کہ ان سے بغض رکھنا کفر ہے، نفاق ہے اور سرکشی وفساد کا سبب ہے۔(شرح العقیدۃ الطحاویۃ:7042)

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جانثار صحابہ رضی اللہ عنہم پر سبّ وشتم (گالی گلوچ) کرنا، اُن پر تبرّا کرنا اور اپنی زبانوں کو اُن مقدس ہستیوں کے خلاف استعمال کرنا یہ موجودہ دور کی پیداوار نہیں بلکہ اس کی ابتدا اُسی دن سے ہوگئی تھی جس دن سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے امام الانبیاء خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ کی دعوت پر لبیک کہا تھا اور اپنا سب کچھ اللہ اور اُس کے دین کی سربلندی کے لیے وقف کر دیا تھا، اُسی دن سے اسلام کے خلاف جہاں یہود ونصاریٰ اور مشرکین سرگرم ہوئے وہیں اسلام کا لبادہ اوڑھ کر چند لوگ جو اپنے دلوں میں دین اسلام کو مٹانے کی خواہش رکھتے ہیں اس مشن میں اُن کے ساتھ لگ گئے اور اپنے مذموم مقاصد کو بروئے کار لانے کے لیے انہوں نے پہلے خاتم النبیین رسولِ اکرم ﷺ کی مقدس شخصیت کو مجروح

کرنا چاہا لیکن وہ اس میں کام یاب نہ ہوسکے کیوں کہ اس طرح اُن کا نفاق اور کفر ظاہر ہو جاتا اور وہ مسلمانوں میں گھل مل نہ سکتے تھے، اسی لیے اُنہوں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اپنا ہدفِ تنقید بنایا اور اُن کے خلاف پروپیگنڈہ شروع کیا، ان کی شان میں بے ادبی اور گستاخانہ کلمات کہے اور نامناسب تحریریں لکھیں اور تاریخی کتابوں میں بے شمار واقعات گستاخانِ صحابہ کے عبرت ناک انجام کے بارے میں موجود ہیں، ذیل میں بطورنمونہ کے کچھ عبرت آموز واقعات ہدیہ قارئین کیے جارہے ہیں۔

کمال ابن القدیم نے تاریخ حلب میں بیان کیا ہے کہ: ابن منیر نامی شخص جو حضرات شیخین (حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما) کو برا کہتا ہے، جب مر گیا تو حلب کے نوجوانوں کو ابن منیر کا انجام دیکھنے کا داعیہ پیدا ہوا، آپس میں کہنے لگے کہ ہم نے سنا ہے کہ جو شخص حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو برا کہتا ہے تو اس کا چہرہ قبر میں سور جیسا ہو جاتا ہے اور ہم جانتے ہیں کہ ابن منیر حضرات شیخین کو برا کہتا تھا، چلو اس کی قبر کھود کر دیکھیں کیا واقعی ایسا ہی ہے، جیسا کہ ہم نے سنا ہے چناں چہ چند نوجوان اس پر متفق ہو گئے اور بالآخر انہوں نے ابن منیر کی قبر کھود ڈالی، جب قبر کھودی گئی تو کھلی آنکھوں سے دیکھا گیا کہ اس کا چہرہ قبلہ سے پھر گیا اور سور کی شکل میں تبدیل ہو گیا ہے۔ چناں چہ اس کی لاش کو عبرت کے لیے مجمع عام میں لایا گیا، پھر اس کو مٹی میں چھپا دیا گیا۔(الزواجر:2/383)

ایک مرد صالح نے بیان کیا کہ: ایک شخص کوفہ کا رہنے والا تھا، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو برا کہتا تھا، ہمارے ساتھ ہم سفر ہوا، ہم نے ہر چند اسے نصیحت کی لیکن وہ نہ مانا، ہم نے اس سے کہا کہ ہم سے تو علیحدہ ہو جا، چناں چہ جب ہم اس سفر سے واپس ہونے لگے تو ایک روز اسی ہم سفر کا ملازم نظر آیا، اس نے ہم سے کہا کہ ہمارے آقا کی تو عجیب حالت ہو گئی ہے، اس کے دونوں ہاتھ بندر کے مانند ہو گئے ہیں، پھر جب ہم اس کے پاس گئے اور اس سے گھر واپس چلنے کے لیے کہا، اس نے جواب دیا کہ مجھے عجیب مصیبت پہنچی ہے اور اپنے دونوں ہاتھ آستین سے نکال کر دکھائے تو واقعی بندر کے مثل تھے، پھر وہ ہمارے ساتھ ہو لیا لیکن راستے میں اس سے زیادہ عجیب تر واقعہ پیش آیا، ایک جگہ بہت سے بندر جمع تھے، جب ہمارا قافلہ

وہاں پہنچا تو وہ سواری سے اتر کر بندر کی شکل میں ہو کر ان ہی کے ساتھ جا ملا۔(عظمت صحابہ نمبر:961)

حضرت سعد بن ابی وقاص جو خاتم النبیین حضور کریم ﷺ کے رشتے میں ماموں ہوتے تھے، وہ مستجاب الدعوات تھے، حضور نبی کریم ﷺ نے ان کے لیے دعا فرمائی تھی کہ اے اللہ! سعد کی دعا قبول فرما، ایک مجلس میں کچھ ناقدین معترضین لوگ بیٹھے تھے، جو حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی لڑائیوں پر تبصرہ کر رہے تھے، حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ نے کہا بھائی! ان کو برا مت کہو، کیوں کہ یہ اچھے لوگ ہیں اور حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جنتی ہونے کی بشارت دی ہے۔ ایک شخص اصحاب تنقید میں سے جو بہت زور وشور سے بول رہا تھا، اس نے پھر نامناسب الفاظ کہے، سعد بن ابی وقاص نے پھر منع کیا، اس کے باوجود وہ بولتا ہی رہا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کہا اچھا اب میں بد دعا کرتا ہوں، انہوں نے بد دعا کی کہ اے اللہ! یہ تیرے مخلص بندے ہیں، جن کے متعلق تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جنتی ہونے کی بشارت دی ہے، یہ شخص ان کو برا کہہ رہا ہے، اگر واقعی یہ تیرے بندے تیری بارگاہ میں مقبول ہیں تو اس برا کہنے والے پر ایسا عذاب مسلط فرما جو دیکھنے والوں کے لیے عبرت بن جائے، پس اتنا کہنا تھا کہ سامنے اونٹوں کی قطار جا رہی تھی، ان میں سے ایک اونٹ بگڑا، وہ ان کی قطار میں سے نکل آیا، ادھر ادھر دیکھا، پھر اس شخص کو پکڑا اور اس کی کھوپڑی کو چبا گیا، اور چبا کر اس کو ختم کر دیا، پھر قطار میں جا کر مل گیا۔(عظمت صحابہ نمبر:966)

الغرض! صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وہ مبارک ہستیاں ہیں کہ جن کی عبادات، جن کے معاملات، جن کی قربانیاں، حتیٰ کہ جن کا جینا اور مرنا صرف اور صرف ایک اللہ ربّ العزّت والجلال ہی کے لیے تھا، اس لیے ان کی شان میں بے ادبی اور گستاخی کرنے سے بچنا چاہیے اور ان سے عقیدت ومحبت رکھنا اور ان کے نقش قدم پر چلنا ہر مسلمان کی شرعی ذمہ داری ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہوں کہ وہ ہمیں دین حق سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے اور حشر زمرہ صالحین سے کرے۔ آمین!

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت

بنو امیہ کا وہ خوش نصیب شخص جسے دنیا جرنیل اسلام، کاتب وحی، فاتح عرب و عجم، امام تدبیر و سیاست اور سب سے بڑی اسلامی ریاست کے حکمران کے تعارف سے جانتی ہے، وہ سیدنا معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما ہیں جو خاتم النبیین حضرت محمد مصطفی ﷺ کے ایک نہایت جلیل القدر صحابی اور آسمان نبوت کے وہ ستارے ہیں کہ جن پر سب سے زیادہ اعتراضات اور کئی الزامات عائد کیے گئے ہیں۔ تمام اعتراضات و الزامات کی وجہ قرآن وسنت کے مقابلہ میں تاریخی روایات کو اہمیت دینا ہے۔ جب کہ قرآن وسنت کی تعلیمات کے خلاف ہر روایت قابل تردید ہے۔ چہ جائے کہ اس پر تکیہ کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام پر براہ راست اور بالواسطہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر انگلی اٹھائی جائے، حالاں کہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ صحابہ کرام کا مقام تاریخ کی کتابوں سے متعین نہیں کیا جاسکتا، کیوں کہ تاریخیں کئی صدی کے بعد لکھی گئی ہیں۔ امام حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مقام صحابہ کا تقاضا ہے کہ ایسی تمام روایتیں لکھنے والوں کے منہ پر ماردی جائیں۔ (البدایہ والنہایہ ابن کثیر) "سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اصحاب رسول ﷺ کے درمیان پردہ ہیں، جو یہ پردہ چاک کرے گا، وہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہ پر لعن طعن کی جرات کرسکے گا۔" (دفاع معاویہ) مولانا احمد رضا خان بریلوی لکھتے ہیں: "جو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن کرے، وہ جہنمی کتوں میں سے ایک کتا ہے، ایسے شخص کے پیچھے نماز حرام ہے۔" (احکام شریعت) یہی وجہ ہے کہ اہل سنت والجماعت مقام صحابہ کے خلاف کسی واقعے اور روایات کو تسلیم نہیں کرتے، بلکہ اس کے

انکار کو اپنا ایمان سمجھتے ہیں۔ خاتم الانبیاء جناب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی احادیث طیبہ سے بھی ہمیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت اور ان کے دشمنوں سے نفرت کا درس ملتا ہے۔

آپ کا نام معاویہ بن صخر ابی سفیان بن حرب بن امیہ بن عبد الشمس بن عبد المناف ہے آپ چار پشتوں کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شجرہ سے جا ملتے ہیں آپ کا خاندان بنی امیہ خاندان رسول بنی ہاشم کا قریبی تھا ان کے ایک دادا تھے عبد المناف ۔آپ کو ابو عبد الرحمن اور خال المومنین بھی کہا جاتا ہے کیوں کہ آپ کی بہن سیدہ ام حبیبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج میں شامل تھیں، آپ بعثت سے پانچ سال قبل پیدا ہوئے تھے اور ہجرت کے وقت آپ کی عمر اٹھارہ سال تھی ۔آپ کا حلیہ مبارکہ: سرو قد، لحیم و شحیم، رنگ گورا، چہرہ کتابی، آنکھیں موٹی گھنی داڑھی، وضع قطع، چال ڈھال میں بظاہر شان و شوکت اور تمکنت مگر مزاج اور طبیعت میں زہد و تواضع، فروتنی، حلم بردباری اور چہرہ سے ذہانت اور فطانت مترشح تھی ۔حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سردار قریش ابوسفیان کے صاحبزادے تھے، آپ رضی اللہ عنہ کا شمار قریش کے ان 17 افراد میں ہوتا تھا جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے ۔حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے قبول اسلام کا اعلان فتح مکہ 8ھ کے موقع پر فرمایا لیکن اس سے بہت عرصے پہلے آپ رضی اللہ عنہ کے دل میں اسلام داخل ہو چکا تھا، جس کا ایک اہم اور واضح ثبوت یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے جنگ بدر، جنگ احد، جنگ خندق اور صلح حدیبیہ میں حصہ نہیں لیا، حالانکہ آپ رضی اللہ عنہ جوان اور فنون حرب وضرب کے ماہر تھے ۔اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے شب و روز خدمت نبوی ﷺ میں بسر ہونے لگے آپ رضی اللہ عنہ کے خاندان بنو امیہ کے تعلقات قبول اسلام سے پہلے بھی حضور اکرم ﷺ کے ساتھ دوستانہ تھے۔

خاتم المرسلین حضور اکرم ﷺ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو نہ صرف کاتبین وحی صحابہ رضی اللہ عنہم میں شامل فرما لیا تھا بلکہ دربار رسالت ﷺ سے جو فرامین اور خطوط جاری ہوتے تھے، ان کو بھی آپ رضی اللہ عنہ لکھا کرتے تھے "حضور اکرم ﷺ کے کاتبین میں سب سے زیادہ حاضر باش حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تھے ۔شب و روز کتابت وحی کے علاوہ آپ رضی اللہ عنہ کا کوئی شغل نہ تھا"

(علامہ ابن حزم، جامع السیر) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جلیل القدر صحابہ رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین پر مشتمل ایک جماعت مقرر کر رکھی تھی جو کہ "کاتب وحی" تھے ان میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کا چھٹا نمبر تھا۔ حضرت شاہ ولی اللہ حدث دہلوی لکھتے ہیں کہ حضور ﷺ نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کو کاتب وحی بنایا تھا۔ اور آپ ﷺ اسی کو کاتب وحی بناتے تھے جو ذی عدالت اور امانت دار ہوتا تھا ("ازالۃ الخلفاء از شاہ ولی اللہ")

امام الانبیاء خاتم الانبیاء ﷺ کے ساتھ آپ جنگ حنین، طائف اور تبوک میں شریک رہے ۔حضرت معاویہ اور آپ کے خاندان نے خلافت صدیق میں بہت قربانیاں دیں اور جہاد میں بھرپور حصہ لیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں شام کی طرف جو لشکر بھیجے گئے آپ رضی اللہ عنہ اس کے ہراول دستے میں شامل تھے ۔حضرت صدیق نے آپ کے بھائی یزید بن ابی سفیان کو امیر بنا کر شام بھیجا تھا جہاں ان کا انتقال ہوگیا تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ کو ان کی جگہ امیر بنایا۔ اس موقع پر آپ کے والد نے آپ سے فرمایا کہ ہم اسلام لانے میں ان سے بہت پیچھے رہ گئے ہیں اور یہ ہم سے بہت آگے ہیں امیر المومنین نے تم پر اعتماد کیا ہے اس کو بخوبی نبھانا۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خلافت میں سیدنا معاویہ نے شام وحمص کو فتح کرلیا اور فاروق اعظم نے وہاں کا گورنر انہیں ہی بنا دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں گورنر شام کی حیثیت سے آپ رضی اللہ عنہ نے روم کی سرحدوں پر جہاد جاری رکھا اور متعدد شہر فتح کئے ۔آپ حضرت فاروق اعظم کے واحد گورنر ہیں جن کی کوئی خاص شکایت کبھی بھی نہیں آئی ۔آپ رعیت کا بہت خیال رکھنے والے تھے ۔آپ نے چاہا کہ بحری فوج بھی تیار کرلی جائے لیکن حضرت فاروق اعظم نے آپ کو اس کی اجازت نہیں دی ۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں آپ رضی اللہ عنہ نے عموریہ تک اسلام کا پرچم لہرایا۔ آپ رضی اللہ عنہ کا ایک اہم جہادی کارنامہ قبرص کی فتح ہے ۔شام کے قریب واقع یہ حسین وزرخیز جزیرہ اس حیثیت سے انتہائی اہمیت کا حامل تھا کہ یورپ اور روم کی جانب سے یہی جزیزہ مصر وشام کی فتح کا دروازہ تھا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سمندری مشکلات کے پیش نظر آپ رضی اللہ عنہ کو لشکر کشی کی اجازت

نہیں دی تھی لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ کے عزم کامل اور شدید اصرار کو دیکھتے ہوئے اجازت مرحمت فرمادی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے یہاں حملہ کرنے کی غرض سے 500 جہازوں پر مشتمل بحری بیڑہ تیار فرمایا۔ جب اہل قبرص نے اتنے عظیم بحری بیڑے کو قبرص میں لنگر انداز دیکھا تو ابتدا میں کچھ شرائط پر مسلمانوں سے صلح کر لی لیکن موقع پا کر عہد شکنی کی اور مسلمانوں کے خلاف رومیوں کو مدد فراہم کی چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے دوبارہ حملہ کر دیا اور اس اہم جزیرے کو مسخر کر لیا۔ یہ اسلام کا پہلا بحری بیڑہ تھا اور باتفاق محدثین آپ رضی اللہ عنہ کے اس بیڑے میں شامل مجاہدین ہی اس حدیث کا مصداق ہیں جس میں حضور اکرم ﷺ نے بحری جہاد کرنے والوں کو جنت کی خوشخبری دی ہے، علاوہ ازیں افرنطیہ، ملطیہ، روم کے متعدد قلعے بھی آپ رضی اللہ عنہ نے فتح کیے۔

واضح رہے کہ حضور ﷺ نے حدیث میں دو اسلامی لشکروں کے بارے میں مغفرت اور جنت کی بشارت و خوش خبری فرمائی، ان میں سے ایک وہ لشکر جو سب سے پہلے اسلامی بحری جنگ لڑے گا اور دوسرا وہ لشکر جو قیصر کے شہر میں جنگ کرے گا۔ پہلی بشارت سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ کے دور خلافت میں پوری ہوئی۔ اس لشکر کے امیر و قائد خود امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ تھے۔ آپ کی قیادت میں اس پہلی بحری لڑائی اور فتح قبرص کے لئے بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین، جن میں حضرت ابو ایوب انصاری، حضرت ابو ذر غفاری، حضرت ابو درداء، حضرت عبادہ بن صامت اور حضرت شداد بن اوس، سمیت دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین شریک ہوئے۔ اس جنگ کی تفصیل یہ ہے کہ 28 ہجری میں آپ پوری شان و شوکت، تیاری و طاقت اور اسلامی تاریخ کے پہلے بحری بیڑے کے ساتھ بحر روم میں اترے، ابتدا میں وہاں کے باشندوں نے مسلمانوں کے ساتھ صلح کر لی لیکن بعد میں مسلمانوں کو تنگ کرنے اور بدعہدی کرنے پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ پوری بحری طاقت اور عظیم الشان بحری بیڑے کے ساتھ قبرص کی طرف روانہ ہوئے اور بڑی بہادری سے لڑتے ہوئے قبرص کو فتح کر لیا۔ اس لڑائی میں رومیوں نے بڑے جوش و خروش سے حصہ لیا، تجربہ کار اور بحری لڑائی

کا ماہر ہونے کے باوجود اس لڑائی میں رومیوں کو بدترین شکست اور مسلمانوں کو تاریخی فتح حاصل ہوئی۔

حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان جنگ صفین ہوئی جس کا سبب بنیادی طور پر خلیفہ راشد، امیر المؤمنین سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت تھی جس کے پس پردہ وہی یہودی و مجوسی سازش کارفرما تھی جو خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت کی ذمہ دار تھی۔ صحیح صورتحال کا ایک جگہ سے دوسری جگہ تک بروقت پہنچ جانا، اس زمانہ میں ممکن نہ تھا، جبکہ اسلام دشمن عناصر گمراہ کن افواہیں تسلسل سے پھیلانے میں مصروف تھے۔ ان حالات میں عوام وخواص میں غلط فہمیوں کا پیدا ہوجانا باعث تعجب نہیں۔ اس لئے غلط فہمیاں پھیلیں اور اس کے نتیجہ میں باہمی جنگیں ہوئیں جسمیں مسلمانوں کو ایک طرف تو ناقابل بیان جانی و مالی نقصان ہوا، دوسری طرف ان کی ملی وحدت ٹکڑے ٹکڑے ہوئی اور تیسری طرف وہ فاتحانہ قدم جو بڑی تیزی کے ساتھ یورپ، افریقہ اور ایشیاء کی طرف بڑھتے چلے جارہے تھے، یکدم رک گئے۔ یہ قضاوقدر کے وہ قطعی فیصلے تھے جن کی خبر مخبر صادق خاتم النبیین جناب نبی اکرم ﷺ نے ان واقعات کے رونما ہونے سے بہت پہلے دے دی تھی۔ دونوں طرف صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے۔ کسی ایک کو موردِ الزام ٹھہرانا نہ تو درست ہے اور نہ ہی انصاف ہے۔ اس مسئلہ میں وہ لوگ بھی غلط ہیں جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی شان اقدس میں زبان طعن دراز کرتے ہیں اور وہ بھی غلط ہیں جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ یا دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اجتہادی خطاء پر ان کی شان و عظمت میں گستاخی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ ہمارے نزدیک اللہ تعالیٰ، رسول اللہ! ﷺ صحابہ واہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین، آئمہ کرام، اولیائے عظام اور علماء واہل اسلام کا ادب واحترام ہی ایمان اور تقویٰ ہے۔

☆......حضرت معاویہ ؓ نے فرمایا میرا حضرت علی ؓ سے اختلاف صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کے مسئلہ میں ہے اور اگر وہ خون عثمان ؓ کا قصاص لے لیں تو اہل شام میں ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے والا سب سے پہلے میں ہوں گا (البدایہ والنہایہ ج 7، ص 259) ☆......حضرت علی المرتضیٰ ؓ نے فرمایا۔ میرے لشکر کے مقتول اور حضرت امیر معاویہ ؓ کے لشکر کے مقتول دونوں جنتی ہیں (مجمع الزوائد

ج 9، ص 258) ☆...... صفین سے واپسی پر جب آپ نے سنا کہ بعض اہل لشکر حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف بے احتیاطی سے کلام کر رہے ہیں تو لوگوں سے ارشاد فرمایا: اے لوگو! تم معاویہ کی گورنری اور امارت کو ناپسندمت کرو، کیوں کہ اگر تم نے انہیں گم کر دیا تو دیکھو گے کہ سر اپنے شانوں سے اس طرح کٹ کٹ کر گریں گے، جس طرح اندرائن کا پھل اپنے درخت سے ٹوٹ کر گرتا ہے۔ (البدایہ والنہایہ، حافظ ابن کثیر) ☆...... بہ ایں ہمہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کو ان تمام عہدوں اور مناصب پر نہ صرف برقرار رکھا، جن پر آپ عہد عثمانی میں فائز تھے، بلکہ یہ فرما کر ہر قسم کے شکوک وشبہات کو بھی دور فرمادیا: ہم بھی مسلمان ہیں اور وہ بھی ہمارے مسلمان بھائی ہیں، ہمارا اور ان کا اختلاف صرف دم (خون) عثمان کے مسئلے میں ہے۔ (نہج البلاغہ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد محض چھے ماہ خلافت کے منصب پر فائز رہنے کے بعد 41ھ میں حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے برضا ورغبت خلافت آپ کو سونپ دی اور حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما نے آپ کو خلیفہ برحق مانتے ہوئے بیعت کر کے منافقین کے تمام عزائم کو ناکام بنادیا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو اپنا ولی عہد بنایا دیا، جس پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اختلاف بھی کیا لیکن انہوں نے اپنا فیصلہ واپس نہ لیا جو بعد میں مسلمانوں کے لئے انتہائی نقصان دہ ثابت ہوا۔ یہ اُن کی اجتہادی خطا تھی۔

تمام انسانوں میں انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد فضیلت میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی کا درجہ ہے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اگرچہ معصوم نہیں ہیں، مگر ان سے جو بھی گناہ (اللہ تعالیٰ نے کسی حکمت کے تحت صادر کرائے اور) ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرما کر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بلاتفریق اپنی رضا کا پروانہ عطا فرمایا ہے، لہٰذا حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ذکر ہمیشہ اچھے لفظوں میں کرنا چاہیے۔ اسلام دشمنوں کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حیثیت کو کم کیا جائے، تاکہ ان کے ذریعے سے ہم تک پہنچنے والے دین میں نقب زنی آسان ہو جائے۔

آپ کی شخصیت احادیث کی روشنی میں:

☆......رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ معاویہ کو ہدایت دینے والا اور ہدایت یافتہ بنا دیجیے اور اس کے ذریعہ سے لوگوں کو ہدایت دیجیے۔ (ترمذی) ☆......رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! معاویہ کو حساب کتاب سکھا اور اس کو عذاب جہنم سے بچا۔ (کنز العمال) ☆......رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: معاویہ میرا راز داں ہے، جو اس سے محبت کرے گا وہ نجات پائے گا، جو بغض رکھے گا وہ ہلاک ہوگا۔ (تطہیر الجنان) ☆......رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن معاویہ کو اٹھائیں گے، تو ان پر نور ایمان کی چادر ہوگی۔ (تاریخ الاسلام حافظ ذہبی) ☆......رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں معاویہ سب سے زیادہ بردبار ہیں۔ (بحوالہ: سیرت امیر معاویہ) ☆......صحابی عبدالرحمٰن بن ابی عمیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے لئے فرمایا کہ! اے اللہ! اسے ہادی مہدی بنادے اور اس کے ذریعے لوگوں کو ہدایت دے (سنن الترمذی) ☆......حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے اللہ معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہدایت دینے والا، ہدایت پر قائم رہنے والا اور لوگوں کیلئے ذریعہ ہدایت بنا۔ (جامع ترمذی)

آپ کی شخصیت اکابر صحابہ کی نظر میں:

☆......معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر بھلائی کے ساتھ کرو۔ (حضرت عمر فاروقؓ) ☆......لوگو! فرقہ بندی سے بچو۔ اگر تم نے فرقہ بندی اختیار کی تو یاد رکھو معاویہ رضی اللہ عنہ شام میں موجود ہیں۔ (حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ) ☆......معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت کو برا نہ سمجھو کیونکہ جب وہ نہیں ہوں گے تم سروں کو گردنوں سے اڑتا دیکھو گے (حضرت علی رضی اللہ عنہ) ☆......میں نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر امور سلطنت و بادشاہت کے لائق کسی کو نہیں پایا۔ (حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ) ☆......میں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد ان سے بڑھ کر حق کا فیصلہ کرنے والا نہیں پایا۔ (حضرت سعدؓ بن ابی

وقاص) ☆......میں نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر بردبار، سیادت کے لائق، باوقار اور نرم دل کسی کو نہیں پایا۔(حضرت قبیصہؓ بن جابر) ☆......اگر تم معاویہ رضی اللہ عنہ کا زمانہ پاتے تو تمہیں پتہ چلتا کہ عدل وانصاف کیا ہے؟(امام اعمشؒ)

آپ کی خدمات اور کارنامے:

☆......آپ رضی اللہ عنہ نے فوج کو دو حصوں میں تقسیم کیا ایک حصہ موسم سرما میں اور دوسرا حصہ موسم گرما میں جہاد کرتا تھا۔آپ رضی اللہ عنہ نے فوجیوں کا وظیفہ دگنا کر دیا۔ان کے بچوں کے بھی وظائف مقرر کر دیئے نیز ان کے اہل خانہ کا مکمل خیال رکھا۔☆......آپ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں فتوحات کا سلسلہ انتہائی برق رفتاری سے جاری رہا اور قلات،قندھار،قیقان،مکران،سیسان،سمرقند،ترمذ،شمالی افریقہ ،جزیرہ روڈس،جزیرہ اروڈ،کابل،صقلیہ(سسلی)سمیت مشرق ومغرب،شمال وجنوب کا 22 لاکھ مربع میل سے زائد علاقہ اسلام کے زیر نگیں آگیا۔ان فتوحات میں غزوہ قسطنطنیہ ایک اہم مقام رکھتا ہے۔یہ مسلمانوں کی قسطنطنیہ پر پہلی فوج کشی تھی،مسلمانوں کا بحری بیڑہ سفیان ازدی رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں روم سے گزر کر قسطنطنیہ پہنچا اور قلعے کا محاصرہ کر لیا۔☆......بیت اللہ شریف کی خدمت کے لئے مستقل ملازم رکھے ۔بیت اللہ پر دیبا وحریر کا خوبصورت غلاف چڑھایا۔☆...... حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب سے پہلا قامتی ہسپتال دمشق میں قائم کیا۔☆......نہروں کے نظام کے ذریعے سینکڑوں مربع میل اراضی کو آباد کیا اور زراعت کو خوب ترقی دی ۔☆......ڈاک کے نظام کو بہتر بنایا،اس میں اصلاحات کیں اور باقاعدہ محکمہ بنا کر ملازم مقرر کیئے ۔☆......احکام پر مہر لگانے اور حکم کی نقل دفتر میں محفوظ رکھنے کا طریقہ ایجاد کیا۔☆......عدلیہ کے نظام میں اصلاحات کیں اور اس کو مزید ترقی دی ۔☆......آپ نے دین اخلاق اور قانون کی طرح طب اور علم الجراحت کی تعلیم کا انتظام بھی کیا۔☆......حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں ہی سب سے پہلے منجنیق کا استعمال کیا گیا۔☆......مستقل فوج کے علاوہ رضا کاروں کی فوج بنائی ۔☆......بحری بیڑے قائم کیئے اور بحری فوج (نیوی) کا شعبہ قائم کیا۔یہ آپ رضی اللہ عنہ کا تجدیدی کارنامہ

ہے ۔☆...... جہاز سازی کی صنعت میں اصلاحات کیں اور باقاعدہ کارخانے قائم کیئے ۔ پہلا کارخانہ 54ھ میں قائم ہوا ۔☆...... قلعے بنائے،فوجی چھاؤنیاں قائم کیں اور" دارالضرب" کے نام سے شعبہ قائم کیا ۔ ☆...... امن عامہ برقرار رکھنے کے لئے پولیس کے شعبے کو ترقی دی جسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قائم کیا تھا ۔دارالخلافہ دمشق اور تمام صوبوں میں قومی وصوبائی اسمبلی کی طرز پر مجالس شوری قائم کیں ۔

معزز قارئین: دشمنانِ صحابہ کرام من گھڑت داستانیں سنا کر پروپیگنڈا کر کے حقائق چھپا کر شرانگیزی میں مصروف ہیں اگر علم وعقل سے سوچا سمجھا جائے مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دامن داغ دار کرنے کے لئے جھوٹی داستانیں گھڑی جاتی ہیں ۔حضرت امیر معاویہؓ کاتب وحی ہیں ۔اورآخری سانس تک صحابی رسول ﷺ رہے ۔نبی اکرم ﷺ انہیں جنت کی بشارت دے چکے ہیں ۔ تمام ادوار میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اسلام کے لئے بے شمار خدمات ہیں ۔صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہما جمعین سے بغض پیدا کر کے درحقیقت دشمنانِ اسلام ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ کی آبرو تک ہاتھ ڈالنا چاہتے ہیں ۔صحابہ کرام علیہم الرضوان پر تنقید کرنے والے درحقیقت ختمِ نبوت کے دشمن ہیں ۔اور مسلمانوں کے ایمان کو کمزور کر کے کافر طاقتیں اسلام کو ختم کرنا چاہتی ہیں ۔بغضِ صحابہ کی معافی نہیں ۔ لہذا تبرابازوں اور سب وشتم کرنے والوں سے ہمدردانہ التجاء ہے کہ گالی گلوچ بداخلاقی دکھا کر اپنا دوزخ کی طرف راستہ آسان نہ کریں ۔کیونکہ جن ہستیوں پر آپ بددیانتی اور خیانت کا الزام لگاتے ہیں وہ ہستیاں جنت کی بشارت پا چکی ہیں ۔اوران پر بدگمانی پیدا کر کے لوگ جہنم خرید رہے ہیں ۔اختلاف ہوسکتا ہے ۔دلائل کے ساتھ عزت کے دائرہ میں رہ کر کریں ۔کیونکہ ان ہستیوں کا احترام سب پہ لازم ہے ۔لہٰذا کوئی مسلمان ان کی شان میں گستاخی کا تصور بھی نہیں کرسکتا اور جو گستاخی کرے وہ مسلمان نہیں ہوسکتا۔

22 رجب المرجب 60ھ میں کاتب وحی،جلیل القدر صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، فاتح شام و قبرص اور 19 سال تک 64 لاکھ مربع میل پر حکم رانی کرنے والے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ 78 سال کی عمر میں وفات پا گئے ۔حضرت ضحاک بن قیس رضی اللہ تعالی عنہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی

اور دمشق کے باب الصغیر میں مدفون ہوئے۔اللہ کی ان پر بے شمار رحمتیں نازل ہوں۔(آمین)

سیدنا حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل ومناقب

خاتم النبیین نبی کریم ﷺ کے خانوادۂ عالیہ کے ہر فرد کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فضائل وکمالات کا جامع بنایا اور بے شمار خصائص سے نوازحضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو حضور اکرم ﷺ کی ذات اقدس سے خصوصی تعلق ہے، انہیں اہل بیت ہونے کا بھی اعزاز حاصل ہے اور وہ صحابیت کے شرف سے بھی مشرف ہیں، اسی وابستگی وتعلق کے سبب اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انہیں حق وصداقت کا پیکر بنایا، وہ گفتار وکردار کے پاکیزہ ہیں اور ان کا ہر طریقۂ کار بے مثل وبے مثال اور امت کے لئے عمدہ نمونہ ہے، ان کی تابناک زندگی امت کے لئے مشعل راہ ہے۔سیدنا حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اور خاتون جنت سیدتنا فاطمۃ الزھراء کے بڑے صاحبزادے ہیں۔آپؓ کی ولادت باسعادت 15 / رمضان المبارک 3 / ہجری کو مدینہ منورہ میں ہوئی۔رسول اللہ ﷺ نے آپ کا نام ''حسنؓ'' رکھا اور کنیت ''ابومحمد'' تجویز فرمائی۔ساتویں دن آپؓ کا عقیقہ کیا گیا۔آپؓ نبی اکرم ﷺ کے چہیتے نواسے ہیں۔امام بخاری نے حضرت انس سے روایت کی آپؓ نے کہا کہ کوئی بھی نبی کریم ﷺ سے حسن بن علیؓ سے زیادہ مشابہ نہیں تھا۔(تاریخ الخلفاء، ج:1،ص:76)ایک حدیث مبارکہ میں ہے جو حضرت سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے اپنے بڑے شہزادے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا نام مبارک حمزہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا نام مبارک ان کے چچا حضرت جعفر کے نام پر رکھا، پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ان کا نام حسن اور حسین رضی اللہ عنہما رکھا۔(معجم کبیر طبرانی، حدیث نمبر:2713)اور حسن اور حسین یہ

دونوں نام اہل جنت کے اسماء سے ہیں اور قبل اسلام عرب نے یہ دونوں نام نہ رکھے۔ (تاریخ الخلفاء، ج:1 ص:76) چشمِ فلک نے روئے زمین پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خلقت اور اخلاق میں جگر گوشۂ شہزادی کونین سیدنا امام حسنِ مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ مشابہ کسی فرد بشر کو نہیں دیکھا۔ آپؓ کا پرنور چہرہ پر جلال قد وقامت جمالِ نبوت کی یاد تازہ کر دیتی۔ آپؓ کی پر ہیبت و پروقار مجلس، بارگاہ رسالت کا حسین نظارہ پیش کرتی۔ آپؓ کے قدسی صفات، صفاتِ نبوت کے آئینہ دار ہیں۔ حضرات صحابہ کرام بالخصوص شیخین کریمین سیدنا ابوبکر صدیقؓ اور سیدنا عمر فاروقؓ نیز سیدنا عثمان غنیؓ اور سیدنا علی مرتضی کرم اللہ وجہہ نے حد درجہ آپؓ کا احترام کیا۔ بلاشبہ آپؓ کی محبت ایمان کا حصہ ہے۔ حسنین کریمین کی محبت کے بغیر محبتِ رسولؐ کا تصور ہی نہیں۔ خاتون جنت سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت ہے کہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرضِ وصال کے دوران حضرت حسن رضی اللہ تعالی عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ تعالی عنہ کو آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں لائیں اور عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم! یہ آپ کے شہزادے ہیں، انہیں اپنی وراثت میں سے کچھ عطا فرمائیں! تو حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: حسن میری ہیبت وسرداری کا وارث ہے اور حسین میری جرات وسخاوت کا۔ (معجم کبیر طبرانی) صحیح بخاری میں ہے کہ جب خاتم الانبیاء جناب نبی کریم ﷺ منبر شریف پر رونق افروز ہوئے، آپ کے پہلو مبارک میں حضرت حسن رضی اللہ تعالی عنہ تھے، حضور اکرم ﷺ کبھی لوگوں کی جانب متوجہ ہوتے اور کبھی آپ کی طرف متوجہ ہوتے، آپ نے ارشاد فرمایا: میرا یہ بیٹا سردار ہے، یقینا اللہ تعالی اس کے ذریعہ مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح فرمائے گا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے انھوں نے کہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسن وحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں فرمایا وہ دونوں میرے پھول ہیں۔ (بخاری) حضرت امام حسنؓ وہ پھول اور خوشبو ہیں جنکی خوشبو اس وقت سے چلی آرہی ہے اور پھیلتی ہی چلی جا رہی ہے اور قیامت تک پھیلتی ہی جائے گی یہ وہ خوشبو ہے جس سے عظیم ہستیاں اس نسل سے پیدا ہونگی یعنی وہ عظیم ہستیاں امام

حسن رضی اللہ عنہ کی نسل سے پیدا حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ جو شبیہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جو سیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صورت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مجموعہ ہیں ان کی نسل بھی انہی صورتوں اور سیرتوں کا حامل رہی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: (اللّٰھُمَّ إِنِّي أُحِبُّهُ فَأَحِبَّهُ) اے میرے رب میں اپنے نواسے سے محبت کرتا ہوں میرے رب تو بھی اس سے محبت کر۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آگے ارشاد فرما رہے ہیں (وَأَحْبِبْ مَنْ يُحِبُّهُ) اے اللہ تعالیٰ تو اس سے بھی محبت کر جو حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے محبت کرتا ہے۔ یعنی محبت کا یہ معاملہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک محدود نہیں رہنا چاہیے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امتیوں کی محبت کا مرکز نگاہ بننا چاہیے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے حسن اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے محبت کی، اس نے درحقیقت مجھ ہی سے محبت کی اور جس نے حسن اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بغض رکھا اس نے مجھ ہی سے بغض رکھا۔ (ابن ماجہ) حضرت عقبہ بن الحارث روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیکھا انہوں نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو اٹھایا ہوا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک عمل کریں اور حضرت ابوبکر صدیق نہ کریں تو یہ محبت تو نہ ہوئی محبت کا تقاضہ تو یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسا عمل اختیار کریں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی ویسا ہی طرز عمل اختیار کریں تو یہ کیسے ممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو اپنے کندھوں پر اٹھائیں اور حضرت ابوبکر نہ اٹھائیں۔ حضرت ابن حارث فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ امام کو اٹھائے ہوئے تھے اور فرما رہے تھے کہ میرے ماں باپ حضرت حسن رضی اللہ عنہ پر قربان ہو جائیں حضرت امام حسن تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشابہت رکھتے ہیں یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مشابہت نہیں رکھتے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ساتھ کھڑے ہیں یہ سن کر مسکرانے لگے۔ ذرا غور فرمائیں کہ کیسے تعلقات ہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اہل بیت سے کتنی محبت ہے اب اگر کوئی یہ کہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حسن رضی اللہ عنہ سے محبت نہیں تھی تو وہ کتنا بڑا جھوٹا ہے۔

امام ترمذی نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: حسن اور اور حسین نوجوان جنتیوں کے سردار ہیں۔ امام حسن رضی اللہ عنہ کی ابتدائی زندگی اپنے نانا جان اور والدین کے

سایۂ عاطفت میں گزری ۔حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں حضرت امام حسنؓ کی صغرسنی کا زمانہ تھا اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حد درجہ اہلبیت اطہار کا لحاظ فرماتے ۔حضرت عمر فاروق نے اپنے عہد خلاف میں دیوان (دفتر) اور بیت المال کو قائم فرمایا اور مسلمانوں کے لئے علی قدر مراتب سالانہ وظیفے مقرر کئے ۔جنگ بدر میں شریک صحابہ کرام کو سب سے زیادہ وظیفے مقرر ہوئے ۔سیدنا حضرت امام حسنؓ اور سیدنا حضرت امام حسینؓ اگرچہ جنگ بدر کے وقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے تاہم حضرت عمرؓ کے عہد میں آپ دونوں بھی جنگ بدر میں شریک صحابہ کرام کے برابر پانچ پانچ ہزار درہم وظیفہ پاتے تھے جبکہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نیز امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وظیفہ بھی اتنا ہی تھا ۔اس دیوان میں پہلا نام حضرت عباسؓ کا تھا، دوسرا حضرت علی مرتضیٰؓ اور تیسرا حضرت حسن مجتبیٰؓ کا۔ (البلاذری: فتوح البلدان، ذکر العطاء فی خلافۃ عمر بن الخطابؓ) حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا برتاؤ بھی حضرت حسنؓ کے ساتھ شفقت آمیز تھا ۔ان کے عہد میں آپؓ جوان ہو چکے تھے اس لئے جہاد میں شریک ہوئے ۔چنانچہ 30 ہجری میں حضرت سعید بن العاس کی سرکردگی میں طبرستان پر فوج کشی ہوئی تو حضرت حسنؓ نے بھی اس میں حصہ لیا۔جب حضرت عثمانؓ کے خلاف فتنے کا طوفان اُٹھا تو حضرت علیؓ نے حضرت حسنؓ کو حضرت عثمانؓ کی حفاظت کے لئے متعین کر دیا۔اس حفاظت میں حضرت حسنؓ زخمی بھی ہوئے، باغی اس دروازے سے داخل نہ ہو سکے جہاں حضرت حسنؓ کا پہرہ تھا ۔تاہم وہ ایک دوسری دیوار پھاند کر داخل ہوئے اور حضرت عثمانؓ کو بہ حالت تلاوتِ قرآن پاک شہید کر دیا گیا۔(السیوطی: تاریخ الخلفاء)

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی بیعت کے بعد ہی جنگ جمل پیش آئی ۔حضرت علی مرتضیٰؓ نے حضرت امام حسنؓ کو کوفہ روانہ کیا تاکہ امداد کے لئے لوگوں کو آمادہ کریں ۔چنانچہ امام حسنؓ نو ہزار چھ سو پچاس کوفیوں کو لیکر اس مقام پہنچے جہاں حضرت علیؓ مقیم تھے ۔معرکۂ صفین میں آپ سالار میمنہ تھے ۔اس معرکہ میں حضرت علی مرتضیٰ کے دونوں صاحبزادے شریک ہوئے ۔رمضان ۴۰ھ میں حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی شہادت ہوئی ۔حضرت علیؓ کی تجہیز و تدفین سے فراغت کے بعد کوفے کی جامع مسجد میں حضرت

حسنؓ کے لئے بیعت خلافت ہوئی۔بیعت کے چارماہ بعد حضرت حسنؓ اورحضرت امیر معاویہؓ اپنے اپنے لشکر کے ساتھ جنگ کے لئے نکلے، بعدازاں ناناجان کی اُمت کا خون بچانے کی خاطر سیدنا حضرت امام حسنؓ نے صلح کی پیشکش کی ورنہ آپ کے لشکر جرار سے مقابلہ کرنا آساں نہ تھا۔اس طرح نبی اکرم ﷺ کی پیشن گوئی صادق ہوئی اور دو مسلم جماعتوں میں اصلاح ہوئی اوراس سال کی ’’عام الجماعۃ‘‘ سے شہرت ہوئی۔

حضرت اعمش رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' آپ نے فرمایا کہ ایک بد بخت شخص نے سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کے مزار مبارک پر بدبختی سے بول و براز کیا تو وہ اسی وقت پاگل اور مجنون ہوگیااور مرتے دم تک کتوں کی طرح بھونکتا رہا، پھر مرنے کے بعد اس کی قبر سے بھیانک آواز سے کُتا بھونکنے کی آواز سنائی دیتی۔(تاریخ دمشق لابن عساکر، ج13 ص305،الحسن بن علی، جامع کرامات الاولیاء، ج1 ص131)

یہ واقعہ امت مسلمہ کے لئے بڑی عبرت کا باعث اورنصیحت کا ذریعہ ہے، اللہ تعالی ہم سب کوصحابہ واہل بیت ادب واحترام ملحوظ رکھنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' آپ نے فرمایا: ایک وقت اندھیری رات میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر تھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے بے پناہ محبت فرمایا کرتے، امام حسن رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں اپنی والدۂ محترمہ کے پاس جانا چاہتا ہوں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے عرض کیا میں ان کے ساتھ جاؤں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم؟ اتنے میں آسمان سے ایک نور ظاہر ہوا جس کی روشنی میں چلتے ہوئے سیدنا حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اپنی والدہ محترمہ کے پاس پہنچ گئے۔(دلائل النبوۃ للاصفھانی، باب ذکر اضاءۃ العصا، حدیث نمبر:487)

حضرت عمیر بن اسحق رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے' آپ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی خدمت میں تھے، آپ حمام میں گئے پھرتشریف لاکرفرمایا: مجھے کئی بار دھوکہ سے زہر پلایا گیامگر اس بار کی طرح شدید نہیں، اسکا اثر ہے کہ میں نے اپنے جگر کا ایک ٹکڑا تھوکا ہے، حیرت میں لکڑی سے اسکو

الٹاتا، پلٹاتا رہا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: بھائی جان! آپ کو کس نے زہر دیا؟ سیدنا حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ کیا چاہتے ہیں؟ کیا اُسے قتل کر دو گے؟ سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں! آپ نے فرمایا: میں جس کو مجرم سمجھتا ہوں اگر وہی ہے تو اللہ تعالی بہت سخت سزا دینے والا ہے، اور اگر کوئی دوسرا شخص ہے تو میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے بے گناہ کو سزا دی جائے۔ (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، باب الافراد فی الحاء، الحسن بن علی)

سیدنا حضرت امام حسن رضی اللہ تعالی عنہ کی شہادت عظمی پانچ (5) ربیع الاول، 50 ہجری اور ایک روایت کے مطابق 49 ہجری مدینہ منورہ میں ہوئی، آپ کو زہر دیکر شہید کیا گیا، آپ کا مزار مقدس جنت البقیع شریف میں ہے۔ (تاریخ الخلفاء، ج:1، ص:78)

شہادت سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ

نواسہ رسول شہیدِ کربلا سیّدنا حضرت حسین ابن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ذاتِ گرامی حق وصداقت، جرأت وشجاعت، عزم واستقلال، ایمان وعمل، ایثاروقربانی، تسلیم ورضا، اطاعتِ ربّانی، عشق ووفااور صبر ورضا کی وہ بے مثال داستان ہے، جو پوری اسلامی تاریخ میں ایک منفرد مقام، تاریخ ساز اہمیت کی حامل ہے۔

4 شعبان، 4 ہجری کی پُرنور، روشن اور حَسین صبح، خاتونِ جنّت، جگر گوشۂ رسول ﷺ، سیّدۃ النساء حضرت، فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے گھر سے آنے والی مسحورکُن خوش بُو مدینہ طیّبہ کی مقدّس فضاؤں کو مزید معطّر کررہی ہے۔ آج اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اُنہیں ایک اور عظیم فرزندِ ارجمند سے نوازا ہے۔ ولادت باسعادت کے بعد جب آپ کو اپنے نانا رسول اللہ! ﷺ کی خدمت اقدس میں پیش کیا گیا تو خاتم النبیین ﷺ بہت مسرور ہوئے۔ بے پناہ محبت کا اظہار فرمایا، دہن مبارک سے کھجور چبا کر تحنیک فرمائی اور برکت کے لیے اپنے لعابِ دہن کو نواسے کے منہ میں ڈالا۔ حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے جسم مبارک میں نبی وعلی کا لہو پہلے سے گردش کر رہا تھا اب گھٹی بھی نبی اقدس خاتم المرسلین ﷺ کے لعاب مبارک کی مل گئی۔ نام مبارک "حسین" بھی آپ ﷺ کا تجویز کردہ ہے، آپ رضی اللہ عنہ کے کانوں میں توحید ورسالت، فلاح وکامیابی، اطاعت وعبادت کا پہلا درس (یعنی اذان واقامت) بھی اللہ کے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ساتویں دن سر کے بال بھی آپ ﷺ نے اتروائے، بالوں کی تعداد کے برابر چاندی بھی آپ ﷺ ہی نے خیرات کی، عقیقہ بھی آپ ﷺ نے ہی کیا اور آپ رضی اللہ عنہ کا ختنہ کیا گیا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ باذن الٰہی ایک فرشتہ اللہ کے نبی ﷺ کے دربار میں عرض کرنے لگا: ''حسن وحسین جنت کے نوجوانوں کے سردار بنائے جائیں گے۔'' فرشتے کی یہ بات خدائے ذوالجلال کی محبت کی عکاس ہے اللہ کریم اپنے ان دو اولیاء کو جنت کے نوجوانوں کے سردار بنائیں گے۔ رسول اللہ ! ﷺ کو بھی آپ سے بے پناہ محبت تھی جس کا آپ ﷺ نے مختلف مقامات پر اظہار بھی فرماتے رہتے ایک حدیث مبارکہ میں فرمایا: اے اللہ ! میں حسن وحسین سے محبت کرتا ہوں آپ بھی ان سے محبت فرمائیں اور اس شخص سے محبت فرمائیں جو ان سے محبت کرتا ہے ۔ایک حدیث میں حضرت یعلیٰ بن مرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حسین میری اولاد ہے اور میرا حسین سے خصوصی تعلق ہے، اللہ تعالیٰ اس شخص سے محبت فرماتے ہیں جو حسین سے دعویٰ محبت میں عملاً سچا ہو۔ (ترمذی شریف)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں! میں ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ میں نے پوچھا: اے اللہ کے نبی ﷺ کیا کسی نے آپ کو ناراض کیا ہے؟ آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو کیوں جاری ہیں؟ رسول اللہ ! ﷺ نے فرمایا: ابھی جبریل امین نے مجھ سے بیان کیا کہ حسین (رضی اللہ عنہ) شطِ فرات پر قتل کیئے جائیں گے۔ کیا تم ان کی قبر کی مٹی سونگھو گے؟ میں نے کہا: جی ہاں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ دراز کیا پھر ایک مٹھی مٹی مجھے دی۔ میں اپنی آنکھوں پر قابو نہ رکھ سکا، میں رونے لگا۔ (مسند ابی یعلی 1 / 298 سندہٗ حسن) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے دکھایا گیا اور اس میں آئندہ ہونے والے شہادت کے واقعہ کو قبل از وقت دکھایا گیا اور یہ بات ہر کوئی جانتا ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے خواب اللہ تعالیٰ جل شانہ کی طرف سے وحی کی ایک قسم ہے۔ یعنی رسول اللہ ! ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے بہت پہلے ہی خبر دیدی تھی کہ حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو مظلومانہ شہید کیا جائے گا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد یزید تخت نشین ہوا۔ اس کے لئے سب سے اہم

اور بڑا مسئلہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی بیعت کا تھا کیونکہ ان حضرات نے یزید کی ولی عہدی قبول نہ کی تھی اس سلسلے میں یزید نے مدینہ کے گورنر ولید بن عقبہ کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر بھیجی اور ساتھ ہی یہ حکم نامہ بھیجا کہ "حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے میرے حق میں بیعت لو اور جب تک وہ میری بیعت نہ کریں انہیں ہرگز مت چھوڑو۔ (تاریخ، الطبری 113)

بعد ازاں اہل کوفہ نے باہم مشاورت سے حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ آنے کی دعوت دی۔ اہل کوفہ کے خطوط اور وفود کے بعد حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کو حالات سے آگاہی کے لئے کوفہ بھیجا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اہل کوفہ کی بے پناہ عقیدت ومحبت کو دیکھتے ہوئے حضرت سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھ بھیجا کہ آپ رضی اللہ عنہ تشریف لے آئیں، یہاں ہزاروں افراد آپ کی طرف سے میرے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہیں۔ چنانچہ حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے کوفہ جانے کا عزم کرلیا۔ جب حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ کی طرف روانہ ہونے کا مکمل شرح صدر ہو چکا تھا اِس لئے آپ رضی اللہ عنہ اپنی خداداد بصیرت اور دوراندیشی کے سبب مؤرخہ 8 یا 9 ذی الحجہ 60 ہجری کو مکہ مکرمہ سے کوفہ کے لئے روانہ ہونے لگے تو حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس اور آپ کے بھائی محمد بن حنیفہ نے خیر خواہانہ طور پر جانے سے روکا۔ مگر چونکہ آپ سفر کا عزم کر چکے تھے اس لیے یہ مشورہ قبول نہ کیا اور سفر پر روانہ ہو گئے۔

حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ جب مقام "زیالہ" پر پہنچے تو آپ کو یہ الم ناک خبر پہنچی کہ آپ کے رضاعی اور چچا زاد دونوں بھائیوں کو اہل کوفہ نے قتل کر دیا ہے۔ اب آپ نے اپنے تمام ساتھیوں کو ایک جگہ جمع کر کے ان سے فرمایا کہ اہل کوفہ نے ہمیں دھوکہ دیا ہے اور ہمارے متبعین ہم سے پھر گئے ہیں۔ جب قافلہ مقام قادسیہ سے کچھ آگے پہنچا تو حر بن یزید ایک ہزار کے لشکر کے ساتھ نمودار ہوا اور اسے اس

بات کا پابند کیا گیا تھا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو مع ان کے لشکر کے گرفتار کر کے ابن زیاد کے سامنے پیش کیا جائے ۔حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما نے یہ منظر دیکھ کر اس کو تنبیہ فرمائی کہ تم نے خود ہی خطوط لکھ کر مجھے بلوایا ہے، اب دغابازی کیوں کرتے ہو؟ پھر آپ نے تمام خطوط اس کو دکھائے تو حر بن یزید نے آپ کو دھمکی آمیز لہجہ میں کہا: ''جنگ سے باز رہو! بصورت دیگر قتل کر دیئے جاؤ گے۔'' یہ سن کر ابن علی نے فرمایا: (میں روانہ ہوتا ہوں اور نوجوان مرد کیلئے موت کوئی ذلت نہیں ہے، جب کہ اس کی نیت حق ہو اور راہ اسلام میں جہاد کرنے والا ہو) پھر آپ نے دوسرا قاصد روانہ کیا جس کا نام قیس بن مسھر تھا، ابن زیاد نے اس کو بھی قتل کروا دیا جب اس بات کی خبر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو ہوئی تو آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے ۔ بالآخر آپ بہت طویل مسافت طے کر کے 2 محرم 60ھ میں میدان کربلا میں پہنچ گئے ۔ادھر ابن زیاد نے عمر بن سعد کو ایک لشکر کا سپہ سالار بنا کر میدان جنگ کی طرف روانہ کر دیا۔ جب اس کی آپ سے ملاقات ہوئی تو آمد مقصد پوچھا، تو حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے عمر بن سعد کے سامنے ایک پیشکش کی آپ لوگ میری طرف سے ان تین چیزوں میں سے ایک چیز کو اختیار کر لیں:

1: میں اسلام کی سرحدوں میں سے کسی سرحد کی طرف جانا چاہتا ہوں مجھے جانے دیا جائے تا کہ وہاں خود اسلام کی حفاظت کر سکوں ۔ 2: میں مدینہ منورہ کی طرف چلا جاؤں مجھے واپس جانے دیا جائے ۔ 3: مجھے موقع دیا جائے کہ میں یزید سے اس معاملہ میں بالمشافہ بات کر سکوں ۔

عمرو بن سعد نے امام حسین رضی اللہ عنہ کی یہ تینوں باتیں سن کر ابن زیاد کی طرف ایک خط روانہ کیا، جس میں لکھا تھا کہ: ''اللہ تعالیٰ نے جنگ کی آگ بجھا دی اور مسلمانوں کا کلمہ متفق کر دیا۔ مجھ سے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے ان (مذکورہ) تین باتوں کا اختیار مانگا ہے جن سے آپ کا مقصد پورا ہو جاتا ہے اور امت کی اسی میں صلاح و فلاح ہے۔'' ابن زیاد نے جب یہ خط پڑھا تو وہ کافی متاثر ہوا اور کہا کہ: ''یہ خط ایک ایسے شخص کا ہے جو امیر کی اطاعت بھی چاہتا ہے اور اپنی قوم کی عافیت کا بھی خواہش مند ہے، اس لئے ہم نے اس خط کو قبول کر لیا ہے ۔'' لیکن شمر بن ذی الجوشن جو ابن زیاد کے پاس ہی ایک طرف بیٹھا ہوا تھا، کہنے لگا

کہ ”کیا آپ (سیدنا) حسین (رضی اللہ عنہ) کو مہلت دینا چاہتے ہیں تاکہ وہ قوت حاصل کر کے دوبارہ تمہارے مقابلہ کے لئے نکل کھڑے ہوں؟ یاد رکھو! اگر آج وہ تمہارے ہاتھ سے نکل گئے تو پھر کبھی تم ان پر قابو نہ پاسکو گے، مجھے اس خط میں عمرو بن سعد کی سازش معلوم ہوتی ہے، کیوں کہ میں نے سنا ہے کہ وہ راتوں کو آپس میں باتیں کیا کرتے ہیں۔“ ابن زیاد نے شمر کی رائے کو قبول کرتے ہوئے عمرو بن سعد کی طرف اسی مضمون کا ایک خط لکھا اور اسے شمر کے ہاتھ روانہ کیا اور اسے ہدایت کی کہ اگر عمرو بن سعد میرے اس حکم کی فوراً تعمیل نہ کرے تو تو اسے قتل کر دینا اور اس کی جگہ لشکر کا امیر تو خود بن جانا!

شمر بن ذی الجوشن جب ابن زیاد کا خط لے عمرو بن سعد کے پاس پہنچا تو وہ سمجھ گئے کہ شمر کے مشورہ سے یہ صورت عمل وجود میں آئی ہے اور میرا مشورہ رد کر دیا گیا ہے، اس لئے عمر بن سعد نے شمر سے کہا کہ ”تو نے بڑا ظلم کیا ہے کہ مسلمانوں کا کلمہ متفق ہو رہا تھا اور تو نے اس کو ختم کر کے قتل وقتال کا بازار گرم کر دیا ہے۔“ بالآخر حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو یہ پیام پہنچایا گیا، تو آپ نے اس کے قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا اور فرمایا کہ ”اس ذلت سے تو موت ہی بہتر ہے۔“

دسویں محرم جمعہ یا ہفتہ کے دن فجر کی نماز سے فارغ ہوتے ہی عمرو بن سعد لشکر لے کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سامنے آ گیا۔ اس وقت حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ کل بہتر (72) اصحاب تھے، جن میں سے بتیس (32) گھڑ سوار اور چالیس (40) پیادہ پا تھے۔ چنانچہ آپ نے بھی اس کے مقابلہ کے لئے اپنے اصحاب کی صف بندی فرمالی۔

میدان کربلا میں عمر بن سعد اپنے لشکر کے ساتھ حملہ آور ہوا۔ اس طرح باقاعدہ لڑائی شروع ہوگئی۔ دونوں طرف سے ہلاکتیں اور شہادتیں ہوتی رہیں۔ آخر کار دغابازوں کا لشکر حاوی ہوا۔ نتیجتاً حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا خیمہ جلا دیا گیا۔ دشمنوں نے انتہائی سفاکی اور بیدردی سے معصوم بچوں کو بھی خون میں نہلانے سے دریغ نہ کیا۔ چشم فلک نے یہ منظر بھی دیکھا جب زرعہ بن شریک نے نواسہ رسول کے بائیں کندھے پر تلوار کا وار کیا، کمزوری سے پیچھے کی طرف ہٹے تو سنان بن ابی عمرو بن انس نخعی نے نیزہ مارا جس کی وجہ سے

آپ زمین پر گر پڑے۔ پھر آگے بڑھ کر اس نے خاتون جنت کے نور نظر کو ذبح کر دیا۔ سر تن سے جدا کر دیا۔ اس خون ریز معرکہ میں حضرت سیدنا حسین کے 72 ساتھی شہید اور کوفیوں کے 88 آدمی قتل ہوئے۔ ظلم بالائے ظلم یہ کہ حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا سر کاٹ کر ابن زیاد کے دربار میں پیش کیا گیا تو اس نے انتہائی گستاخی کر کے چھڑی کے ذریعے نواسہ رسول ﷺ کے ہونٹوں کو چھیڑ کر جسد خاکی کی توہین کی اور یزید کو لکھ بھیجا کہ میں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر قلم کر دیا ہے۔ جنت اپنے سردار کی راہ تک رہی تھی ،دسویں محرم کے ڈھلتے سورج نے انسانیت کی تاریخ کا یہ دردناک واقعہ دیکھا جس کو خون سے رنگین دھرتی نے اپنے سینے پر ہمیشہ کیلئے نقش کر دیا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ ایسا دردناک اور اندوہ ناک واقعہ ہے کہ جس پر انسانوں کی سنگ دل تاریخ بھی ہچکیاں لے لے کر روتی رہی ہے۔ اس میں ایک طرف ظلم وستم، بے وفائی و بے اعتنائی اور محسن کشی و نسل کشی کے ایسے الم ناک اور درد انگیز واقعات ہیں کہ جن کا تصور کرنا بھی آج کل ہم جیسے لوگوں کے لئے ناممکن ہے۔ اور جو بہتر نفوس قدسیہ جن کی شہادت میدان کربلا میں ہوئی بعض کتابوں میں ان کے نام درج ذیل ہیں:

72 شہدائے کربلا 1: حضرت حسین 2 حضرت عباس بن علی 3 حضرت علی اکبر بن حسین 4 حضرت علی اصغر بن حسین 5 حضرت عبداللہ بن علی 6 حضرت جعفر بن علی 7 حضرت عثمان بن علی 8 حضرت ابوبکر بن علی 9 حضرت ابوبکر بن حسن بن علی 10 حضرت قاسم بن حسن بن علی 11 حضرت عبداللہ بن حسن 12 حضرت عون بن عبداللہ بن جعفر 13 حضرت محمد بن عبداللہ بن جعفر 14 حضرت عبداللہ بن مسلم بن عقیل 15 حضرت محمد بن مسلم 16 حضرت محمد بن سعید بن عقیل 17 حضرت عبدالرحمن بن عقیل 18 حضرت جعفر بن عقیل 19 حضرت حبیب ابن مظاہر اسدی 20 حضرت اَنس بن حارث اسدی 21 حضرت مسلم بن عوسجہ اسدی 22 حضرت قیس بن عشر اسدی 23 حضرت ابوثمامہ بن عبداللہ 24 حضرت بریر ہمدانی 25 حضرت ہنزلہ بن اسد 26 حضرت عابس شاکری 27 حضرت عبدالرحمن رہبی 28 حضرت سیف بن حارث 29 حضرت عامر بن عبداللہ ہمدانی 30 حضرت جندا بن حارث 31 حضرت شوذب بن عبداللہ 32 حضرت نافع بن حلال 33

حضرت حجاج بن مسروق مؤذن 34 حضرت عمر بن کرضہ 35 حضرت عبدالرحمن بن عبد رب 36 حضرت جندا بن کعب 37 حضرت عامر بن جندا 38 حضرت نعیم بن عجلان 39 حضرت سعد بن حارث 40 حضرت زہیر بن قیس 41 حضرت سلمان بن مضارب 42 حضرت سعید بن عمر 43 حضرت عبداللہ بن بشیر 44 حضرت وھب کلبی 45 حضرت حرب بن عمر۔ شیخ الاسلام قیس 46 حضرت ظہیر بن عامر 47 حضرت بشیر بن عامر 48 حضرت عبداللہ ارواح غفاری 49 حضرت جون غلام ابوذر غفاری 50 حضرت عبداللہ بن امیر 51 حضرت عبداللہ بن یزید 52 حضرت سلیم بن امیر 53 حضرت قاسم بن حبیب 54 حضرت زید بن سلیم 55 حضرت نعمان بن عمر 56 حضرت یزید بن سبیت 57 حضرت عامر بن مسلم 58 حضرت سیف بن مالک 59 حضرت جابر بن حجاج 60 حضرت مسعود بن حجاج 61 حضرت عبدالرحمن بن مسعود 62 حضرت بیکر بن حیؑ 63 حضرت عمار بن حسن تائی 64 حضرت زرغامہ بن مالک 65 حضرت کینانہ بن عتیق 66 حضرت عقبہ بن سولت 67 حضرت حر بن یزید تمیمی 68 حضرت عقبہ بن سولت 69 حضرت حبلہ بن علی شیبنی 70 حضرت کنب بن عمر. 71 حضرت عبداللہ بن یکتیر 72 حضرت اسلم غلام ابن ترکی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ۔(تاریخ طبری، تاریخ یعقوبی، الکامل فی التاریخ)

امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ”جو لوگ قتل سیدنا حسین رضی اللہ عنہ میں شریک تھے، اُن میں سے ایک بھی ایسا نہ تھا کہ جسے آخرت سے پہلے دنیا ہی میں اس کی سزا نہ ملی ہو، کوئی قتل کیا گیا، کسی کا چہرہ سخت سیاہ ہو گیا، کسی کا چہرہ مسخ ہو گیا، کسی سے چند ہی دنوں میں ملک و سلطنت چھن گئی۔ ان کی یہ سزا آخرت میں ان کو ملنے والی دردناک سزا کا ایک معمولی سا نمونہ تھا، جس کی ایک ادنیٰ سی جھلک لوگوں کی عبرت کے لئے دنیا ہی میں دکھادی گئی تھی۔ سبط ابن جوزی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے کہ ایک بوڑھا آدمی سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل میں شریک تھا، وہ دفعتاً نابینا ہو گیا، لوگوں نے اُس سے اس طرح اچانک نابینا ہونے کی وجہ پوچھی تو اُس نے کہا کہ: ”میں نے رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آستین مبارک چڑھائے ہوئے ہیں، ہاتھ میں تلوار ہے، اور آپ کے سامنے چمڑے کا وہ فرش ہے جس پر کسی کو قتل کیا جاتا ہے اور اِس

پر قاتلانِ حسین رضی اللہ عنہ میں سے دس (۱۰) آدمیوں کی لاشیں ذبح کی ہوئی پڑی ہیں، اِس کے بعد آپ نے مجھے ڈانٹا اور خونِ حسین رضی اللہ عنہ کی ایک سلائی میری آنکھوں میں لگائی، اب جب صبح میں اپنی نیند سے اُٹھا تو اندھا ہو چکا تھا۔" (اسعاف الراغبین)

ابن جوزی رحمہ اللہ نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ جس شخص نے سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سر مبارک کو اپنے گھوڑے کی گردن میں لٹکایا تھا، اِس کے بعد اُسے دیکھا گیا کہ اُس کا منہ تارکول کی طرح سیاہ ہو گیا، لوگوں نے اُس سے دریافت کیا کہ: "تو تو سارے عرب میں خوش رو آدمی اور خوبصورت تھا تجھے کیا ہو گیا؟"۔ اُس نے کہا کہ: "جس روز سے میں نے سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر اپنے گھوڑے کی گردن میں لٹکایا ہے، جب ذرا سوتا ہوں تو دو آدمی میرے بازو پکڑتے ہیں اور مجھے ایک دہکتی ہوئی آگ میں لے جا کر ڈال دیتے ہیں اور وہ مجھے جھلس دیتی ہے۔" چند دن بعد وہ بھی اسی حالت میں مر گیا۔

جس شخص نے سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے تیر مارا تھا اور پانی نہیں پینے دیا تھا، اس پر اللہ تعالیٰ نے پیاس کا ایسا عذاب مسلط کیا کہ اُس کی پیاس کسی بھی طرح بجھتی نہ تھی، پانی کتنا ہی پی لیتا لیکن پھر بھی پیاس سے تڑپتا رہتا، یہاں تک کہ اُس کا پیٹ پھٹ گیا اور وہ بھی مر گیا۔ (شہید کربلا: ص 111 / 110)

نواسہ رسول، جگر گوشہ بتول، حضرت سیدنا حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے محبت وعقیدت اور ان سے قلبی تعلق و وابستگی ایمان کی نشانی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہمارے سینوں کو اہل بیت کی محبت سے آباد کیا۔ جس طرح حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں اہل بیت کا احترام اور مقام مسلم تھا اسی طرح ہمارے دلوں میں بھی ان کی محبت وعقیدت راسخ ہونی چاہئے۔ یہ وہ اونچی ہستیاں ہیں جنہیں رب تعالیٰ اپنے محبوب کے قرب اور نسبت کے لیے چنا اور ان کی محبت کو اپنے محبوب کی محبت قرار دیا اور حقیقت یہ ہے کہ یہ وہ محبت ہے جو پاکیزہ بھی ہے اور معطر بھی، جو دنیا میں بھی دل کی راحت کا سبب ہے اور آخرت میں بھی کامیابی کا سبب ہو گی۔ ان شاء اللہ!

دوسری طرف یہ افسوس ناک حقیقت بھی ہے کہ وہ لوگ بہت ہی بدبخت ہیں جو اہل بیت کی طرف

غلط اور جھوٹی باتوں کو منسوب کر کے انہیں تکلیف پہنچاتے ہیں، اور وہ تو بہت ہی شقی ہیں جو اپنی من گھڑت کہانیوں اور عقیدوں کو اہل بیت کی طرف منسوب کر کے حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے نانا سیدنا محمد رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے دین کو بگاڑتے ہیں۔حالانکہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعہ شہادت میں وہ گراں قدر بصیرتیں موجود ہیں جن سے اُمتِ مرحومہ کے دلوں میں عزم و استقلال، صبر و ثبات، استبداد شکنی، قیامِ خلافت، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی روح پیدا ہوتی ہے اور حضرت حسینؓ کی قربانی کا مقصد ہی یہ تھا کہ میرے نانا کی اُمت اچھے اوصاف سے متصف ہو جائے مگر لوگوں نے اس عظیم الشان قربانی کا مضحکہ اُڑانا شروع کر دیا اور تعزیوں کے جلوسوں کو حضرت حسینؓ کی عظمت کے لئے کافی سمجھ لیا اور ماتم کرنے، بال نوچنے، چھاتی پیٹنے، بدن زخمی کرنے اور نوحہ اور بین کرنے کو اہل بیت کی محبت کا معیار قرار دے دیا۔''اہل بیت کی محبت، اہل سنت والجماعت کا سرمایہ ہے۔''اہل سنت کا گناہ یہی تو ہے کہ وہ اہل بیت کی محبت کے ساتھ ساتھ خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام صحابہ کی تعظیم و توقیر بھی بجالاتے ہیں اور ان میں سے کسی کو بھی ان کے تنازعات و مخالفتوں کے باوجود بُرائی سے یاد نہیں کرتے اور صحبتِ پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوۃ والسلام کی تعظیم کی وجہ سے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مصاحبین کی عزت و تکریم کی بنا پر اُن سب کو خواہش پرستی اور تعصب سے دُور جانتے ہیں۔''''روافض، اہل سنت والجماعت سے اُس وقت خوش ہوں گے جب اہل سنت بھی اُن کی طرح دوسرے اصحاب کرام سے بیزاری کا اظہار کریں اور اُن اکابرِ دین کے ساتھ بدگمانی اختیار کریں۔اسی طرح خوارج کی خوشنودی بھی اہل بیت کی عداوت اور آل محمد حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بغض پر وابستہ ہے۔حضرت امام محمد بن ادریس الشافعی رحمہ اللہ کے ایک شعر کا مفہوم بہت ہی عمدہ ہے کہ: اے اہل بیت! تمہارا مقام کتنا ہی اونچا ہے کہ جب تک کوئی شخص پر تم پر درود نہ بھیج لے اس کی نماز قبولیت سے رکی رہتی ہے: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ط اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ط

سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ

اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے بندوں میں کچھ ایسے نفوسِ قدسیہ کو چُن لیتے ہیں جو لوگ اُس کے پیارے حبیب خاتم النبیین جناب نبی کریم حضرت محمد مصطفی ﷺ سے محبت کرتے ہیں اور عشق رسول ﷺ میں اپنے محبوب کے لیے اپنا سب کچھ نچھاور کر دیتے ہیں۔ انہی پروانوں میں سیدنا حضرت بلال رضی اللہ تعالی عنہ ہیں آپ ان اوّلین مسلمانوں میں سے ہیں جو محسن انسانیت کے دست مبارک پر مشرف بہ اسلام ہوئے اور سابقون الاولون اصحاب رضی اللہ عنہم میں ان کا شمار ہوا۔ سیدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ کے والدِ گرامی کا نام رباح ہے جبکہ والدہ محترمہ کا اِسم مبارکہ حمامہ رضی اللہ عنہا، کتبِ سیر میں موجود ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے والد جناب رباح خاندانی اعتبار سے حبشی النسل تھے جو کہ اپنی رفیقہ حیات محترمہ حضرت حمامہ کے ہمراہ مستقل طور پر مکہ مکرمہ میں آ کر رہائش پذیر ہو گئے تھے اور قریش کے خاندان بنو امیہ کی غلامی میں آ گئے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے والدین بنیادی طور پر افریقہ کے خطے حبشہ جسے آج کل ایتھوپیا کا ملک کہا جاتا ہے وہاں کے رہنے والے تھے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی پیدائش مکہ مکرمہ میں ہی ہوئی، آپ کی کنیت کے سلسلہ میں کئی نام آئے ہیں ابوعبداللہ، ابوعبدالکریم، ابوعمرو، آپ عرب میں پیدا ہوئے اور آپ کی پرورش وتربیت عربوں کے درمیان ہوئی، آپ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہم عمر تھے۔ (مستدرک 3/319)۔ امت مسلمہ میں موذن اسلام ان کی اول وآخر شناخت ہے۔ ساری عمر جوارِ نبوی ﷺ میں بسر کی۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو محسن انسانیت ﷺ کا اس قدر قرب میسر آیا کہ جملہ ضروریات نبوی حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی ہی ذمہ داری تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ کا شمار اصحاب صفہ میں بھی ہوتا ہے، حضرت مکحول فرماتے ہیں جن لوگوں

نے حضرت بلالؓ کی زیارت کی ہے، ان لوگوں نے مجھے بتایا کہ آپ کا رنگ گندمی، جسم دبلا پتلا، قد لمبا، پیٹھ میں جھکاؤ تھا اور ہلکے رخسار والے تھے، آپ کے اندر سفید بالوں کی کثرت تھی لیکن خضاب نہیں لگایا کرتے تھے۔ (المستدرک 319 / 1 لیکن جب صحابہ رضوان اللہ علیہم ان کی خصوصیات بتاتے تو کہتے تھے کہ وہ صادق القلب تھے، ایک ایسے انسان جنہوں نے سب کچھ محنت اور جدوجہد سے حاصل کیا اور یہ سب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کا نتیجہ تھا۔ مدنی زندگی کے آغاز میں ہی جب ایک موذن کی ضرورت پیش آئی تو خاتم النبیین ﷺ کی نگاہ انتخاب سیاہ رنگت کی حامل اس ہستی پر پڑی جس کے چہرے سے پھوٹنے والی حب نبوی کی کرنوں سے آفتاب بھی ماند پڑ جاتا تھا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ فجر کی اذان سے پہلے ہی مسجد نبوی کے پڑوسی مکان، جو بنی نجار کی ایک خاتون کی ملکیت تھا، کی چھت پر بیٹھ جاتے اور وقت کے آغاز پر اذان دیتے، جس کے بعد سب مسلمان مسجد میں جمع ہو جاتے تھے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا سارا دن رسول کریم کے ساتھ ہی گزرتا تھا، خاص طور پر جب مسجد قبا جانا ہوتا تو وہاں بھی حضرت بلال رضی اللہ عنہ ہی اذان دیتے جس قبا کے مکینوں کو رسول کریم کی آمد کی اطلاع ہو جاتی تھی۔ کچھ لوگوں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے تلفظ پر اعتراض کیا کہ وہ "شین" کو "سین" کہ کر ادا کرتے ہیں لیکن ان کا اعتراض بارگاہ رسالت کی جانب سے مسترد کر دیا گیا۔ آپ ﷺ کی جانب سے حضرت بلال کو دو لقب یادو خدمات آپ کو عطا فرمائیں، جو خود آپ ﷺ نے حضرت بلال کو سونپیں، ایک الخازن، یعنی حضرت بلال، آپ ﷺ کے ذاتی خزانچی تھے، اور دوسرا لقب جو آپکا ہے وہ موذن رسول ﷺ ہے جو کہ سب بخوبی جانتے ہیں۔ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال کو تمام موذنوں کا سردار کہا ہے تو دنیا میں قیامت تک جہاں بھی اذان دی جائے گی حضرت بلال ان تمام موذنوں کے سردار ہیں۔

حضرت سیدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ اِسلام میں ثابت قدم تھے اور یہ وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے مکہ مکرمہ میں اپنا اِسلام ظاہر کیا۔ اِسلام لانے کی پاداش میں سخت اذیتیں برداشت کیں مگر پائے ثبات میں ذرہ برابر بھی لغزش نہ آئی۔ راہِ حق میں آنے والی ہر اذیت و مصیبت کو آسان سمجھ کر برداشت کر جاتے

تھے۔سیدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ کے اِسلام قبول کرنے چند ایام کے بعد آپ کی والدہ ماجدہ حمامہ بھی اپنے بیٹے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی دعوت پر دائرہ اسلام میں داخل ہوگئیں۔حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ نے اِسلام قبول کیا تو آپ کی عمر مبارک 30 سال تھی۔حضرت بلال نے اس وقت اسلام کا اعلان کیا جب صرف سات آدمیوں کو اس کے اعلان کی توفیق ہوئی تھی جس کی وجہ سے مصائب اور طرح طرح کے مظالم سے ان کے استقلال واستقامت کی آزمائش ہوئی،قریش کا ایک نامور سردار امیہ بن خلف اسلام کا بدترین دشمن تھا، اس کے غلاموں میں سے حضرت بلال ؓ نے جب اسلام کی تعلیمات سے آگاہی حاصل کی اور دولت ایمان سے قلب مبارک منور ہوا۔تاہم ایک مختصر مدت تک اپنے ایمان کو پردہ اخفا میں رکھا،لیکن آخر کب تک؟ نور ایمان کی روشنی نے ان کے آقا امیہ بن خلف کی آنکھوں کو اندھا کر دیا اور مصائب وآلام اور ابتلاء وآزمائش کا ایک پہاڑ ان پر ٹوٹ گرا۔صحرائے عرب کی تپتی ریت روزانہ کی بنیاد پر ان کی میزبان تھی، عشق نبی سے بھرپور سینے پر بھاری بھر کم پتھر کا وزن اس آزمائش کی بھٹی میں حضرت بلال ؓ کو کندن بناتا تھا اور زنجیروں میں جکڑی ہوئی رات ُاحد،احدُ کے سبق کو پختہ تر کرتی چلی جاتی تھی۔کوڑے مارنے والے تھک جاتے اور باریاں بدل لیتے تھے،کبھی امیہ بن خلف اور ابوجہل اور پھر کوئی اور لیکن حضرت بلال ؓ کی پشت سے دروں کی آشنائی دم توڑنے والے نہ تھی،خون اور پسینہ باہم اختلاط سے جذب ریگزار ہوتے گئے یہاں تک کہ محسن انسانیت ﷺ کو کسی مہربان نے داستان عزم وہمت سناڈالی۔تو آپ ﷺ نے صحابہ کو فرمایا کیا کوئی ایسا نہیں جو بلال کو خرید کر آزاد کر دے؟ حضرت ابوبکر امیہ بن خلف کے پاس گئے اور اس سے پوچھا کہ بلال کو کتنے میں بیچو گے؟ اس نے سونے کے دس سکوں کا مطالبہ کیا،حضرت ابوبکر رضی اللہ گھر آئے اور سونے کے دس سکے لے کر امیہ کو دیئے جس پر امیہ ہنس پڑا اور کہنے لگا،خدا کی قسم اگر آج تم ضد کرتے تو میں بلال کو سونے کے ایک سکے کے بدلے فروخت کر دیتا۔حضرت ابوبکر رضی اللہ نے فرمایا،اگر آج تم ضد کرتے اور مجھ سے بلال کے بدلے سونے کے سو سکے بھی مانگتے تو میں وہ دیکر بھی بلال کو آزاد کر دیتا۔حضرت بلال کو آزاد کرنے کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ کہتے تھے بلال میرے آقا ہیں۔

ہجرت کے بعد حضرت بلالؓ نے رفاقت نبوی کا حق ادا کیا اور ہر غزوہ میں شامل رہے خاص طور پر غزوہ بدر میں اپنے سابق آقا امیہ بن خلف کو قتل کیا۔ دربار رسالت میں اس سے بڑھ کر اور کیا پذیرائی ہو سکتی ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر کبار اصحاب رسول اور سرداران قریش کے درمیان سے آپؓ کو ہی حکم اذان ملا اور آپؓ نے خانہ کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دی جو اس شہر اور اس گھر میں طلوع اسلام کے بعد پہلی اذان ہی نہ تھی بلکہ اعلان فتح تھا۔ ایک پسے ہوئے طبقے کے فرد کی محض تقویٰ کی بنیاد پر اس قدر عزت افزائی صرف دین اسلام کا ہی خاصہ ہے۔ حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کی سیرت مبارکہ ایک کھلی اور روشن کتاب کی مانند ہے۔ حلقہ بگوشِ اسلام ہونے کے بعد جناب خاتم الانبیاء نبی کریم ﷺ کے ساتھ رفاقت و صحبت اور غلامی کا شرف و اعزاز اِس طرح نبھایا جیسا کہ وجود انسانی کا سایہ ساتھ نبھاتا ہے۔ غزوہ بدر، سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کی شادی خانہ آبادی، غزوۃ حمرۃ الاسد میں، غزوہ احزاب، حدیبیہ کے سفر، غزوہ خیبر، فتح مکہ کے موقع پر غزوہ تبوک، حجتہ الوداع کے موقع پر غرضیکہ زندگی کی ہر منزل ہر گام ہر سفر اور صبح شام مصطفی کریم ﷺ کے ساتھ دکھائی دیتے ہیں۔

ایک بار فجر کی نماز کے بعد آپ ﷺ نے حضرت بلال سے پوچھا کہ تم ایسا کیا کرتے ہو کہ کل رات جب میں جنت میں داخل ہوا تو میں نے اپنے آگے تمہارے قدموں کی آواز سنی۔ حضرت بلال نے جواب دیا، یارسول اللہ ﷺ جب بھی میرا وضو ٹوٹتا ہے میں دوبارہ وضو کر کے دو رکعت نفل تحیۃ الوضو ادا کرتا ہوں۔ ایک صحابی نے ایک بار حضرت بلال کو ایک حبشی عورت کا بیٹا کہہ کر بُلا یا جو حضرت بلال رضی اللہ کو گراں گزرا، آپ، رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور ساری بات بتائی، آپ ﷺ نے ان صحابی سے فرمایا کہ تمہارے اندر اب تک زمانہ جاہلیت کی باتیں موجود ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا، میں جتنا ایک سفید عورت کا بیٹا ہوں اتنا ہی ایک کالی عورت کا بیٹا بھی ہوں (حضرت حلیمہ سعدیہ)۔ اذان دیتے وقت جب اشہد ان محمد الرسول اللہ پر آتے تو آپ ﷺ گھر سے نکل کر مسجد کی طرف آتے تھے۔ پھر جب علالت کا وقت آیا اور آپ ﷺ سے امامت کے لئے آیا نہ جاسکا تو حضرت بلال خود آپ ﷺ کو بلانے جاتے، کبھی آپ

ﷺ خود آتے۔ کبھی کسی نے سہارا دیا ہوتا۔ یہ دیکھ کر حضرت بلال فرماتے کہ کیا ہی دکھ اور غم کے دن ہیں، اگر یہ دن ہی دیکھنا تھا تو میری ماں نے مجھے پیدا ہی نہ کیا ہوتا، یا اے کاش میں یہ دن دیکھنے سے پہلے مر گیا ہوتا۔ پھر یوں بھی ہوا کہ حضرت بلال رضی اللہ اذان دیتے ہوئے غم سے بے ہوش ہو گئے۔ آپ ﷺ کی وفات کے وقت جب کہ آپ ﷺ کا جسمِ مبارک ابھی وہیں تھا حضرت بلال نے اذان دینے کی کوشش کی لیکن جب اشہد ان محمد رسول اللہ پر پہنچے اور آپ ﷺ گھر سے نہ نکلے تو یہ منظر اس قدر غمناک تھا کہ اذان دیتے ہوئے حضرت بلال کو ہچکی لگ گئی، وہ اتنا روئے کہ باقی تمام صحابہ کو بھی رلا دیا۔ اگلے تین روز تک مسلسل آپ نے اذان دینے کی کوشش کی لیکن اشہد ان محمد رسول اللہ پر پہنچ کر ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ جاتے تھے، اس لئے آپ رضی اللہ نے مدینہ چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔

وصال نبوی ﷺ کا سانحہ کل اصحاب رضوان اللہ علیہم کے لیے بالعموم جبکہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے لیے بالخصوص جاں بہ لب تھا۔ مدینہ شہر کا گوشہ گوشہ آپ؄ کو رسول کریم کی یاد دلاتا تھا چنانچہ آپ اسلامی لشکر کے ساتھ ملک شام کی طرف سدھار گئے اور اذان دینا بند کر دی۔ ایک بار جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیت المقدس فتح کیا تو ساتھیوں کے بے حد اصرار پر امیر المومنین؄ نے حضرت بلال؄ سے اذان کی درخواست کی جس کو آپ؄ نے قبول فرمایا۔ ایک بار آپ؄ دمشق میں محو استراحت تھے کہ خواب میں زیارت رسول ہوئی، استفسار کیا کہ بلال ہمیں ملنے کیوں نہیں آتے! بیدار ہوتے ہی آقائے دو جہاں کے شہر کا قصد کیا اور روضہ رسول کی زیارت کی۔ مدینہ طیبہ میں حسنین کریمین؄ سے ملاقات ہوئی تو انہیں بے حد پیار کیا۔ حسنین کریمین رضی اللہ عنہما نے اذان کی فرمائش کی تو یہ کیسے ممکن تھا کہ آقا کے نور نظر لخت جگر کی فرمائش کو حضرت بلال رضی اللہ عنہ جیسے عاشق رسول پوری نہ کرتے۔ جب اذان کی دوسری شہادت پر پہنچے اور حسب عادت ممبر کی طرف نظر اٹھائی تو رسول اللہ عنقا تھے، روتے روتے بے ہوش ہو گئے۔ دوسری جانب جس جس کے کانوں میں بلال رضی اللہ عنہ کی اذان کی صدا پہنچی مسلمان تڑپ اٹھے اور مرد و زن اپنے گھروں سے نکل نکل کر آنسوؤں کی لڑیوں کے ساتھ مسجد کی طرف ایسے کھچے چلے آئے جیسے مقناطیس کی طرف لوہے کے ذرات چلے

آتے ہیں ۔ یہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی زندگی کی آخری اذان تھی ۔

حضرت بلال کی وفات کے وقت جب ان کی بیوی نے یہ کہا کہ کیا ہی غم کا وقت ہے تو حضرت بلال نے فرمایا نہیں یہ بہت خوشی کا وقت ہے، کل میں رسول اللہ ﷺ سے ملوں گا، اپنے ساتھیوں سے ملوں گا۔ حضرت بلال رضی اللہ دمشق میں، 20 ہجری میں اس دنیا کو چھوڑ کر اپنے محبوب سے ملنے چلے گئے اور دنیائے فانی کو خیر باد کہا، کم وبیش ساٹھ برس کی عمر پائی، دمشق میں باب الصغیر کے قریب مدفون ہوئے۔ ان کی کوئی اولاد نہیں تھی نہ ہی ان کی کوئی جائداد تھی، جب آپ کے وصال ک خبر سیدنا فاروق اعظمؓ کو ملی تو آپ روتے روتے نڈھال ہو گئے آپ روتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھی کہ آہ! ہمارا سردار بلالؓ بھی ہمیں جدائی کا داغ دے گیا آپ وہ عاشق رسول ﷺ تھے جب یار کو دیکھا تو سب برداشت کر لیا مگر دامن مصطفیٰؐ نہ چھوڑا اللہ کریم آپ کے عشق کا ایک ذرہ ہم سب کو بھی عطا فرمائے اور سیدنا حضرت بلال جیسے عظیم صحابی رسول کے صدقے امت مسلمہ کی بخشش فرمائے ۔

رمضان المبارک کے مسنون اعمال (1)

☆...فجر کے قریب سحری کھانا سنت ہے اور یہ کھانا برکت والا ہے، نبی کریم ﷺ سحری کھایا کرو، کیوں کہ سحری کا کھانا برکت والا ہوتا ہے۔(صحیح البخاری) ☆...جب فجر کے وقت مؤذن کی آواز سنیں تو اس کے ساتھ اذان کے الفاظ دہراتے جائیں، پھر یہ دعا پڑھیں: "اللّٰھم ربّ ھذہ الدّعوۃ التّامّۃ والصلاۃِ القآئمۃِ آتِ محمدًا الوَسیلۃ والفَضیلۃ وَابعثہُ مقاماً محموداً الذی وعدتہ اِنک لا تخلف المیعاد (بیہقی) اس دعا کے پڑھنے سے قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب ہونے کی بڑی امید ہے۔ جیسا کہ بخاری شریف کی روایت میں بشارت آئی ہے۔ یہ دعا ہر اذان کے بعد پڑھنا سنت ہے۔ اس کے بعد فجر کی دو سنتیں ادا کریں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ترجمہ: فجر کی دو سنتیں دنیا و مافیہا سے بہتر ہیں۔(صحیح مسلم) ☆...اذان واقامت کے درمیان دعا مانگیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اذان واقامت کے درمیان دعا رد نہیں ہوتی۔(رواہ الترمذی) ☆...فجر کی نماز باجماعت مسجد میں ادا کریں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اگر لوگوں کو معلوم ہوتا کہ عشا اور فجر کی نماز کا کتنا ثواب ہے تو گھٹنوں کے بل بھی چل کر آتے۔(بخاری ومسلم) ☆...خواتین کے لیے افضل یہی ہے کہ وہ گھر پر نماز ادا کریں، نماز کو صحیح وقت پر ادا کریں اور خشوع وخضوع کے ساتھ نماز پڑھیں۔☆...نماز فجر کے بعد نماز کی جگہ بیٹھ کر ذِکرُ اللہ میں مشغول رہیں، بہترین ذِکر، تلاوت قرآن ہے، لہٰذا کم از کم آدھا پارہ تلاوت کرلیں اور بقیہ آدھا کسی اور وقت پورا کرلیں، تاکہ رمضان شریف میں کم از کم ایک مرتبہ پورے قرآن مجید کا دور پورا ہو جائے۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جس نے نماز فجر ادا کی، پھر اشراق تک نماز کی جگہ بیٹھ کر ذکر اللہ میں مشغول رہا اس

کے بعد اشراق کی دو رکعتیں پڑھ لیں، تو اس کو حج وعمرہ جیسا ثواب ملے گا۔اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا کہ پورے حج وعمرہ کا ثواب ملے گا۔(رواہ الترمذي) دوسری حدیث میں ہے کہ ان دو رکعتوں کے پڑھنے سے جسم کے تین سو ساٹھ جوڑوں کی طرف سے صدقہ ادا ہوجاتا ہے۔(رواہ مسلم) یہ فضیلت خواتین بھی حاصل کریں، نماز کی جگہ بیٹھ کر ذکراللہ میں مشغول رہیں، اس کے بعد اشراق کی دو رکعتیں پڑھ لیں اور حج وعمرہ کا ثواب مفت میں کمائیں۔☆...اگر آرام کریں تو یہ نیت کرلیں کہ جسمانی اور دماغی تھکاوٹ دور ہوگی تو دوبارہ اللہ تعالی کی عبادت میں مشغول ہوجاؤں گا تو یہ آرام بھی عبادت میں لکھا جائے گا۔☆...اور اگر ڈیوٹی پر جانا ہو تو یہ نیت کرلے کہ رزق حلال کماؤں گا اور اہل وعیال کے حقوق ادا کروں گا تو ڈیوٹی کے تمام اوقات بھی عبادت میں لکھے جائیں گے، البتہ یہ خیال رہے کہ اس دوران زبان آنکھیں اور کان اور ہاتھ اور تمام اعضا گناہوں سے محفوظ رہیں، خاص کر غیبت، جھوٹ، تمسخر اور ایذارسانی اور بدنظری سے پورا اجتناب کرے۔یہی فضیلت تاجر کو بھی ملے گی، اگر نیت درست ہو، رزق حلال حاصل کرنے کی نیت ہو تجارت میں جھوٹ اور خیانت اور وعدہ خلافی سے بچے۔☆...اور دینی علوم حاصل کرنے والے طالب علم کو بھی یہی فضیلت ملے گی، بشرطے کہ علم حاصل کرنے کا مقصد اللہ تعالی کو راضی کرنا ہو اور میڈیکل وغیرہ کے طلبہ بھی اگر نیت رکھیں کہ اس علم کو حاصل کرکے رزق حلال کے حصول کا ذریعہ بنائیں گے اور اپنے مسلمان بھائیوں اور انسانیت کی خدمت کریں گے تو ان کا جو وقت طلب علم میں صرف ہوگا وہ بھی ان شاء اللہ تعالی باعث اجر ہوگا۔☆...ظہر تک آرام یا کام کاج کرنے کے بعد مؤذن کی آواز سنیں تو اس کے ساتھ اذان کے الفاظ دہراتے جائیں، پھر وہی دعا پڑھیں جو پہلے لکھی جاچکی ہے۔اس کے بعد چار رکعت سنت مؤکدہ ادا کریں اور اذان واقامت کے درمیان دعا میں مشغول رہیں یا تلاوت وذِکر کریں ظہر کی نماز باجماعت مسجد میں ادا کریں، صف اول اور تکبیرۂ اولی کی فضیلت حاصل کریں، اس کے بعد دو رکعت سنت مؤکدہ پڑھیں۔☆...ظہر کے بعد قیلولہ کریں، اس میں اتباع سنت کی نیت ہونی چاہیے اور اگر آرام کا موقع نہ ہو تو کوئی بھی جائز کام کرسکتے ہیں۔گناہوں سے بچنے کا پورا اہتمام کریں، غیبت، جھوٹ، تمسخر اور ایذا

رسانی اور بدنظری سے پورا اجتناب کریں۔☆...عصر کے لیے جب مؤذن پکارے تو اس کے ساتھ اذان کے الفاظ دہراتے جائیں، پھر وہی دعا پڑھیں جو پہلے لکھی جا چکی ہے۔اس کے بعد چار رکعت سنت غیر مؤکدہ ادا کریں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اللہ تعالی اس شخص پر رحمت نازل فرمائے جو عصر سے پہلے چار رکعتیں پڑھے۔(رواہ مسلم)☆...قرآن مجید کی تلاوت کریں یا استراحت یعنی آرام کریں۔ اگر جمعہ کا دن ہو تو مغرب تک درود شریف پڑھنے میں مصروف رہیں،اس وجہ سے کہ جمعہ دن درود شریف پڑھنے کی فضیلت بہت زیادہ ہے۔روزہ داروں کو افطار کرانے کے لیے حسب توفیق کوشش کریں، مسجد میں افطاری پہنچائیں۔☆...خواتین گھر کے کام کو ثواب کی نیت سے کریں،اپنے گھر والوں کے لیے جو افطاری وغیرہ تیار کریں تو دل سے یقین رکھیں کہ ان شاء اللہ تعالی ان تمام روزہ داروں کو افطار کرانے کا ثواب مجھے ملے گا،جو میری تیار کی ہوئی افطاری کھائیں گے۔☆...افطاری کے وقت دعا مانگیں۔رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے بلاشبہ افطاری کے وقت روزہ دار کے لیے ایک خاص دعا ہے جو رد نہیں ہوتی۔(رواہ ابن ماجہ، باب فی الصائم لاترد دعوتہ)۔

رمضان المبارک کے مسنون اعمال (2)

☆...افطاری کے وقت یہ دعا پڑھیں: اللّٰھم لکَ صُمتُ وعلی رِزقِكَ أفطرتُ (رواہ ابوداود) اے اللہ! میں نے تیری رضا کے لیے روزہ رکھا اور تیرے دیئے ہوئے رزق سے افطار کیا۔☆...مرد حضرات مغرب کی نماز باجماعت مسجد میں ادا کریں، اس کے بعد دو رکعت سنت مؤکدہ پڑھیں اور خواتین گھر میں نماز پڑھیں۔☆...شام کے مسنون اذکار اور دعائیں پڑھیں اور اللہ تعالی کا شکر ادا کریں کہ آج کا روزہ اس کی دی ہوئی توفیق سے پورا ہوا۔☆...اپنے بیوی بچوں سے شفقت و محبت کے ساتھ گفتگو کریں، ہنسیں بولیں، بچوں سے شفقت و الفت کا اظہار کریں۔رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: تم میں بہترین انسان وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہو۔(رواہ الترمذی) مرد حضرات عشا کی نماز باجماعت مسجد میں ادا کریں، اس کے بعد دو رکعت سنت مؤکدہ پڑھیں اور تراویح پڑھیں اور خواتین گھر میں نماز پڑھیں، اگر فتنہ کا خوف نہ ہو تو مسجد جا کر بھی تراویح پڑھ سکتی ہیں، بشرطیکہ پردہ کے اہتمام کے ساتھ جائیں اور خوشبو استعمال نہ کریں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جس نے رمضان کی راتوں میں نماز میں قیام کیا اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔(رواہ الترمذی) ☆...تراویح کے بعد چاہے آرام کریں یا کوئی بھی جائز مصروفیت اختیار کریں صرف اتنا خیال رکھنا ضروری ہے کہ کوئی گناہ سرزد نہ ہو، تو آپ کی پوری رات عبادت میں لکھی جائے گی غیبت، جھوٹ اور بد نظری سے پورا اجتناب کریں۔رمضان کی مقدس راتوں کو فلم بینی اور لغو باتوں میں ضائع نہ کریں۔☆... فجر سے پہلے رات کا آخری تہائی حصہ، جو تہجد کا وقت ہے، اس میں عبادت اور دعا میں مصروف ہو جائیں اس

وقت اللہ تعالی خود اپنے بندوں سے فرماتے ہیں کہ ہے کوئی مانگنے والا میں اسے عطا کروں؟ ہے کوئی مغفرت کا طلب گار میں اس کی مغفرت کردوں؟ ہے کوئی توبہ کرنے والے میں اس کی توبہ قبول کرلوں۔(صحیح البخاری)☆...آپ پختہ عزم کرلیں کہ باقی زندگی غفلت اور اللہ تعالی کی نافرمانی میں برباد نہ کروں گا کیوں کہ گناہوں والی زندگی بے کیف اور پریشانیوں سے بھری ہوئی ہے اور اللہ تعالی کی اطاعت وفرماں برداری میں دونوں جہاں کا لطف ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت ہے کہ جب رمضان کا آخری عشرہ شروع ہوجاتا تو اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ازارمبارک کس لیتے تھے اور رات بھر عبادت میں جاگتے تھے اور گھر والوں کو بھی جگاتے تھے۔(صحیح البخاری)☆...اگر ہوسکے تو آخری عشرہ کا اعتکاف کرلیں، یہ اس عشرہ کی خاص سنت ہے۔☆...اگر اعتکاف نہ کرسکیں تو کم ازکم ان مقدس راتوں میں خوب زیادہ عبادت وتلاوت کریں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری عشرہ میں عبادت کا اور زیادہ اہتمام فرماتے تھے۔(صحیح البخاری)☆...اگر زیادہ عبادت کی توفیق نہ ہو تو کم ازکم اتنا تو کریں کہ اللہ تعالی کی نافرمانی نہ کریں اور فرائض اور واجبات سے غفلت نہ برتیں۔واضح رہے کہ فرائض اور واجبات کی فضیلت نفلی عبادات کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہے، ان سے اللہ تعالی کا بہت قرب حاصل ہوتا ہے ان کے بعد نفلی عبادات کا نمبر ہے.بہت سے لوگ فرض نمازوں میں سستی کرتے ہیں اور نوافل بہت شوق سے پڑھتے ہیں بلاشبہ نوافل کے ذریعہ اللہ تعالی کا قرب حاصل ہوتا ہے، لیکن فرائض کی ادائیگی کے بعد نوافل کا درجہ ہے کیوں کہ فرائض سے غفلت برتنا فسق ہے۔

دین داری اور تقوی والی زندگی حاصل کرنے کا سب سے سہل اور آسان طریقہ یہ ہے کہ انسان صالحین اور متقین کی صحبت اختیار کرلے، صحبت صالحین غفلت کا بہترین علاج ہے، وہ حضرات جو خود متبع سنت ہوں اور قرآن وسنت کے مطابق زندگی گزارنے والے ہوں، ہر عمل میں جائز وناجائز کا خیال کرتے ہوں، اللہ تعالی سے ڈرنے والے ہوں ان کے دل فکر آخرت سے لبریز ہوں جب ایسے لوگوں سے تعلق اور

دوستی ہوگی تو خود بھی انسان ان شاءاللہ تعالی ویسا ہی ہو جائے گا،کسی عالم ربانی کو اپنا مشیر بنائیں، جو اپنی تربیت کسی مصلح سے کرا چکا ہو،زندگی کے تمام امور میں ان سے پوچھ کر اور مشورہ کر کے عمل کرے اور یہ تجربہ اور مشاہدہ ہے۔صالحین کے قافلہ میں شامل ہو جانا بڑی سمجھ داری اور سعادت کی بات ہے۔نہایت اہم بات اگر کوئی شخص فرائض اور واجبات اور سنت مؤکدہ کی پابندی کرلے اور گناہوں سے بچتا رہے اور حقوق العباد کو بھی ضائع نہ کرے تو وہ اللہ تعالی کا ولی ہے اور وہ ان شاءاللہ تعالی ضرور رمضان شریف کی برکتوں سے مالا مال ہوگا۔

اے اللہ! ہمیں اپنے فرماں بردار اور مقبول بندوں شامل فرمالیجیے اور ہمارے چھوٹے بڑے سب گناہ معاف فرمادیجیے اور رمضان المبارک کی برکتوں سے خوب نوازیئے اور عافیت والی زندگی عطا فرمائیے اور دنیا سے اس حال میں اٹھائیے کہ آپ ہم سے راضی ہوں اور حسن خاتمہ عطا فرمائیے۔میدان حشر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب فرمائیے اور ہمارے ساتھ معافی اور درگزر کا معاملہ فرمائیے۔آمین۔

رمضان المبارک میں دعاؤں کا اہتمام کریں

شب وروز کے اس نظام میں بعض گھڑیاں ایسی آتی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کا دریائے رحمت جوش میں ہوتا ہے اور ان گھڑیوں میں دل کی لگن کے ساتھ جو کچھ مانگ لیا جائے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مل ہی جاتا ہے۔حدیث میں ہے کہ بعض خاص اوقات میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کی خصوصی ہوائیں چلتی ہیں اور ہر کس وناکس کا دامن بھر دیتی ہیں، رمضان المبارک کا مہینہ رحمت خداوندی کی ان ہواؤں کا موسم بہار ہے۔اس مہینے میں رحمت کی گھٹائیں جھوم جھوم کر برستی ہیں۔ بندوں کی مغفرت کیلئے بہانے تلاش کئے جاتے ہیں اور قدم قدم ردعاؤں کی قبولیت کا اعلان کیا جاتا ہے۔اس لئے یہ مہینہ دعا کی قبولیت کا مہینہ ہے اور اس سے فائدہ اٹھانے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اس میں انسان دعاؤں کی کثرت رکھے اور اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجتیں اور مرادیں مانگتا رہے۔

معجم طبرانی میں ہے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس مہینے میں تمہاری طرف بطورِ خاص متوجہ ہوتے ہیں اور اپنی خصوصی رحمتیں نازل فرماتے ہیں۔خطاؤں کو معاف کرتے ہیں، دعائیں قبول فرماتے ہیں، نیکیوں میں تمہاری مسابقت کے جذبے کو دیکھتے اور فرشتوں کے سامنے تم پر فخر کرتے ہیں۔ بد نصیب ہے وہ شخص جو اس مہینے میں بھی اللہ کی رحمت سے محروم رہ جائے۔پھر رمضان المبارک میں بھی بعض خاص خاص اوقات قبولیت دعا کیلئے خاص تاثیر رکھتے ہیں۔

سب سے پہلے تو وہ دعا جو روزے کی حالت میں مانگی جائے، حدیث میں اس کی قبولیت کا وعدہ

کیا گیا ہے ۔آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا ارشاد ہے کہ تین آدمیوں کی دعا رد نہیں ہوتی، ایک روزہ دار کی دعا افطار کے وقت، دوسرے عادل حکمران کی دعا اور تیسرے مظلوم شخص کی دعا ۔جس کو اللہ تعالیٰ بادلوں سے اوپر اٹھا لیتے ہیں اور اس کیلئے آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور پروردگار کی طرف سے ارشاد ہوتا ہے کہ میں تیری ضرور مدد کروں گا خواہ (کسی مصلحت سے) دیر ہو جائے ۔

پھر بعض روایات میں افطار کے وقت کی جانے والی دعا کو بھی قبول کرنے کا وعدہ کیا گیا ہے ۔چنانچہ صحابہ کرام اور بزرگانِ دین کا معمول رہا ہے کہ وہ افطار کے وقت کوئی مختصر مگر جامع دعا مانگنے کا اہتمام فرماتے تھے ۔اسی طرح رمضان کی راتوں میں تراویح اور تہجد کے بعد بھی دعا کا خاص وقت ہے اور ان اوقات میں دعاؤں کا اہتمام کرنا چاہئے ۔بعض مرتبہ لوگوں کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ ہم نے رمضان میں فلاں دعا مانگی تھی لیکن وہ قبول نہیں ہوئی ۔لیکن اس سلسلے میں چند باتیں یاد رکھنی چاہئیں ۔پہلی بات تو یہ ہے کہ دعا اس چیز کا نام نہیں کہ بے توجہی کے ساتھ چند الفاظ زبان سے ادا کر لئے جائیں بلکہ دعا یہ ہے کہ ایک بندے کی طرح پوری عاجزی اور احتیاج ظاہر کر کے اور دل لگا کر اللہ تعالیٰ سے اپنی مراد مانگی جائے ۔حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ وہ دعا قبول نہیں کرتا جو قلب کی غفلت کے ساتھ مانگی گئی ہو ۔لہٰذا دعا جب بھی کی جائے حضورِ قلب کے ساتھ کرنی چاہئے ۔

دوسری بات یہ ہے کہ حرام غذاؤں کے ساتھ دعا قبول نہیں ہوتی ۔آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا ارشاد ہے کہ بہت سے پریشان حال لوگ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہیں اور یارب یارب کرتے ہیں مگر ان کا کھانا حرام، ان کا پینا حرام، ان کا لباس حرام ہوتا ہے ۔ایسی حالت میں دعا کیسے قبول ہو؟ لہٰذا کم از کم رمضان کے مہینے میں اس بات کا خاص اہتمام ضروری ہے کہ انسان کی روزی حلال ہو ۔

تیسری بات یہ ہے کہ دعا کی قبولیت کا صحیح مطلب بھی سمجھ لینا چاہئے ۔بعض اوقات انسان اپنی جہالت کی وجہ سے ایسی چیز مانگتا ہے جو اس کے لئے مفید نہیں ہوتی ۔ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ وہ چیز عطا کرنے کے بجائے اسے وہ چیز دیتا ہے جو انجام کار اس کے لیے مفید ہوتی ہے ۔نبی کریم صلّی اللہ علیہ

وآلہٖ وسلّم کاارشاد ہے کہ جب مسلمان دعا کرتاہے تو جب تک وہ قطع رحمی یا کسی گناہ کی دعا نہ کرے، اس وقت تک اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تین چیزوں میں سے ایک چیز ضرور ملتی ہے ۔ یا تو خود وہی چیز مل جاتی ہے جس کی اس نے دعا کی ہے یا اس کے بدلے کوئی برائی یا مصیبت اس سے دور کر دی جاتی ہے یا پھر آخرت میں اتنا ہی ثواب اس کے حصے میں لگا دیا جاتا ہے ۔لہٰذا اگر کوئی مانگی ہوئی چیز کسی وقت انسان کو نہ ملے تو یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ دعا قبول نہیں ہوئی، یا بے فائدہ رہی ۔ بلکہ اگر دعا آداب کے ساتھ مانگی گئی ہے تو وہ کبھی بے فائدہ نہیں رہتی اور اس کے نتیجے میں وہی کچھ ہوتا ہے جو انجام کار انسان کیلئے مفید ہو۔

اب ہم سب مل کر اہتمام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرتے ہیں اور اس دا کے اندر اپنی ذاتی حاجتوں کو بھی اللہ تعالیٰ سے مانگیں ۔ اپنے اعزہ و اقارب کے لیے بھی دعا کریں، اپنے دوست و احباب کے لیے بھی دعا کریں ۔ اپنے ملک و ملت کے لیے بھی دعا کریں ۔ عالم اسلام اس وقت دشمنوں کے نرغے میں پھنسا ہوا ہے اس کے لیے بھی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس نرغے سے عالم اسلام کو نکالے ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک نظر میں

اللہ تعالیٰ جل شانہ اور حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان واسطہ جبرئیل امین ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور ہمارے درمیان واسطہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہیں۔ فرمایا:...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو میرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے متعلق اچھا بیان دے وہی مؤمن ہے۔ ان صحابہ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ دینی شرف بھی کچھ کم نہیں کہ آپ نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں، آپ کی زیر تربیت اپنی طفولیت بچپن اور جوانی کا زمانہ گزارا۔ ظاہر ہے کہ علم اور اخلاق کے لحاظ سے وہ شخص کس قدر بلند مرتبہ ہوگا جس نے افضل البشر اور خیر الرسل کے دامن شفقت میں پرورش پائی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ نے نبوت بخشی تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں سے تھے۔ اس وقت ان کی عمر تقریباً دس برس اور ایک قول کے مطابق 13 برس تھی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت عام الفیل کے تقریباً تیس برس بعد ۵۹۹ء میں ہوئی یعنی بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تقریباً دس سال پہلے۔ مہینہ رجب کا تھا اور تاریخ تیرہ تھی۔ دن جمعہ کا تھا۔ والد نے آپ کا نام زید، والدہ نے حیدر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رکھا۔ ابوالحسن اور ابوتراب کنیت تھی۔ مرتضیٰ اور شیرِ خدا وغیرہ لقب ہیں۔ مدینہ پہنچ کر جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہاجرین و انصار میں مواخاۃ کرائی تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا بھائی بنایا۔ بلاشبہ یہ کوئی کم اعزاز نہ تھا جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مرحمت ہوا۔ آپ اتنے نیک طبع اور فرشتہ خصلت انسان تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی پیاری بیٹی حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے لیے آپ ہی کا انتخاب فرمایا اور ہجرت کے ڈیڑھ سال بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا

نکاح حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کر دیا۔

جب غزوات کا سلسلہ شروع ہوا تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہایت دلیری اور شجاعت کے ساتھ میدانِ جنگ میں کود پڑے اور سب لڑائیوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ دادِ شجاعت دیتے رہے۔ خیبر کا مضبوط قلعہ آپ ہی کے زورِ بازو سے فتح ہوا۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیابت کا شرف حاصل ہوا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خلافت کا سوال پیش آیا تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہایت شرح صدر کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور ہر کام میں ان کے معین ومددگار رہے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ آیا تو فاروق اعظم کوئی کام بھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشورے کے بغیر کرتے ہی نہ تھے اور ان کی رائے کو ہر شخص کی رائے پر ترجیح دیتے تھے۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ مظلوم شہید ہو گئے تو خلافت آپ کے حصہ میں آئی اور ۲۴ ذی الحجہ ۳۵ ہجری مطابق ۲۳ جون ۶۵۶ء کو آپ دنیائے اسلام کے خلیفہ منتخب ہوئے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں فرمایا کہ تجھ کو دوست نہیں رکھتا مگر مؤمن۔ اور تجھ کو دشمن نہیں سمجھتا مگر منافق۔ یعنی علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دوستی ایمان کی نشانی اور دشمنی نفاق کی علامت ہے۔ فرمایا چار شخص ہیں جن کی محبت منافق کے دل میں جمع نہیں ہوتی اور ان کو مؤمن کے سوا اور کوئی دوست نہیں رکھتا۔ یعنی ان کی محبت مؤمن کے دل میں ہی ہوتی ہے۔ ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ فرمایا: ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنت میں عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنت میں عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنت میں اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنت میں ہیں۔ یہ بات متفقہ طور پر تسلیم شدہ ہے کہ اتقاء، پرہیزگاری، علم و دانش اور فہم و ذکاء کے لحاظ سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقام بہت بلند تھا اور تمام صحابہ کرام آپ کے اس بلند مقام کے معترف تھے۔ اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جیسی فاضلہ عورت نے کئی مرتبہ آپ کے علم وفضل کا اعتراف کیا ہے۔ فاروق اعظم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہمیشہ آپ سے مشورے لیے ہیں اور ان مشوروں پر عمل کیا ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شام میں بیٹھے ہوئے بھی دین کے بعض مشکل مسئلے آپ ہی سے خط لکھ کر حل کرایا کرتے تھے۔ قرآنی علوم ومعارف کے آپ بینظیر ماہر تھے۔ ہر آیت کے متعلق جانتے تھے کہ یہ

کب، کیوں، کہاں اور کس کے متعلق نازل ہوئی۔ قرآن پاک کی تفسیر اور آیات کی تشریح کرنے قرآنی معارف بیان کرنے اور مطالب القرآن کی توضیح کرنے میں آپ کی قابلیت مسلمہ تھی۔ علم الفرائض اور حدیث نبویؐ کے آپ زبردست عالم تھے کیونکہ تیس سال کے عرصے تک حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فیض محبت سے گھر کے اندر اور باہر مستفید ہوتے رہے۔ اس صورت میں ارشادات نبوی کا راز داں اور مزاج شناس رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے زیادہ اور کون ہوسکتا ہے؟ کتب احادیث میں جو روایتیں آپ سے منقول ہیں ان کی تعداد ۵۸۶ ہیں۔ یہ تعداد آپ کے تعلق رسول کے لحاظ سے کچھ کم دکھائی دیتی تھیں مگر اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ حدیث روایت کرنے میں اپنے پیشرو خلفاء کی طرح نہایت درجہ محتاط تھے۔ دینی مسائل کے بیان کرنے اور بہت جلد مقدمہ کی تہہ کو پہنچ جانے میں آپ اپنی نظیر نہ رکھتے تھے۔

۱۷ رمضان سن ۴۰ ہجری مطابق ۲۵ جنوری ۶۶۱ء کو آپ پر قاتلانہ حملہ ہوا تھا اور ۱۹ رمضان المبارک کو آپ کی وفات ہوگئی۔ چار سال آٹھ مہینے چوبیس دن آپ نے حکومت کی۔ اور ایک قول کے مطابق 19 رمضان 40 ہجری میں شام سے آئے ایک شقی القلب شخص عبدالرحمن بن ملجم نامی شخص نے قطامہ نامی خارجی عورت کی مدد سے مسجد کوفہ میں حالتِ سجدہ میں پشت سے سر پر زہر بجھی تلوار سے وار کرکے زخمی کر دیا، زخمی ہونے پر آپ کے لبوں پر جو پہلی صدا آئی وہ تھی کہ ''ربِ کعبہ کی قسم آج علی کامیاب ہوگیا''۔

دو روز تک حضرت علیؓ بستر بیماری پر انتہائی کرب اور تکلیف کے ساتھ رہے آخر کار زہر کا اثر جسم میں پھیل گیا اور 21 رمضان کو نمازِ صبح کے وقت آپ کی شہادت ہوئی۔ واللہ اعلم! یہ ہے مختصر تذکرہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے داماد، فاطمہؓ کے شوہر، ابوطالب کے فرزند، حسن اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے والد، خلیفہ چہارم امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ کا۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور حضرات اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ دینی و دنیوی دونوں طرح کا تعلق ہے اس لیے آپ کے حق میں ان حضرات کے حقوق بھی داخل ہو گئے ہیں۔ وہ یہ ہیں:......☆ ان حضرات کی اطاعت کرے۔ ☆ ان حضرات سے محبت رکھے۔ ☆ ان کے عادل ہونے کا اعتقاد رکھے۔ ☆ ان کے دوستوں سے محبت اور دشمنوں سے بغض رکھے۔

فضائل ومناقب حضرت علی کرم اللہ وجہہ

ازقلم:......قاری محمد اکرام چکوالی

سیدنا حضرت علی المرتضی کے فضائل ومناقب اور کردار و کارناموں سے تاریخ اسلام کے اوراق روشن ہیں جس سے قیامت تک آنے والے لوگ ہدایت وراہنمائی حاصل کرتے رہیں گے۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ بن ابی طالب فاطمہ بنت اسد کے بطن سے ایک روایت کے مطابق اندرون خانہ کعبہ چھٹی صدی عیسوی میں پیدا ہوئے۔بعض اقوال کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ولادت مکہ شریف میں عام الفیل کے سات سال بعد ہوئی۔بعض سیرت نگار لکھتے ہیں کہ نبی اکرم کی ولادت کے تیس سال بعد حضرت علیؓ پیدا ہوئے۔حضور نبی اکرم نے حضرت علیؓ کو اپنی کفالت میں لے لیا تھا۔اس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کو رسول اکرم کی آغوش محبت میں تعلیم وتربیت نصیب ہوئی۔اس بناء پر حضرت علی رضی اللہ عنہ ابتدائی طور پر امور خیر کی طرف راغب اور بت پرستی جیسی جاہلانہ رسوم سے اجتناب کرتے تھے۔دس سال کی عمر میں اسلام قبول کیا۔ خود فرمایا کرتے تھے کہ میں نے بتوں کی پوجا کبھی نہیں کی،اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مجھ سے پہلے کسی نے خدا کی عبادت نہیں کی۔آپ رضی اللہ عنہ کا نام علی،لقب حیدرو مرتضی،کنیت ابوالحسن اور ابوتراب ۔آپ رضی اللہ عنہ کا نسب حضور کے بہت قریب ہے،آپ رضی اللہ عنہ کے والد ابوطالب اور حضور کے والد ماجد حضرت عبد اللہ دونوں بھائی ہیں،آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ فاطمہ بنت اسد تھیں،ماں باپ دونوں طرف سے آپ ہاشمی ہیں۔ سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ میں ہاشمی سرداروں کی تمام خصوصیات موجود اور چہرے سے عیاں تھیں۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ بنی ہاشم کے چشم و چراغ تھے۔یہ خاندان حرم کعبہ کی خدمات،سقایہ زمزم

کے انتظامات کی نگرانی اور حجاج کرام کے ساتھ تعاون و امداد کے لحاظ میں مکہ کا ممتاز خاندان تھا۔علاوہ ازیں بنی ہاشم کو سب سے بڑا شرف اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے نصیب ہوا وہ نبی آخرالزمان، سرور عالم ﷺ کی بعثت ہے جو دوسرے تمام اعزازات بلندتر ہے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کے والد ابو طالب اور والدہ فاطمہ دونوں ہاشمی تھے۔اس طرح حضرت علی نجیب الطرفین ہاشمی پیدا ہوئے۔فاطمہ مشرف بہ اسلام ہوئیں اور ہجرت مدینہ کا شرف بھی حاصل کیا۔انہوں نے مدینہ منورہ میں وفات پائی۔خاتم النبیین حضور نبی کریم ﷺ خود ان کے کفن دفن کے انتظامات فرمائے تھے اور اپنا قمیص مبارک ان کے کفن میں شامل فرمایا اور قبر کے تیار ہونے پر پہلے خود اس میں داخل ہوئے اور اسے متبرک فرمایا۔حضور نبی پاک نے مرحومہ کے حق میں دعائے مغفرت فرمائی اور یہ بھی فرمایا کہ ابو طالب کے بعد میری نگہداشت اور ضروریات پورا کرنے میں ان کی بہت بڑی خدمات ہیں اور میں نے ان کے حق میں اللہ تعالیٰ سے دعا کی ہے کہ ان پر قبر کے شدائد آسان ہوں۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خاندانی اور نسبی تعلق، ایک عمر کی رفاقت اور روزمرہ کی زندگی کو قریب سے دیکھنے کی وجہ سے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کو آپ کے مزاج افتادِ طبع سے اور ذات نبوی کی خاص صفات و کمالات سے گہری مناسبت ہوگئی تھی، جن سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کو نوازا تھا، وہ آپ کے میلان طبع اور مزاج کے رخ کو بہت باریک بینی اور چھوٹی بڑی باتوں کی نزاکتوں کو سمجھتے تھے، جن کا آپ کے رجحان پر اثر پڑتا ہے، یہی نہیں بلکہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کو ان کے بیان کرنے اور ایک ایک گوشہ کو اجاگر کر کے بتانے میں مہارت تھی، آپ نے خاتم الانبیاء رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق ورجحان اور طریق تامّل کو بہت ہی بلیغ پیرایہ میں بیان کیا ہے۔"

حضور نبی کریم کی مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عمر تیئیس سال تھی۔سرور کائنات نے مشرکین مکہ کے محاصرے اور ان کے برے ارادوں کی اطلاع پا کر حضرت علی مرتضیٰ کو اپنے بستر پر استراحت کرنے کا حکم دیا اور مکہ کے لوگوں کی امانتیں جو حضور نبی پاک کے پاس رکھی گئی تھیں، ان

کے مالکوں کے سپرد کر دینے کی ہدایت فرمائی۔اس شدید خطرے کی حالت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم کے بستر پر سکون واطمینان کے ساتھ محوِخواب ہو گئے۔مشرکین مکہ یہ سمجھتے رہے کہ حضور نبی پاک ہی اپنے بستر پر موجود ہیں۔وہ علی الصبح اپنے ناپاک ارادہ کی تکمیل کے لئے اندر آئے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جگہ آپکا ایک جاں نثار اپنے آقا پر قربان ہونے کے لئے موجود ہے۔درآں حالیکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم،حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر رات کے وقت ہی مدینہ منورہ جانے کے لئے نکل چکے تھے۔مشرکین اپنی اس غفلت کی بنا پر ایک دوسرے پر برہم ہوتے رہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر اپنے اصل مقصود کی تلاش میں روانہ ہو گئے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی اکرم کے مکہ سے تشریف لے جانے کے بعد دو یا تین دن مکہ میں رہے اور خاتم النبیین حضور نبی پاک کی ہدایت کے مطابق لوگوں کی امانتیں ان کے سپرد کر کے اور لین دین کے معاملات سے فراغت حاصل کر کے تیسرے یا چوتھے دن عازم مدینہ منورہ ہوئے۔

خاتم النبیین حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہہ کر ان کے اعزاز کو بلند کیا کہ "علی تم اسے پسند نہیں کرتے کہ میرے نزدیک تمہارا وہ مقام اور درجہ ہو جو ہارون کا موسیٰ کے نزدیک تھا۔حضرت علی کی اہمیت حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک کتنی تھی اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بالعموم اہم اور مشکل ترین امور کی انجام دہی کے لیے حضرت علی کو مامور فرماتے۔جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم زندہ رہے،دامے،درمے،قدمے،سخنے ہر لحاظ سے حضور کی فرماں برداری اور اطاعت کرتے رہے۔اسی جاں نثاری کو دیکھ کر حضور نے ایک خطبہ میں فرمایا کہ:" جو علی کا دشمن ہے وہ میرا بھی دشمن ہے اور جو علی کا دوست ہے وہ میرا بھی دوست ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم میں جو لوگ اعلیٰ درجہ کے فصیح و بلیغ اور اعلیٰ درجہ کے خطیب اور شجاعت و بہادری میں سب سے فائق مانے جاتے تھے ان میں آپ رضی اللہ عنہ کا مقام و مرتبہ بہت نمایاں تھا۔خلیفہ چہارم سیدنا حضرت علی المرتضیٰ میدانِ جنگ میں تلوار کے دھنی اور مسجد میں زاہدِ شب بیدار تھے، مفتی و قاضی اور علم و

عرفان کے سمندر تھے، عزم وحوصلہ میں ضرب المثل، خطابت و ذہانت میں بے مثل، حضور کے چچازاد بھائی اور داماد، سخی وفیاض، دوسروں کا دکھ باٹنے والے، عابد و پرہیزگار، مجاہد و جانباز ایسے تھے کہ نہ دنیا کو ترک کیا نہ آخرت سے کنارہ کشی فرمائی، نہایت سادہ زندگی گزاری، غلاموں کو آزاد کرتے، کھیتی کی دیکھ بھال کرتے، کنویں سے پانی نکالتے، اپنے دورِ خلافت میں بازاروں کا چکر لگا کر قیمتوں کی نگرانی فرماتے، گداگری سے لوگوں کو روکتے تھے۔ جب نماز کا وقت آتا تو آپ رضی اللہ عنہ کے بدن پر لرزہ طاری ہو جاتا، کسی نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ "اس امانت کی ادائیگی کا وقت ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر اتارا تو وہ اس بوجھ کو اٹھانے سے عاجز ہو گئے"۔ آپ رضی اللہ عنہ میں عجز و انکساری نمایاں تھی، اپنے عہدِ خلافت میں بازاروں میں تشریف لے جاتے وہاں جو لوگ راستہ بھولے ہوئے ہوتے انہیں راستہ بتاتے، بوجھ اٹھانے والوں کی مدد کرتے، تقویٰ اور خشیت الٰہی آپ رضی اللہ عنہ میں بہت زیادہ تھی۔ ایک بار آپ رضی اللہ عنہ ایک قبرستان میں بیٹھے تھے کہ کسی نے کہا کہ! اے ابوالحسن آپ رضی اللہ عنہ یہاں کیوں بیٹھے ہوئے ہیں؟ فرمایا میں ان لوگوں کو بہت اچھا ہم نشین پاتا ہوں یہ کسی کی بدگوئی نہیں کرتے اور آخرت کی یاد دلاتے ہیں۔ ایک مرتبہ آپ رضی اللہ عنہ قبرستان میں تشریف لے گئے اور وہاں پہنچ کر قبر والوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا! اے قبر والو! اے بوسیدگی والو! اے وحشت و تنہائی والو! کہو کیا خبر ہے کیا حال ہے، ہماری خبر تو یہ ہے کہ تمہارے جانے کے بعد مال تقسیم کر لیے گے اور اولادیں یتیم ہو گئیں بیویوں نے دوسرے شوہر کر لیے یہ تو ہماری خبر ہے، تم بھی اپنی خبر سناؤ! اس وقت کمیل نامی شخص آپ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ! اے کمیل اگر ان (مُردوں) کو بولنے کی اجازت ہوتی تو یہ جواب دیتے کہ بہترین سامانِ آخرت پرہیزگاری ہے، اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ رونے لگے اور فرمایا اے کمیل قبر اعمال کا صندوق ہے اور موت کے وقت یہ بات معلوم ہوتی ہے۔ ایک موقعہ پر حضور نے فرمایا کہ "علی رضی اللہ عنہ سب سے اچھا فیصلہ کرنے والے ہیں"۔ سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ غزوہ تبوک کے علاوہ تمام غزوات میں شریک ہوئے، ہر معرکہ میں سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی شجاعت و بہادری اور فداکاری کا لوہا منوایا۔

بدر و احد، خندق و حنین اور خیبر میں اپنی جرات و بہادری کے خوب جوہر دکھائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خلیفہ سوم کے زمانے تک حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اہم کارنامے اور خدمات انجام دیں اور جنگی معرکے سر کیے۔

سیدنا حضرت علی المرتضیٰؓ ہی وہ خوش قسمت ترین انسان ہیں جن کو حضور نے جنگ خیبر کے موقعہ پر فتح کا جھنڈا عنایت فرمایا۔ حضرت سہیل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ حضور نے جنگ خیبر کے دن فرمایا کہ کل یہ جھنڈا میں ایسے شخص کو دونگا جس کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ فتح دے گا، وہ شخص اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہوگا۔ پھر جب صبح ہوئی تو لوگ حضور کے پاس گئے، سب لوگ اس بات کی امید (اور خواہش) رکھتے تھے کہ جھنڈا ان کو دیا جائے مگر آپ نے پوچھا کہ علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کہاں ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ ان کی آنکھیں آشوب کی ہوئی ہیں، آپ نے فرمایا کہ ان کو بلاؤ وہ (حضرت علیؓ) لائے گئے، حضور نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن لگایا تو وہ اچھے ہو گئے گویا کہ ان کی آنکھوں میں کوئی تکلیف تھی ہی نہیں، پھر آپ نے ان کو جھنڈا عطا فرمایا (صحیح بخاری و مسلم)

کاتبان وحی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام بھی شامل ہے۔ نبی اکرم کی طرف سے بعض مکاتیب و فرامین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دست مبارک سے لکھے ہوئے تھے۔ حدیبیہ کا صلح نامہ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لکھا تھا۔ صلح نامہ کے شروع میں انہوں نے لکھا کہ یہ صلح نامہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مکہ کے قریش کے درمیان طے پایا ہے۔ اس پر قریش مکہ کے نمائندے نے اعتراض کیا کہ ہم تو محمد کو اللہ کا رسول نہیں مانتے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ آپ رسول اللہ کے الفاظ کاٹ دیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان الفاظ کو میں تو اپنے ہاتھ سے نہیں مٹا سکتا (کیونکہ یہ حقیقت پر مبنی ہیں) اس پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اپنے دست مبارک سے ان الفاظ کو کاٹ دیا۔

قرآن و سنت اور فقہ و اجتہاد میں گہری بصیرت کی بناء پر حضرت علی رضی اللہ عنہ منصب قضاء کے لئے بہت زیادہ موزوں تھے۔ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ "ہم میں سے مقدمات کے فیصلے کے لئے سب

سے موزوں حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔" حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا: "ہم (صحابہؓ) کہا کرتے تھے کہ مدینہ والوں میں سب سے زیادہ صحیح فیصلہ کرنے والے حضرت علیؓ ہیں۔حضور نبی کریم نے یمن کے قاضی کے طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا تھا۔ان کے حق میں دعا بھی کی اور قضاء کے بنیادی اصول کی تعلیم بھی دی۔حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں فرمایا تھا: "علی! جب تم دو آدمیوں کا جھگڑا چکانے لگو تو صرف ایک آدمی کا بیان سن کر فیصلہ نہ کرو۔اس وقت تک اپنے فیصلے کو روکو جب تک دوسرے کا بیان بھی نہ سن لو۔"

خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مدینہ کا قاضی مقرر فرمایا تھا۔حضرت علیؓ نے ماہر، عادل اور قابل قاضی کے طور پر اپنے فرائض ادا کئے تھے۔خلافت راشدہ کے زمانہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ اول ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور خلیفہ دوم حضرت عمرؓ اور خلیفہ سوم حضرت عثمانؓ کے مشیر رہے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مجلس شوریٰ میں شامل رکھا گیا تھا۔حضرت عمرؓ کو جب کوئی مشکل معاملہ پیش آجاتا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مشورہ کرتے تھے۔"انہوں نے فرمایا تھا اگر علی رضی اللہ عنہ نہ ہوتے تو عمرؓ ہلاک ہو جاتا۔"

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی زرہ اسی جنگ میں گم ہوگئی اور اسے ایک یہودی کے ہاتھ میں دیکھی گئی، یہاں تک کہ یہ معاملہ قاضی شریح کی عدالت میں پہنچا، قاضی نے امیر المومنین سے گواہ طلب کیا، علی نے حضرت حسن اور غلام قنبر کو گواہی کے لیے پیش کیا مگر قاضی نے دونوں کی گواہی کو رد کرتے ہوئے فیصلہ یہودی کے حق میں کر دیا۔

اس واقعہ سے جو درس ملتا ہے وہ اسلامی تعلیم کا شاہکار رہے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ذریعہ ظہور ہوا۔وہ خود قاضی کے پاس آئے اور ان کے فیصلہ پر عمل کیا جو اخلاق و کردار کا اعلیٰ نمونہ ہے۔اس سے متاثر ہو کر یہودی نے نہ صرف زرہ واپس کر دی بلکہ کلمہ شہادت پڑھ کر حلقہ اسلام میں داخل ہو گیا، مگر پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے زرہ اسے واپس کر دی اور یہ شخص ہمیشہ آپ کے ساتھ رہا اور صفین کے موقع پر شہید ہوا۔" حضرت علی کرم اللہ وجہہ کوئی انتظامی امور کے حاکم اعلیٰ یا اس طرح کے عرفی خلیفہ نہیں تھے، جیسے اموی و عباسی خلیفہ تھے، بلکہ وہ شیخین (حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما) کے انداز و نہج کے خلیفۃ المسلمین تھے۔

پہلا نکاح حضرت علی کا حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا۔حضرت فاطمہ کی حیات تک کسی اور سے حضرت علی نے نکاح نہیں کیا۔حضرت فاطمہ کے بطن سے حضرت علی کے تین بیٹے: حسن، حسین اور بعض نے کہا: محسن بھی، اور دو بیٹی: زینب کبریٰ، ام کلثوم کبریٰ پیدا ہوئیں۔محسن بچپن میں انتقال کر گئے۔ام کلثوم کا نکاح حضرت عمر بن الخطاب کے ساتھ ہوا۔

دوسری بیوی: ام البنین بنت حزام تھیں۔ان سے عباس، جعفر، عبداللہ، عثمان۔حضرت عباس کے سوا یہ سب کربلا میں شہید ہو گئے تھے۔تیسری بیوی: لیلیٰ بنت مسعود، ان سے عبید اللہ، ابو بکر پیدا ہوئے۔یہ دونوں بھی کربلا میں شہید ہو گئے تھے۔چوتھی بیوی: اسماء بنت عُمیش، ان سے یحییٰ، محمد اصغر، بعض نے محمد اصغر کی جگہ عون لکھا ہے، پیدا ہوئے۔پانچویں بیوی: ام حبیب بنت ربیعہ، ان سے عمر اور رقیہ پیدا ہوئے۔چھٹی بیوی: ام سعید بنت عروہ بن مسعود، ان سے دو لڑکیاں ام الحسن اور رملہ کبریٰ پیدا ہوئیں۔ساتویں: بنت امرئ القیس، ان سے صرف ایک لڑکی پیدا ہوئی۔آٹھویں: اُمامہ بنت ابی العاص بن الربیع، ان سے محمد اوسط پیدا ہوئے۔اور خولہ بنت جعفر بن قیس، سے محمد بن الحنفیہ پیدا ہوئے۔اور بہت سی باندیاں تھیں جن سے یہ لڑکیاں پیدا ہوئیں: ام ہانی، میمونہ، زینب صغریٰ، رملہ صغریٰ، ام کلثوم صغریٰ، فاطمہ، امامہ، خدیجہ، ام الکرام، ام سلمہ، ام جعفر، جمانہ، نفیسہ۔غرض حضرت علی کے کل ۱۴/ لڑکے اور ۱۷/ لڑکیاں تاریخ کی کتابوں میں ملتی ہیں۔ان میں سے پانچ سے سلسلۂ نسل جاری رہا۔اور وہ پانچ یہ ہیں: حضرت حسن، حضرت حسین، محمد بن الحنفیہ، عباس، عمر۔(البدایہ والنہایہ: ۱۱/ ۲۵ تا ۲۷ اور تاریخ اسلام: شاہ معین الدین ندوی ص: ۳۲۸)۔

صحیح روایت کے مطابق خلیفہ سوم سیدنا حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ تین ماہ کم پانچ سال تک تختِ خلافت پر متمکن رہے اور کوفہ کی جامع مسجد میں چالیس ہجری سترہ رمضان بروز جمعۃ المبارک نماز فجر کے وقت عبد الرحمن ابن ملجم نے قاتلانہ حملہ کیا۔قطامہ نامی خارجی عورت کی مدد سے مسجد کوفہ میں حالتِ سجدہ میں پشت سے سر پر زہر بجھی تلوار سے وار کر کے زخمی کر دیا، زخمی ہونے پر آپ کے لبوں پر

جو پہلی صدا آئی وہ تھی کہ ”رب کعبہ کی قسم آج علی کامیاب ہوگیا۔ دو روز تک حضرت علیؓ بستر بیماری پر انتہائی کرب اور تکلیف کے ساتھ رہے آخر کار زہر کا اثر جسم میں پھیل گیا جس کی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ انیس رمضان المبارک کو شہید ہو گئے۔ کفن دفن حضرت حسن، حسین، حنیفہ اور عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم نے کیا اور باقی لوگ بھی ساتھ تھے۔ جنازہ حضرت حسن بن علی بن ابی طالب نے پڑھایا اور آپ رضی اللہ عنہ کو گورنر ہاؤس کے پاس کوفہ میں ہی دفن کیا گیا لیکن آپ رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک کو خفیہ رکھا گیا کیونکہ خارجیوں کے بے حرمتی کرنے کا ڈر تھا۔ (حافظ ابن کثیر، البدایۃ والنھایۃ، 7:330، 331، مکتبۃ المعارف بیروت)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں بدترین گستاخی

صحافی ضیاء شاہد نے اپنے کالم میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں بدترین گستاخی کی ہے۔حکومت روزنامہ خبریں کی اشاعت پہ پابندی لگا کرضیاء شاہد کے خلاف دہشت گردی کی دفعات کے تحت ایف آئی آر درج کر کے اس کو قرار واقعی سزا دے،حضرات صحابہ کرام واہلبیت اطہار رضوان اللہ علیہم کی گستاخیوں میں مسلسل اضافہ ہور ہا ہے حکومت اور اداروں نے اگر قانون کے تحت گستاخوں کو سزائیں نہ دی تو ملک میں پھر مذہبی فسادات کا آغاز ہوسکتا ہے،ضیاء شاہد کی گرفتاری اور اس کے اخبار روزنامہ خبریں پر پابندی تک تمام مسلمان، بالخصوص سوشل میڈیا پہ موجود نوجوان فیس بک/ٹویٹر پہ آواز بلند کریں ان شاءاللہ قانون کے تحت اس کمینے فرد کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے گا۔ایک عرصہ سے ہمارے وطن عزیز ملک پاکستان میں آئے روز میں حضرت امیر معاویہؓ کی شان اقدس میں گستاخی کی جارہی ہے۔ان رافضیو ل کے دلالوں کو جہاں دیکھو وہاں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے تعلق سے بکواس کرتے ہوئے نظر آرہے ہیں۔جو نہایت ہی قابل افسوس کے ساتھ قابل مذمت بھی ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جناب خاتم النبیین رسول کریم ﷺ کے عظیم المرتبت صحابی، کاتب وحی اور زوجہ رسول ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ کے بھائی ہیں۔انکی صحابیت پر شک وشبہہ قطعاً جائز نہیں۔انکی شان اقدس میں کوئی بھی مسلمان گستاخی کرنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔اگر کوئی کرے تو سمجھ لے کہ وہ یا تو وہ گمراہ ہو چکا ہے یا رافضی یا کافر ہے۔خاتم الانبیاء جناب رسول اللہ! ﷺ کو

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتماد تھا اسی لئے انہیں قرآن جیسی عظیم کتاب کو لکھنے کی ذمہ داری سونپی تھی، حضرت امیر معاویہؓ کی عظمت اور بزرگی پر اس سے بڑھ کر اور کوئی بات پیش نہیں کی جا سکتی کہ ان کا شماران کاتبین وحی میں ہوتا ہے جنہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں' کرامٍ بررۃ، کے معزز خطاب سے یاد فرمایا۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''میری امت میں سب سے زیادہ سخی اور بردبار امیر معاویہؓ ہیں''۔ایک مرتبہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا تھا کہ ''میری امت کا سب سے بڑا لشکر جو بحری لڑائیوں کا آغاز کرے گا اس پر جنت واجب ہے۔اور حضرت سیدنا امیر معاویہؓ واحد شخص ہیں جنہوں نے سب سے پہلے بحری بیڑے کا آغاز قبرص سے کیا اور مسلمان قوم سب سے پہلی مرتبہ بحری جہاد سے سرفراز ہوئی۔

حضرت معاویہؓ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اختلاف کسی دولت اور سلطنت کیلئے نہیں تھا بلکہ قاتلان عثمانؓ کے انتقام کیلئے تھا۔دونوں طرف اصحاب رسول تھے،کسی ایک کو موردالزام ٹھہرانا نہ صحیح ہے اور نہ انصاف کا تقاضا۔اس مسئلہ میں ناصبی، خارجی بھی غلط ہیں جو حضرت علیؓ کی شان اقدس میں زبان طعن دراز کرتے ہیں اور رافضی بھی غلط ہیں جو حضرت امیر معاویہؓ یا دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان عظمت میں گستاخیاں کرتے ہیں۔جو لوگ اپنی لاعلمی، نادانی اور بدبختی کی وجہ سے حضرت امیر معاویہؓ یا دیگر اصحاب رسول کی شان اقدس میں گستاخی کرتے ہیں وہ اسلام سے خارج ہیں،انکی بیوی ان پر حرام ہو جائے گی اور پیدا ہونے والی اولاد بھی حرام کی ہوگی۔

بخاری شریف کی ایک حدیث قدسی میں ارشادِ الٰہی ہے''جس شخص نے میرے کسی ولی سے دشمنی کی اس کے لئے میری طرف سے اعلان جنگ ہے''اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے بڑا ولی کون ہوسکتا ہے؟ صحیح بخاری ومسلم شریف میں ایک ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلّم یوں ہے''میرے صحابہ کو گالیاں مت دو، مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، تم میں سے اگر کوئی شخص اُحد پہاڑ جتنا سونا بھی راہ اللہ خرچ کر دے تو میرے صحابہ کے ایک مٹھی دانے صدقہ کرنے بلکہ اس سے آدھے ثواب کو بھی نہیں پہنچ سکتا''طبرانی میں ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلّم ہے''جس نے میرے صحابہ کو گالیاں دیں

،اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہو"ایک اور حدیث میں ہے"جس نے میرے صحابہ کو گالیاں دیں، اس نے مجھے گالیاں دیں اور جس نے مجھے گالیاں دیں، اس نے اللہ تعالیٰ کو گالیاں دیں" غرض مذکورہ احادیث نبویہ کے پیش نظر اہلِ علم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالی دینا اور لعن طعن کرنا کفر قرار دیا ہے۔حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عظیم المرتبت صحابی ہیں، کاتب وحی ہیں۔ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں۔اس لحاظ سے تمام اہل اسلام کے قابل صد تکریم روحانی ماموں ہیں۔لہذا کوئی مسلمان ان کی شان میں گستاخی کا تصور بھی نہیں کرسکتا اور جو گستاخی کرے وہ مسلمان نہیں ہوسکتا۔اللہ تعالیٰ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صحابہ واہل بیت رضی اللہ عنہ ائمہ واولیاء وعلماء اور عام اہل اسلام کا ادب واحترام ہی ایمان اور تقویٰ ہے۔

خاتم النبیین جناب نبی پاک ﷺ کا ارشاد گرامی ہے"میرے صحابہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔میرے صحابہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔میرے بعد انہیں (طعن وتشنیع کا) نشانہ نہ بنانا۔سو جس نے ان سے محبت کی تو میری محبت کی وجہ سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا، اس نے میرے ساتھ بغض رکھنے کی بنا پر ان سے بغض رکھا اور جس نے ان کو تکلیف دی اس نے یقیناً مجھے تکلیف دی اور جس نے مجھے تکلیف دی اس نے یقیناً اللہ کو تکلیف دی اور جس نے اللہ کو تکلیف دی تو عنقریب اسے اللہ پکڑے گا"۔اسی طرح آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:"میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں جس کی پیروی کروگے راہ پاؤ گے"۔(مشکوٰۃ،554)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے محبت رکھنا، ان کے راستے پر چلنا، ان کے باہمی تنازعات میں پڑے بغیر ان کے لئے دعائے خیر کرنا، امت پر فرض ہے۔ان سے بغض رکھنا، ان کی بے ادبی کرنا، ان کی شان وشوکت سے جلنا طریق کفار ومنافقین، رافضین ہے۔

جس طرح اللہ تعالیٰ کی شان الوہیت میں گستاخی کرنا کفر ہے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس وشان نبوت میں بھی ذرہ بھر گستاخی کرنا کفر ہے۔اسی طرح جن نفوس قدسیہ کا سرکار کائنات صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم سے غلامی کا نیازمندانہ رشتہ ہے ان میں سے کسی کی گستاخی کرنا بھی کفر ہے خواہ وہ ازواج مطہرات امہات المومنین ہوں، خواہ آل و اولاد ہو، خواہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہوں۔

سیدنا امیر معاویہؓ اور اصحاب محمد ﷺ کی زندگیوں کو تاریخ کے بوسیدہ اوراق میں نہیں ٹٹولا جائے گا بلکہ قرآن وحدیث کے ترازو میں تولا جائے گا جس میں ذرہ برابر بھی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے جنہوں نے قرآن وحدیث کا گہرائی سے مطالعہ کیا ہے، انہوں نے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت کو بصمیمِ قلب تسلیم کیا ہے اور وہ بدنصیب حضرات جنہیں قرآن وحدیث، تفسیر وتشریح کا کوئی علم نہ ہو، اردو داں ہو، ان کی رسائی تاریخی کتابوں کے مطالعہ تک محدود ہو، ایسے ہی مردودوں، کم بختوں اور کم علموں نے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کی کردارکشی کر کے اسی دنیا میں اپنی آخرت کو تاخت وتاراج کر لیا ہے۔

☆......حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:......حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ ایک شخص تھے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے اور صحابہ رضوان اللہ علیہم میں بڑے صاحب فضیلت تھے تم کبھی اُن کے حق میں بدگمانی نہ کرنا اور ان کی بدگوئی میں مبتلا نہ ہونا ورنہ تم حرام کے مرتکب ہوگے۔(ازالۃ الخفاء جلد اول صفحہ 349) ☆......شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی عبارت کی روشنی میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی گستاخی کرنے والا حرامی ہے!

☆......حضرت عبداللہ ابن مبارک سے پوچھا گیا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز افضل ہیں یا حضرت امیر معاویہ آپ نے فرمایا. رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کے موقع پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کی ناک میں جو غبار داخل ہوا وہ غبار حضرت عمر بن عبدالعزیز علیہ الرحمہ سے افضل ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: معاویہ رضی اللہ عنہ ہمارے نزدیک محبتِ صحابہ کے پرکھنے کا معیار ہیں، چناں چہ جو معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف نگاہِ غلط اٹھاتا ہے، یا ان کے خلاف بغض و عداوت رکھتا ہے ہم اسے پورے صحابہ سے نفرت کرنے والا سمجھتے ہیں ۔یعنی معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات

میں طعن پورے صحابہ کی ذات میں طعن کے مترادف ہے ☆......اسی طرح دیگر صحابہ کرام کے بارے میں فتاویٰ بزازیہ میں ہے: ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت کا منکر کافر ہے۔ حضرت علی، طلحہ، زبیر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم کو کافر کہنے والے کو کافر کہنا واجب ہے۔(فتاویٰ بزازیہ: ۳/ ۳۱۸) ☆......ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ: شرح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں: ''جو شخص ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت کا انکار کرے تو وہ کافر ہے، کیونکہ ان دونوں کی خلافت پر تو صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے۔(شرح فقہ اکبر: ۱۹۸) ☆......حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ: مختلف مکتوبات میں روافض کو کافر تحریر فرماتے ہیں: ''اس میں شک نہیں کہ ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما صحابہ میں سب سے افضل ہیں، پس یہ بات ظاہر ہے کہ ان کو کافر کہنا ان کی کمی بیان کرنا کفر و زندیقیت اور گمراہی کا باعث ہے۔(ردّ روافض: ۳۱) ☆......فتاویٰ عالمگیری میں ہے: روافض اگر حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی شان میں گستاخی کریں اور ان پر لعنت کریں تو کافر ہیں، روافض دائرۂ اسلام سے خارج ہیں اور کافر ہیں اور ان کے احکام وہ ہیں جو شریعت میں مرتدین کے ہیں۔(فتاویٰ عالمگیری: ۲/ ۲۶۸) ☆......علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہم تک دین صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ذریعے ہی پہنچا ہے انہیں کو جب مطعون کر دیا جائے گا تو آیات و احادیث بھی محل طعن بن جائیں گی اور اس میں تباہی اور بربادی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا اور مبلغ کی تبلیغ کے لیے اس کا عادل ہونا ضروری ہے اور۔(برکات آل رسول 281)

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ ہمیں عقل سلیم عطا فرمائے اور ہمارے ایمان کی حفاظت فرمائے اور ہمارے اسلاف کی طرح حب صحابہ و اہل بیت پر ہمیں استقامت عطا فرمائے۔ آمین

رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف

رمضان المبارک اور بالخصوص اس کے آخری عشرے کے اعمال میں سے ایک اعتکاف بھی ہے۔اصطلاح شریعت میں اعتکاف کا مفہوم ہے کہ اللہ رب العزت کی رضاوخوشنودی کی خاطر اعتکاف کی نیت سے اللہ تعالیٰ کے در پر (یعنی مسجد میں) ہر ایک سے تعلق ختم کر کے پڑ جائے اور سب سے الگ تنہائی میں اللہ کی عبادت اور اسی کے ذکروفکر میں مشغول رہے۔ویسے تو سال کے تمام دنوں میں اعتکاف کرنا جائز ہے لیکن رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں مرد حضرات کا مسجد میں اعتکاف بیٹھنا سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے۔کفایہ کا مطلب ہے کہ محلہ یا بستی میں سے ایک یا دو بندے بھی مسجد میں اعتکاف بیٹھ جائیں تو سب کو کفایت کر جائیگا یعنی اس حوالے سے محلہ وبستی والوں سے باز پرس نہ ہوگی۔

اور اللہ کے حبیب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتکاف کرنے والوں کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ:’’اعتکاف بیٹھنے والا (اعتکاف کی وجہ سے اور مسجد میں مقید ہوجانے کی وجہ سے) گناہوں سے محفوظ رہتا ہے اور اس کے لیے وہ تمام نیکیاں لکھی جاتی ہیں جو نیکی کرنے والا کرتا ہے (اور یہ اعتکاف کی وجہ سے نہیں کرسکتا)‘‘۔(بحوالہ ابن ماجہ)۔خود سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم ہر رمضان میں دس دن (آخری عشرے میں) اعتکاف فرمایا کرتے تھے مگر جس سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس (۲۰) دن کا اعتکاف فرمایا۔(بحوالہ بخاری) سبحان اللہ! کیسے خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو اعتکاف کر کے گناہوں سے بچتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے لو لگا کر تو نیکیاں بٹورتے ہی ہیں اور ساتھ ساتھ وہ نیکیاں بھی ان کا مقدر ہوتی ہیں جو وہ اعتکاف کی حالت میں مسجد میں مقید ہونے کی وجہ سے نہیں

کر سکتے ۔حضرت علی بن حسین رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد ماجد حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رحمت دو عالم صلَّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:......کہ جس شخص نے رمضان المبارک میں آخری عشرہ کا اعتکاف کیا اس کو دو حج اور دو عمرے کرنے کے برابر ثواب ملتا ہے ۔(الترغیب) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ سرکار دو عالم صلَّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اعتکاف کرنے والے کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ معتکف تمام گناہوں سے محفوظ رہتا ہے اور اس کو اس قدر ثواب ملتا ہے جیسے کوئی شخص تمام تر نیکیاں کر رہا ہو ۔(مشکوٰۃ)

اعتکاف کی تین قسمیں ہیں:......

واجب اعتکاف:......یہ وہ اعتکاف ہوتا ہے جس میں بندے نے نذر مانی ہو کہ اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو میں اتنے اتنے دن اعتکاف کروں گا ۔جتنے دن اعتکاف کی نذر مانی ہو اتنے دن کا اعتکاف کرے گا مگر ہاں اعتکاف کے ساتھ روزہ بھی ضرور رکھے گا کیونکہ روزہ صحت اعتکاف کی شرائط میں سے ہے ۔

سنت اعتکاف:......یہ وہ اعتکاف ہے کہ جو عام طور پر رمضان کریم کے آخری عشرے میں ہوتا ہے ۔کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہر رمضان کے آخری 10 روز اعتکاف کیا، آخری عشرے میں کیے جانے والے اعتکاف کو سنت مؤکدہ کہا جاتا ہے ۔اگر پورے محلہ میں سے ایک یا چند نے بھی اعتکاف کر لیا تو سب کا ذمہ ساقط ہو جائے گا ورنہ سب پر اس کا وبال (گناہ) ہو گا ۔سنت اعتکاف کا اہم مقصد آخری عشرے کی طاق راتوں میں لیلۃ القدر کی تلاش کرنا سب سے اہم جز ہے ۔

مستحب اعتکاف: یہ وہ اعتکاف ہے کہ جس کے لیے کوئی وقت اور اندازہ مقرر نہیں ہے بلکہ جتنا وقت بھی مسجد میں ٹھہرے تو اعتکاف ہو گا اگرچہ تھوڑی دیر کے لیے ہی کیوں نہ ہو بلکہ افضل تو یہ ہے کہ آدمی مسجد میں داخل ہوتے ہی اعتکاف کی نیت کر لے تو نماز اور نفل وغیرہ کے ثواب کے ساتھ ساتھ اعتکاف کا ثواب پاتا رہے گا ۔(بہشتی زیور بحوالہ شامی، جلد 2، صفحہ 177)

سب سے افضل وہ اعتکاف ہے جو مسجد حرام میں کیا جائے پھر مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مقام ہے، پھر

بیت المقدس کا اور اس کے بعد اس جامع مسجد کا درجہ ہے جس میں جمعہ کی جماعت کا انتظام ہو۔عورتوں کو اپنے گھر کی مسجد (یعنی جس جگہ نماز پڑھتی ہو) اعتکاف کرنا بہتر ہے ورنہ کسی کمرے میں اپنے لیے جگہ مختص کر دیں۔(علم الفقہ، حصہ سوم، صفحہ 46) 1) جس مسجد میں اعتکاف کیا جائے اس میں پانچ وقتی نماز باجماعت ہوتی ہو۔(2) اعتکاف کی نیت سے ٹھہرنا۔(3) حیض، نفاس اور جنابت سے پاک ہونا۔ (خواتین کے لیے)(4) روزہ لازمی رکھنا۔(5) عاقل و بالغ ہونا، نابالغ مگر سمجھدار اور عورت کا اعتکاف درست ہے۔(علم الفقہ، حصہ سوم، صفحہ 64)

کورونا وائرس کی وجہ سے احتیاطی تدابیر بجالاتے ہوئے مساجد میں اعتکاف کیا جائے۔اعتکاف رسول مکرم ﷺ کی محبوب سنت ہے،اسے ترک کرنے کی ہرگز اجازت نہیں دی جا سکتی۔مساجد میں مناسب فاصلہ رکھ کر ان کی وسعت کے حساب سے افراد کو اعتکاف بیٹھنے دیا جائے۔حفاظتی اقدامات کے پیش نظر بچوں بوڑھوں اور بیماروں کو مسجد میں اعتکاف بیٹھنے سے منع کر دیا جائے۔مسنون اعتکاف کا وقت 20 رمضان المبارک کو غروب آفتاب سے قبل اعتکاف کی نیت سے شرعی مسجد میں بیٹھنے سے شروع ہوتا ہے اور شوال کا چاند نظر آنے تک رہتا ہے۔ 29 رمضان کو عید کا چاند نظر آئے یا 30 رمضان کو آفتاب غروب ہو جائے تو مسنون اعتکاف ختم ہو جاتا ہے پھر معتکف مسجد سے نکل سکتا ہے۔اللہ تعالیٰ ہر انسان کو کم از کم زندگی میں ایک مرتبہ اس عظیم سعادت کو حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین!

غزوہ بدر

رمضان کریم کے دوسرے عشرے کے آخر میں سترہویں رمضان کو وہ اہم تاریخ ساز واقعہ پیش آیا جسے ہم یومِ بدر کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ یہ نہ صرف انسانی تہذیب کی تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے بلکہ رمضان کریم کی برکات کے حوالے سے بہت قابل غور ہے۔ اسلامی تاریخ میں بدر کی حیثیت ایسی ہے جیسے نبوت کے آغاز کے وقت قرآن پاک کے نزول کی ہے۔ قرآن پاک کے نزول نے آپ ؑ کی نبوت کا آغاز کیا، دین ابراہیمی کا احیاء ہوا۔ انسانیت کے لیے پیغام رحمت آیا۔ بدر کی فتح سے انسانی تاریخ میں ایک نئے باب کا آغاز ہوااور پوری انسانیت کو یہ معلوم ہوگیا کہ اب انسانیت کا مستقبل کیا ہو 2ھ کے شروع میں قریش کا ایک بہت بڑا تجارتی قافلہ ابوسفیان بن حرب کی قیادت میں شام کی طرف جارہا تھا ،قافلے میں لاکھوں دراہم کی مالیت کا مال واسباب اونٹوں پر لدا ہوا تھا۔ مسلمان چونکہ مکہ میں قریشیوں کے مہلک جان لیوا مظالم کو سہہ چکے تھے اس لیے وہ اس بات کو بخوبی جانتے تھے کہ اگر قریش کی معیشت مضبوط ہو گئی تو وہ اسلام کو مٹانے میں ذرہ برابر تامل نہیں کریں گے چنانچہ حفظ ما تقدم کے اصول کے پیش نظر مسلمانوں نے اس قافلے کو روکنے کی کوشش کی تا کہ کافروں کی عسکری طاقت کی بنیاد ہی مسمار ہو جائے اور انہیں مسلمانوں پر حملہ کرنے کا موقع نہ ملے لیکن قافلہ بچ نکلنے میں کامیاب ہوگیا۔ مسلمان اب اس انتظار میں تھے کہ کب یہ قافلہ واپس آتا ہے؟

قافلے کے واپس ہونے کی اطلاع ملی تو 12 رمضان المبارک سن 2 ہجری کو نبی کریم صلی اللہ علیہ

وسلم 313 مسلمانوں کو ساتھ لے کر مدینہ سے روانہ ہوئے، 60 مہاجرین جبکہ باقی انصار تھے۔ دوسری طرف ابوسفیان کو جب مسلمانوں کی آمد کا علم ہوا تو اس نے ایک تیز رفتار گھڑسوار مکہ کی طرف دوڑایا اور قریش مکہ کے نام پیغام بھیجا کہ یہی موقع ہے اسلام کی شمع کو ہمیشہ کے لیے بجھا دینے کا۔ تم جلدی سے اسلحہ اور سواریوں سمیت پہنچو۔ قریش مکہ تو پہلے سے تیار بیٹھے تھے۔ کوچ کا نقارہ بجایا اور ایک ہزار سپاہی، 100 سواریاں، تیر وتفنگ، نیزے بھالے، تلواریں، ڈھالیں اور جنگی ہتھیار سے لیس ہو کر مسلمانوں کی طرف بڑھنے لگے۔

بدر......مدینہ منورہ سے 80 میل کے فاصلے پر واقع ایک جگہ ہے۔ قریشیوں کی فوج نے یہیں پڑاوَ ڈالا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے رائے دریافت کی۔ مہاجرین کے سرخیل جناب ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما نے مجاہدانہ تقاریر کیں، جانثاری کا یقین دلایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار مدینہ کی رائے لی۔ قبیلہ کے خزرج کے سردار حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم جہاں تشریف لے جائیں ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہیں، جس سے جیسا چاہیں تعلق نبھائیں، ہم سے جو لینا چاہیں یا ہمیں کچھ دینا چاہیں ہم ہر طرح تیار ہیں، جو حکم فرمائیں ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شانہ بشانہ ہیں، اگر آپ ہمیں سمندر میں کود جانے کا حکم دیں ہم بلاچوں چرا کود پڑیں گے۔ اس کے بعد حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہا: ہم قومِ موسیٰ جیسی بے وفا قوم نہیں جنہوں نے اپنے نبیؑ سے کہا تھا کہ تم اور تمہارا رب جا کر لڑو ہم یہیں بیٹھے ہیں بلکہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں بائیں، آگے پیچھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کریں گے، ہر وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہیں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بے حد خوش ہوئے اور بدر کے قریب ایک چشمے پر پڑاوَ ڈالنے کا حکم دیا۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے مشورے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے عریش (چھپر) بنوایا گیا تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے جنگی صورتحال کو بچشم خود ملاحظہ فرما سکیں۔ آج کل اس جگہ ایک مسجد ہے۔ جسے ''مسجد عریش'' کہا جاتا ہے۔ 16 رمضان المبارک کو دونوں فوجیں پڑاوَ ڈال چکی تھیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم رات بھر بارگاہ ایزدی میں دعاومناجات کرتے رہے۔ بالآخر وہ وقت آن پہنچا جب بدر کا میدان رزم حق و باطل کا استعارہ بن گیا جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جرأت وشجاعت، بہادری و جانبازی، اللہ کی مدد اور نصرت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بہترین عسکری حکمت عملی کی مثال کے طور پر تاریخ عالم میں جانا جاتا ہے۔ 17 رمضان المبارک، 2 ہجری کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فوج کی صف بندی کی اور دست رحمت کو بارگاہ رحمت میں دراز کرتے ہوئے التجاء کی: اے پرودگار! جو آپ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے اسے پورا فرما۔ آج اگر یہ مٹھی بھر جماعت مٹ گئی تو تاقیامت آپ کی عبادت کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔

یہ صبر آزما امتحان تھا۔ مسلمانوں کے تلواروں کے نیچے ان کے قلب وجگر کے ٹکڑے اور بزرگ بھی آرہے تھے لیکن اسلام کی محبت رشتوں کی محبت پر غالب تھی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تلوار ان کے بیٹے پر بے نیام ہوئی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تلوار اُن کے ماموں کے خون سے رنگین ہوئی، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی تلوار اپنے والد عتبہ پر تن گئی، قریش کے سپہ سالار عتبہ پر حضرت حمزہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے کاری ضرب لگائی، شیبہ کو حیدر کرار رضی اللہ عنہ کی ذوالفقار نے 2 ٹکڑوں میں تقسیم کیا، عبیدہ بن سعید کو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے جہنم رسید کیا، 2 انصاری بچوں حضرت معوذ اور معاذ رضی اللہ عنہما نے ابوجہل کے غرور کو زمین بوس کیا، عکرمہ بن ابی جہل نے حضرت معوذ رضی اللہ عنہ پر تلوار سے حملہ کیا جس سے ان کا بازو کندھے سے لٹک گیا لیکن شیر دل مجاہد اسلام پھر بھی لڑتے رہے۔ جب لٹکا ہوا بازو دشمن پر حملے کرنے سے رکاوٹ بنا تو حضرت معوذ رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ کو پاؤں کے نیچے رکھ سے ایک جھٹکے سے جھٹک دیا۔ ابوجہل کے مرنے سے قریش مکہ کی ہمت کافی حد تک پست ہوگئی، ان کے حوصلے جواب دینے لگے تھے لیکن ان کی ایک امید ابھی باقی تھی یعنی سردار امیہ بن خلف۔ پھر چشم فلک نے وہ نظارہ بھی کیا جب بلال پر ستم ڈھانے والے امیہ کے جسم کو نیزوں سے چھلنی کر دیا گیا۔ دشمن کی صفوں میں کھلبلی مچ گئی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتوں کی فوج اتری، کفر کے سرداروں کی لاشوں کے ڈھیر لگ گئے۔ ابوجہل، امیہ بن خلف، عتبہ، شیبہ، ولید، زمعہ بن اسود، عاص بن ہشام، منبہ ابن الحجاج اور ابوالبختری کے ناپاک وجود

سے اللہ کی زمین پاک ہوگئی۔ 70 کفار مارے گئے، 70 کو قیدی بنالیا گیا جبکہ باقی دم دبا کر بھاگنے پر مجبور ہوئے۔ دوسری طرف 14 مسلمان جام شہادت نوش کر گئے۔

غزوہ بدر کے واقعے نے یہ ثابت کر دیا کہ ثابت قدمی، جذبہ جہاد، شوق شہادت، اطاعت اِمیر سے کڑے حالات کو اچھے حالات کی طرف موڑا جاسکتا ہے، محض دنیاوی وسائل، آلات جنگ اور سپاہیوں کی کثرت ہی جنگ جیتنے کے لیے کافی نہیں ہوتیں۔ رمضان کے مبارک مہینے میں اس غزوے کا ہونا یہ ثابت کرتا ہے کہ یہ خیال بے بنیاد ہے کہ رمضان میں قوتِ کار میں کمی ہو جاتی ہے۔ جہاد جیسے پُرمشقت مرحلے سے مسلمانوں کا کامیابی سے گزرنا ظاہر کرتا ہے کہ روزے سے قوتِ ایمانی میں اضافے کی وجہ سے جسمانی فعالیت اور قوت میں اضافہ ہی ہوتا ہے، کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔

یوم بدر ہر سال رمضان کی 17 تاریخ کو ہمیں یاد دلاتا ہے کہ جب اہلِ ایمان اپنی نیتوں کو اللہ کے لیے خالص کر کے صرف اس کے دین کی سر بلندی کی خاطر جہاد کے لیے نکلتے ہیں تو قلتِ تعداد کے باوجود وہ اپنے سے کئی گنا زیادہ تعداد والے دشمن پر غالب آتے ہیں۔ اسلام تعداد سے زیادہ قوتِ کردار کو اہمیت دیتا ہے۔ اگر ایمان قوی ہو، نیت پاک ہو اور منزل کا شعور ہو تو پھر اللہ کی طرف سے غیبی امداد کا آنا یقینی ہو جاتا ہے۔ آج جب مسلمان دنیا کے بہت سے علاقوں میں اپنے آپ کو ''اقلیت'' سمجھتے ہیں اور اس بنا پر عموماً دب کر، محض بعض حقوق کی بھیک مانگنے پر مطمئن ہو جاتے ہیں، ان کے لیے لمحۂ فکریہ ہے کہ اگر بدر کے موقع پر تعداد میں کم مسلمان زیادہ مسلح اور تعداد والوں پر غالب آسکتے ہیں تو آج یہ تاریخ کیوں نہیں دہرائی جاسکتی۔

شب قدر کی عبادت اور اسکی قدرومنزلت

رمضان المبارک میں اللہ تعالیٰ کی رحمت اپنے بندوں پر بارش کے قطرات کی طرح برستی ہے اور بندوں کی مغفرت کے بہانے ڈھونڈتی ہے۔ یوں تو پورا رمضان ہی عظمت وفضیلت سے بھرا ہوا ہے کہ اس میں کیا جانے والا نفل کام، فرض کے برابر اور ایک فرض، ستر فرائض کے برابر ثواب رکھتا ہے لیکن 'شب قدر'! اس کے تو کیا ہی کہنے! باری تعالیٰ نے اس کی عظمت وفضیلت کے بیان میں پوری ایک سورت قرآن مجید کا جزو بنا دیا جس کی ایک آیت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ﴾ "شب قدر ایک ہزار مہینوں سے بھی بہتر ہے"۔ یہ ایک رات اعمال کے ثواب وعذاب کے اعتبار سے ایک ہزار مہینوں کے عمل سے زیادہ بڑھی ہوئی ہے، ہزار مہینوں کے 83 سال اور 4 ماہ ہوتے ہیں۔ گویا اِس رات کی عبادت پوری زندگی کی عبادت سے زیادہ بہتر ہے۔ اور ہزار مہینوں سے کتنی زیادہ ہے ہزار مہینوں سے بہتر ہونے سے بتانا یہ مقصود ہے کہ جو اس رات میں کوئی بھی عمل کرے وہ ایسی ایک ہزار رات سے بھی زیادہ بڑھ کر ہے، جس میں لیلۃ القدر نہ ہو، خواہ نیکی ہو یا بدی۔ اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں؛ اول یہ کہ اس رات میں نماز، تلاوت اور صدقہ وغیرہ تمام نیکیوں کا اجر وثواب ایک ہزار گنا سے بھی زیادہ ملتا ہے اور اس زیادتی کی بھی کوئی حد مقرر نہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی کے اخلاص کی بدولت جتنا چاہیں اسے بڑھا دیں۔ دوم یہ کہ اس مبارک رات میں گناہ سے بہت زیادہ اجتناب کی کوشش کرنی چاہیے ورنہ ایسا ہوگا جیسے ایک ہزار سال سے زیادہ کے عرصے

تک اس گناہ میں ملوث رہا ہو۔(در منثور:15 / 533)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رات رمضان کے آخری عشرہ میں ہوتی ہے۔لہٰذا اس آخری عشرہ کا ایک لمحہ بھی ضائع نہ ہونے دیں۔ پانچوں نمازوں کو جماعت سے پڑھنے کا اہتمام کریں، دن میں روزہ رکھیں، رات کا بڑا حصہ عبادت میں گزاریں، تراویح اور تہجد کا اہتمام کریں، اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں، اپنے اور امت مسلمہ کے لیے دعائیں کریں، قرآن کریم کی تلاوت زیادہ سے زیادہ کریں شب قدر کی فضیلت واہمیت کے متعلق متعدد احایث کتب احادیث میں موجود ہیں، یہاں اختصار کی وجہ سے چند احادیث لکھ رہا ہوں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کرنے والا بنائے، آمین- ☆..رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص شب ِقدر میں ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے (عبادت کے لیے) کھڑا ہو، اس کے پچھلے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔(بخاری ومسلم) کھڑے ہونے کا مطلب: نماز پڑھنا، تلاوتِ قرآن اور ذکر وغیرہ میں مشغول ہونا ہے۔ثواب کی امید رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ شہرت اور دکھاوے کے لیے نہیں، بلکہ خالص اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے عمل کرنا ہے۔☆..رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمہارے اوپر ایک مہینہ آیا ہے، جس میں ایک رات ہے جو ہزار مہینوں سے افضل ہے۔جو شخص اس رات سے محروم رہ گیا گویا سارے ہی خیر سے محروم رہ گیا اور اس کی بھلائی سے محروم نہیں رہتا مگر وہ شخص جو حقیقتاً محروم ہی ہے۔(ابن ماجہ)☆..رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: شب ِقدر کو رمضان کے اخیر عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کیا کرو۔(بخاری) مذکورہ حدیث کے مطابق، شب قدر کی تلاش 21ویں، 23ویں، 25ویں، 27ویں، 29ویں راتوں میں تلاش کرنی چاہیے۔☆..حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر مجھے شب قدر کا پتہ چل جائے تو کیا دعا مانگوں؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پڑھو: اَللّٰهُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّی (اے اللہ تو بے شک معاف کرنے والا ہے اور پسند کرتا ہے معاف کرنے کو، پس مجھے

بھی معاف فرمادے ۔(مسند احمد، ابن ماجہ، ترمذی)

اس رات کی برکات رات کے کسی خاص حصّے ہی میں مخصوص نہیں، بلکہ یہ برکات تمام رات رہتی ہیں، یہاں تک کہ فجر (صبحِ صادق) طلوع ہو۔(درمنثور:15/545)یوں تو ہر رات طلوعِ فجر تک ہوا کرتی ہے، مراد اس سے یہ ہے کہ شبِ قدر اپنے تمام اوصاف (ملائکہ کا نزول وغیرہ) رحمت کے ساتھ صبح تک رہتی ہے ۔(تفسیر مظہری:8/321)اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی شبِ قدر کی قدر و منزلت پہچاننے اور اس میں عبادت کا اہتمام نصیب فرمائے ۔آمین!

اعتکاف کے چند ضروری مسائل

رمضان المبارک کے اخیر عشرہ میں اعتکاف کے لئے بیٹھنا مسنون اعتکاف ہے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بالالتزام رمضان المبارک کے اخیر عشرہ میں اعتکاف کرنا ثابت ہے' اس لئے رمضان المبارک کے اخیر عشرہ میں اعتکاف کرنا سنت مؤکدہ ہے مگر یہ سنت مؤکدہ ایسا ہے کہ اگر بعض افراد محلے کی مسجد میں اعتکاف کے لئے بیٹھ جائیں تو سب کا ذمہ فارغ ہو جائے گا۔ واجب اور مسنون اعتکاف اسی وقت صحیح اور معتبر ہوگا جب کہ اس میں درج ذیل شرائط پائی جائیں: ☆...... اعتکاف کی نیت شرط ہے قصد و ارادہ کے بغیر مسجد میں ٹھہر جانے کو اعتکاف نہیں کہتے، چونکہ نیت کے صحیح ہونے کے لیے نیت کرنے والے کا مسلمان ہونا اور عاقل ہونا شرط ہے اس لئے معتکف کا مسلمان اور عاقل ہونا شرط ہے۔ بدائع الصنائع، باب الاعتکاف: ۲/۱۰۸ ☆...... مرد کا ایسی مسجد میں اعتکاف کرنا جس میں پنجوقتہ نماز باجماعت کے لئے امام ومؤذن باقاعدہ موجود ہوں (لہذا ویران مسجد میں تنہا اعتکاف معتبر نہ ہوگا) ☆...... معتکف کا روزہ دار ہونا (لہذا بغیر روزہ کے واجب اور مسنون اعتکاف معتبر نہ سمجھا جائے گا) ☆...... معتکف کا جنابت اور حیض ونفاس سے پاک ہونا (لہذا حدثِ اکبر کے ساتھ مسجد میں اعتکاف کرنا ہرگز درست نہ ہوگا)۔ (ہندیۃ ۱/۲۱۱، مراقی الفلاح ۳۸۱-۳۸۲، البحر الرائق کراچی ۲/۲۹۹) ☆...... جس شخص کے بدن یا منہ میں بدبو آئے مثلاً کوئی سگریٹ، حقہ، نسوار کا پرانا عادی ہے اور اس کے منہ سے بدبو نا قابل برداشت ہو تو ایسے شخص کے لئے اعتکاف کرنا جائز نہیں، البتہ اگر بدبو تھوڑی ہو جو خوشبو وغیرہ سے دور ہو جائے اور لوگوں کو تکلیف نہ ہو، تو جائز ہے۔ (فتاوی شامی، باب الاعتکاف) اسی حکم میں ہے ہر وہ شخص جس کا مرض متعدی

ہویااس سے لوگوں کوتکلیف ہوتی ہو، چونکہ لوگوں کو ایذاء رسانی سے بچانا فرض ہے،اور اعتکاف سنت ہے ۔(3) فتاوی شامی، باب الاعتکاف، ۳: ۴۳۰/ ۔ ☆......آخری عشرہ کے اعتکاف کے لئے بیس رمضان کوسورج ڈوبنے سے پہلے مسجد میں داخل ہونالازم ہے ۔[فتاویٰ دارالعلوم ص ۵۰۶ ج ۶] ☆......اعتکاف نذر اوراخیر عشرہ کے اعتکاف میں ضرورت شدیدہ کے بغیر مسجد سے باہر نکلنا حرام اور اعتکاف کوتوڑ دیتا ہے۔ [درمختار ص ۴۴۴ ج ۲] ☆......غسل واجب، نماز فرض کا وضو، پیشاب، پائخانہ کے لئے بقدر ضرورت مسجد سے باہر نکلنا جائز ہے ۔اوراسی طرح اگر مسجد میں جمعہ نہیں ہوتا ہے تو دوسری مسجد میں جمعہ پڑھنے کے لئے جانا بھی جائز ہے لیکن اس میں فضول وقت نہ گزارے ۔بہت جلد واپس ہوجائے ۔لیکن اگر دیہات کی مسجد میں اعتکاف کیا ہے تو جمعہ کے لیے باہر نکلنا درست نہیں ہے ۔اس لئے کہ دیہات میں جمعہ جائز نہیں ہے ۔[در مختار کراچی ص ۴۴۵ ج ۲، کفایت المفتی ص ۲۳۲ ج ۴، فتاویٰ محمودیہ ص ۱۷۵ ج ۳] ☆......نفل نماز باوضو رہنے، باوضو سونے اور تلاوت وذکر کے لئے وضو کرنے کے لئے باہر نکلنا جائز ہے ۔اس لئے کہ معتکف کا ہر وقت باوضو رہنا مسنون ہے اور اگر مسجد کے اندر ٹب وغیرہ میں وضو کیا جاسکتا ہے تو باہر نکلنا جائز نہیں ☆......اضطراری ضرورت: مثلاً مسجد منہدم ہوجانا، یا کسی ظالم کا معتکف کو مسجد سے زبردستی نکال دینا وغیرہ [فتاویٰ رحیمیہ ص ۲۶ ج ۵] ☆......اگر معتکف کو پیشاب کے بعد قطرات آنے کا اندیشہ رہتا ہے اور وہ اطمینان حاصل کرنے کے لئے کچھ دیر ٹہل کر مٹی کا ڈھیلا یا جاذب (ٹشو پیپر) استعمال کرتا ہے تو بحالتِ اعتکاف ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، یہ طبعی ضرورت میں داخل ہے الخ ۔(شامی زکریا ۲/ ۴۳۵) ☆......اگر معتکف قضائے حاجت یا شرعی ضرورت کے لئے مسجد سے باہر جائے تو آتے جاتے چلتے ہوئے کسی سے سلام کلام کرنے سے اس کا اعتکاف فاسد نہ ہوگا؛ البتہ اگر کھڑے کھڑے ٹھہر کر باتیں کرنے لگا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔(البحر الرائق کراچی ۲/ ۳۰۲) ☆......بیڑی وغیرہ پینے کا عادی شخص استنجاء وغیرہ کے لئے مسجد سے باہر نکلتے وقت اس ضرورت کو پورا کرلے خاص اسی ضرورت سے مسجد سے باہر نہ جائے (فتاویٰ رشیدیہ ۴۶۱، فتاویٰ رحیمیہ

۵ / ۲۰۲،فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۱۰/ ۲۳۹، میرٹھ ۱۵/ ۳۱۶) ☆...... اگر مسجد شرعی کی حد میں رہتے ہوئے غسل کا ایسا انتظام ہو کہ مسجد غسل کے پانی سے ملوث نہ ہو تو معتکف کے لئے مسجد میں ہر طرح کا غسل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور اگر مسجد میں غسل کا ایسا انتظام نہ ہو تو واجب غسل کے لئے مسجد سے باہر نکلنا بالاتفاق جائز ہے؛ البتہ غیر واجب غسل مثلاً بدن کی صفائی یا ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے اگر مسجد سے باہر جائے گا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کا اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔ (تاہم اگر بول و براز کی ضرورت کے لئے مسجد سے باہر نکلا اور وہیں بہ عجلت بدن پر پانی بہالیا تو اعتکاف میں کوئی فرق نہیں آئے (فتاویٰ محمودیہ میرٹھ ۱۵/ ۲۷۷) ☆...... عام فقہی کتابوں اور فتاویٰ میں تو یہی بات لکھی ہے کہ غیر واجب غسل کے لئے مسجد سے باہر نکلنا معتکف کے لئے درست نہیں ہے، اور غیر واجب غسل میں جمعہ کا غسل مسنون بھی داخل ہے؛ لیکن بعض فقہی عبارتوں سے جمعہ کے غسل کے لئے معتکف کو مسجد سے باہر نکلنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے (اس لئے ضرورت اور تقاضے کے وقت اس روایت پر عمل کی گنجائش ہے) (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۴/ ۵۰۲) ☆...... اگر احتلام ہو جائے تو آداب مسجد کی رعایت کرتے ہوئے تیمم کر کے باہر نکلے اور بہت جلد غسل کر کے واپس ہو جائے اور اس احتلام کی وجہ سے اعتکاف اور روزہ میں کوئی خرابی نہیں آتی۔ اور سونے کی حالت میں احتلام ہو جانا اور ریح خارج ہو جانا آداب مسجد کے خلاف نہیں۔ [شامی کراچی ص ۴۴۵ ج ۲] ☆...... اگر معتکف شخص بیمار ہو اور اسے مسجد سے باہر جا کر ڈاکٹر کو دکھانے کی ضرورت ہو تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس مقصد سے مسجد سے باہر جانے سے اس کا اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔ (ہندیۃ ۱/ ۲۱۲) ☆...... اگر معتکف کو اذان دینے کے واسطے حدودِ مسجد سے باہر جانا ناگزیر ہو (مثلاً: کوئی اور اذان دینے والا موجود نہ ہو اور لاؤڈ اسپیکر باہر کمرے میں رکھا ہو، اور اسے مسجد میں نہ لایا جاسکتا ہو) تو یہ بھی حاجتِ شرعیہ میں داخل ہے، اور ایسا معتکف اذان دینے کے لئے بضرورت مسجد سے باہر جاسکتا ہے، اس سے اس کا اعتکاف نہیں ٹوٹے گا۔ (شامی زکریا ۳/ ۴۳۶) ☆...... اگر کوئی آدمی ریاحی مریض ہے اس کے لئے اعتکاف ممنوع ہے لیکن اگر اتفاق سے ریح خارج کرنے کی ضرورت پڑ جائے تو مسجد میں ریح نہ

خارج کرے باہر جا کر ریح خارج کرے اور جلد واپس لوٹ جائے تو اس کی اجازت ہے۔[فتاویٰ رحیمیہ ص ۲۱۲ ج ۵]☆......اعتکاف کے دوران اخبار پڑھنے یا خبریں سننے سے احتراز کرنا چاہیے۔اعتکاف کے دوران رضاالٰہی والے امور میں مشغول رہنا چاہیے۔☆......معتکف کیلئے اعتکاف کی حالت میں خاموشی کو عبادت سمجھ کر چپ رہنا مکروہ تحریمی ہے مگر بلاضرورت اور فضول باتوں سے احتراز کرے" دوران اعتکاف دینی اور دنیوی گفتگو بقدر ضرورت کی جا سکتی ہے۔ ☆......معتکف کے لئے مسجد میں اتنی جگہ گھیرنا جس سے دوسرے معتکفین یا نمازیوں کو تکلیف ہو مکروہ ہے۔☆......اعتکاف کے دوران بامر مجبوری خرید و فروخت کرنا اگرچہ جائز ہے مگر سودا مسجد میں لانا مکروہ تحریمی ہے۔☆......اعتکاف کے دوران نماز جنازہ "کسی مریض کی عیادت" سرکاری یا غیر سرکاری ڈیوٹی" اور اس قسم کے دوسرے قسم کے امور کے لئے نکلنا جو حوائج انسانی یا شرعی میں داخل نہ ہو" اعتکاف کو فاسد کر دیتا ہے (فتاوی حقانیہ)☆......اعتکاف کا مقصد چونکہ قرب الہیٰ حاصل کرنا ہے" اس لئے معتکف اپنے گھر بار دینوی مشاغل چھوڑ کر مسجد میں مقیم ہو جاتا ہے" فقہا کرام نے لکھا ہے کہ معتکف حالت اعتکاف میں قرآن کریم کی تلاوت" احادیث مبارکہ" آنحضرت کی سیرت طیبہ" انبیاء کرام اور سلف صالحین کے حالات کے مطالعہ اور دیگر دینی امور میں مشغول رہنا چاہیے۔ دنیاوی باتیں" ہنسی مذاق سے احتراز کرنا چاہیے۔

نماز تسبیح پڑھنے کا طریقہ

صلاۃ التسبیح کا حدیث میں بڑا ثواب منقول ہے، اس کے پڑھنے سے بے انتہا ثواب ملتا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباس کو یہ نماز سکھائی تھی، اور فرمایا تھا کہ اس کے پڑھنے سے تمہارے تمام گناہ اگلے پچھلے نئے پرانے چھوٹے بڑے غلطی سے کیے ہوئے اور جان بوجھ کر کیے ہوئے، چھپ کر کئے ہوئے اور کھلم کھلا کئے ہوئے سبھی گناہ اللہ تعالیٰ معاف کر دیں گے۔ اور فرمایا کہ اگر ہو سکے تو یہ نماز روزانہ پڑھ لیا کرو اور اگر نہ ہو سکے تو ہر ہفتہ میں ایک بار پڑھ لیا کرو، یہ نہ ہو سکے تو مہینہ میں ایک بار پڑھ لیا کرو، یہ بھی نہ ہو سکے تو سال بھر میں ایک دفعہ پڑھ لیا کرو، اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو کم از کم زندگی بھر میں ایک بار ضرور پڑھ لو۔ اگر کوئی مصائب دور کرنے یا حاجت کے لیے پڑھے تو امید ہے کہ اس کو مقصد میں کامیابی ملے۔

اس نماز کے پڑھنے کی ترکیب یہ ہے۔ چار رکعت نفل کی نیت باندھ کر پہلے ثناء کے بعد سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ پندرہ بار پڑھے پھر تعوذ تسمیہ سورۃ فاتحہ اور کوئی سورۃ پڑھ کر دس بار یہی تسبیح پڑھے پھر رکوع کرے اور رکوع میں دس بار پڑھے رکوع سے سر اٹھائے اور تسمیع وتحمید کے بعد دس بار پڑھے پھر سجدہ میں جائے اور دس بار پڑھے پھر سجدہ سے اٹھ کر بیٹھے ہوئے دس بار پڑھے پھر دوسرا سجدہ کرے اور اس میں بھی دس بار یہی تسبیح پڑھے پھر سجدہ سے اٹھ کر دوسری رکعت شروع کر دے پہلی رکعت کی طرح سورۃ فاتحہ سے پہلے پندرہ بار پڑھے ہر ہر رکعت میں کل ۷۵ بار یہ تسبیح

پڑھے تاکہ چاروں رکعتوں میں تین سو بار ہو جائے۔ یہ نماز اوقاتِ مکروہ کے علاوہ جب چاہے پڑھ سکتا ہے مگر بہتر یہ ہے کہ ظہر کی نماز سے پہلے پڑھے اور جمعہ کے دن نماز جمعہ سے پہلے پڑھے۔۔(سنن الترمذی، ابواب الوتر، باب ماجاء فیصلاۃ التسبیح، 1/117، قدیمی) اس نماز کا کوئی خاص وقت نہیں ،اسے مکروہ اوقات کے علاوہ جب بھی ہو سکے پڑھ سکتے ہیں۔

اس دور میں ایک نیا فتنہ برپا ہوا ہے کہ بعض حضرات نے شریعت کی صرف (الف ب ت) سے واقف ہو کر مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد حتی کہ علماء کرام کو کافر، مشرک اور بدعتی قرار دینے کو اپنی زندگی کا مقصد بنالیا ہے۔ اور لوگوں کے سامنے اپنی رائے اس طرح تھوپنی شروع کر دی ہے کہ جو انہوں نے یا اُن کے علماء نے سمجھا ہے صرف اور صرف وہی صحیح ہے، باقی تمام مکاتب فکر کافر، مشرک اور بدعتی ہیں۔ چنانچہ انہوں نے صلاۃ التسبیح سے متعلق احادیث کو ضعیف یا موضوع قرار دے کر بڑی جرأت سے کام لیا اور اس نماز کو ہی بدعت قرار دینا شروع کر دیا ہے۔ حالانکہ صلاۃ التسبیح سے متعلق احادیث حدیث کی اُن مشہور و معروف کتابوں میں مذکور ہیں جنہیں امت مسلمہ میں زمانہ قدیم سے ہی مقبولیت حاصل ہے، جن کو صحاح ستہ کہا جاتا ہے یعنی حدیث کی چھ صحیح کتابیں۔ اور ابتداء سے عصر حاضر تک کے ہر زمانہ کے محدثین کی ایک جماعت نے ان احادیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ اللہ سبحانہ ان رمضان المبارک کی گھڑیوں میں زیادہ سے زیادہ نیک اعمال کی توفیق نصیب فرمادیں۔ آمین یارب العٰلمین۔

رمضان المبارک کی قدر کریں

رمضان المبارک کا مہینہ بہت ہی خیر و برکت کا مہینہ ہے اور آخرت کی کمائی کا بہت بڑا سیزن ہے، اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی طرف سے آخرت کی کمائی کے لئے مختلف مواقع فراہم ہوتے رہتے ہیں، ان میں سے ایک اہم اور عظیم موقع بلکہ نعمت رمضان المبارک کا مہینہ ہے اور دراصل یہ پورے سال کے لئے ایک تربیتی کورس کی اہمیت رکھتا ہے۔ لہٰذا اس مبارک مہینہ کی کوئی ساعت کوئی لمحہ اور کوئی منٹ خالی اور ضائع نہیں ہونا چاہیے۔ مندرجہ ذیل معمولات کو تو بقیہ رمضان المبارک کے لئے پابندی سے شروع کر دیجئے:

☆ گناہوں کے جو اسباب ہیں ان سے بھی پرہیز کیا جائے۔ سرفہرست گناہ جو آج کل عام ہیں وہ ٹی وی، کیبل، ٹچ موبائل دیکھنے کا مرض ہے کم از کم رمضان میں خود بھی اور بچوں کو بھی اس سے بچائیں۔ ☆ افطاری کے وقت آدمی کو چاہئے کہ بس ہمہ تن اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے تلاوت میں، ذکر میں اور آخر میں دعا کے اندر مشغول رہے۔ ☆ رمضان شریف شروع ہونے سے پہلے پہلے اس بات کو سوچ لیں کہ ہم نماز تراویح کہاں پڑھیں؟ ☆ روزہ رکھنے اور تراویح پڑھنے کا مکمل اہتمام کیجئے اور بلاعذر ناغہ نہ کیجئے۔ ☆ رمضان المبارک اور خاص کر روزے میں ہر قسم کے گناہوں سے آنکھ، ناک، دل و دماغ اور تمام اعضاء کو بے حد بچا کر رکھئے۔ ☆ عورتوں کو وقت کی پابندی اور مردوں کو باجماعت نماز کا مکمل اہتمام کرتے رہنا چاہئے۔ ☆ فرض اور سنت نمازوں کے علاوہ اشراق، چاشت، اوابین، صلوٰۃ التسبیح تحیۃ المسجد، تحیۃ الوضوء اور تہجد کے نوافل کا حسب اِستطاعت معمول بنا لینا چاہئے۔ ☆ نیک صحبت کا اہتمام، بری صحبت سے پرہیز کیا جائے۔ ☆ جس قدر ہو سکے قرآن کریم کی تلاوت کی جائے۔ ☆ اللہ تعالیٰ سے ہر قسم کی

خیر وبھلائی کی دعائیں مانگتے رہئے، خاص کر جنت الفردوس کا سوال اور دوزخ سے پناہ مانگتے رہئے۔تمام مسلمانوں اور خاص کر مجاہدین اسلام کی فتح ونصرت اور ظلم وستم سے نجات کی دعاء کیجئے۔☆فوت شدہ حضرات کے لئے ایصال ثواب اور مغفرت کی دعاء کیجئے۔☆ چلتے پھرتے ''لَا الٰہ اِلاَّ اللہُ'' کا ورد رکھئے اور کبھی کبھی پورا کلمہ پڑھ کر درود شریف پڑھتے رہئے۔☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور سنت کا مطالعہ اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کیجئے۔☆ حسبِ قدرت صدقہ وخیرات میں حصہ شامل کیا جائے۔☆ رمضان کے قیمتی لمحات اور اوقات کو فضول باتوں سے محفوظ رکھنے کا بہت زیادہ اہتمام کرنا چاہئے، آج کل بہت سے لوگ رمضان المبارک کے بابرکت مہینہ کی قیمتی گھڑیاں اِدھر اُدھر گھومنے پھرنے، خرید وفروخت میں خرچ کر دیتے ہیں، جو کہ بہت زیادہ نقصان کی بات ہے۔

رمضان المبارک کی بے قدری کی صورتیں اور اس کا وبال:

رمضان المبارک کے عظیم فضائل کا تقاضا تو یہ تھا کہ اس پورے مہینے کو اللہ کی عبادت واطاعت اور گناہوں سے بچنے کے ساتھ گزارا جاتا لیکن بہت سے لوگوں کی حالت یہ ہے کہ انہیں اس مہینے کی قدر و قیمت کا احساس ہی نہیں ہوتا۔ اور وہ اس مہینے میں نماز تک قضاء کر دیتے ہیں، اور بعض لوگ خاص طور پر فجر اور مغرب کی نماز یا جماعت چھوڑ دیتے ہیں، اور ایسے تو بے شمار لوگ ہیں جو رمضان کی خاص عبادت، روزہ جیسے فریضہ اور تراویح جیسی مؤکدہ سنت کو چھوڑنے کے گناہ میں مبتلا ہوتے ہیں، ان لوگوں کو نہ تو عبادت کی توفیق ہوتی اور نہ ہی گناہوں کو چھوڑنے کی۔ کچھ لوگ ایسے ہیں کہ اس مبارک مہینے میں روزہ، نماز، صدقہ وخیرات اور ذکر وتلاوت کا تو اہتمام فرماتے ہیں مگر گناہوں اور معصیتوں میں حسبِ سابق منہمک رہتے ہیں۔ تاجر حسبِ معمول جھوٹ، دھوکہ ملاوٹ، کم تولنے کم ناپنے، جھوٹی قسمیں کھانے میں مبتلا رہتے ہیں۔ ملازمین ڈیوٹی کے اوقات پورے نہ دینے، اور کام پورا نہ کرنے اور بلا وجہ مالک کو پریشان کرنے میں لگے رہتے ہیں، اور عام لوگ جو دوسری نوعیت کے گناہوں کے عادی ہیں جیسے فلم دیکھنے، گانا سننے، ٹیلی ویژن دیکھنے میں (اور اس میں تو اچھے خاصے حاجی نمازی بھی مبتلا ہیں اور اس کو کوئی گناہ نہیں

سمجھتے) مبتلا رہتے ہیں ۔اسی طرح بعض لوگ افسانے، ناولیں اور ڈائجسٹ پڑھنا بدستور جاری رکھتے ہیں ۔ بعض لوگ مختلف فضولیات اور گناہوں میں وقت گزارنے اور روزے کی مشقت اور احساس کو دور کرنے کے بہانے سے مبتلا رہتے ہیں، چنانچہ بہت سے لوگ کرکٹ اور دوسرے کھیلوں کے کھیلنے یا دیکھنے اور سننے میں مصروف ہوجاتے ہیں، یہ سوچ نفس کا فریب ہے، خوب سمجھ لیجئے! رمضان کھیل کود اور وقت گزاری کا زمانہ نہیں اور اس مہینے میں گناہوں میں مبتلا ہونا بہت ہی غفلت اور سخت کوتاہی کی بات ہے ۔ ایسے لوگوں کی شب بیداری اور دن بھر بھوکہ پیاسا رہنے کا کوئی بھرپور فائدہ حاصل نہیں کرپاتے، کیونکہ اس مہینے میں گناہوں پر پکڑ بھی زیادہ ہے ۔

ترجمہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان سے پہلے لوگوں کو خطبہ دیتے تھے اور فرماتے تھے، تمہارے پاس رمضان کا مہینہ آرہا ہے ۔پس تم اس کے لیے تیاری کرو اور اپنی نیتوں کو صحیح کرو اور اس کا احترام اور تعظیم کرو، اس لیے کہ اس کا احترام اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت عظیم احترام والی چیزوں میں سے ہے، لہٰذا تم اس کی بے حرمتی مت کرو، اس لیے کہ اس مہینے میں نیکیاں اور برائیاں دونوں میں اضافہ کردیا جاتا ہے ۔بعض لوگ صرف رمضان کے مہینے کی حد تک کچھ گناہوں سے رک جاتے ہیں، مثلاً صرف رمضان میں داڑھی نہیں منڈاتے، یا شراب نہیں پیتے، یا ٹی وی نہیں دیکھتے لیکن رمضان کے بعد پھر ان گناہوں کو کرنے کی نیت ہوتی ہے، یہ بھی رمضان کی صحیح اور پوری قدردانی نہیں (اگرچہ رمضان میں گناہ کرنے سے تو بہتر ہے) کیونکہ گناہ سے توبہ کے لیے ضروری ہے کہ توبہ کرتے وقت آئندہ اس گناہ کو کرنے کی نیت نہ ہو، اور رمضان المبارک کی تمام رحمتوں اور برکتوں کا حاصل صرف اور صرف یہ ہے کہ بندہ حق تعالیٰ جلّ شانہ کی جو نافرمانیاں کرچکا ہے ان سے توبہ کرے ۔اور آئندہ بھی گناہوں سے مکمل پرہیز کرے اور تمام فرائض واحباب اور تمام حقوق العباد کما حقہ، ادا کرنے کی بھرپور کوشش کرے، اور ان کاموں کو پورے ماہ پابندی کرے تاکہ عادت ہوجائے اور پھر نیکیوں کے اس موسم بہار کے بعد بھی یہ عادت قائم رہے ۔اور سال کے باقی مہینوں میں بھی دین پر ثابت قدمی برقرار رہے ۔

رمضان المبارک کا مہینہ تمام مہینوں کا سردار ہے، اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے اپنی مخلوقات میں سے بہت سی چیزوں کو زیادہ فضیلت وعظمت عطا فرمائی ہے۔ چنانچہ انبیاء علیہم السلام میں سے حضور اکرم صلَّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلَّم کو دوسرے نبیوں پر فضیلت بخشی، حضرت آدم علیہ السلام کو تمام انسانوں کے جدامجد ہونے کی فضیلت عطا فرمائی، فرشتوں میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دوسرے فرشتوں پر فوقیت دی، قرآن مجید کو دوسری آسمانی کتابوں پر فضیلت عطا فرمائی، اس امت محمدیہ صلَّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلَّم کو دوسری امتوں پر فضیلت عطا فرمائی، زمین مین مسجدوں کو دوسرے خطوں پر فضلت وعظمت دی، دنوں میں جمعہ کے دن کو دوسرے دنوں پر فضیلت دی، راتوں میں شب قدر کو دوسری تمام راتوں پر فضیلت بخشی اور مہینوں میں رمضان المبارک کے مہینہ کو دوسرے تمام مہینوں پر فضیلت کا شرف عطا فرمایا۔ لہٰذا ہمیں بھی چاہئے کہ ان فضیلت وعظمت والی چیزوں کا ان چیزوں کی شان کے مطابق احترام بجالائیں۔

رمضان المبارک اور سخاوت

رمضان المبارک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات میں یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تیز و تند ہوا کی طرح سخاوت، فرمایا کرتے تھے۔ (بخاری) تیز و تند آندھی سے اس لئے تشبیہ دی گئی کیوں کہ اس آندھی کا نفع و فائدہ ہر ایک کو پہنچتا ہے اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت اور رحمت کا اثر سب کو پہنچتا ہے، اس حدیث سے امام نووی نے کچھ فوائد ذکر فرمائے ہیں: ہر وقت انسان سخاوت کرے، رمضان میں خیر کی راہوں میں خرچ کرنے میں اضافہ ہونا چاہئے، نیک لوگوں کے اجتماع پر خرچ کرے، نیکو کاروں کی زیارت کے موقع پر خرچ کرے۔ ایک اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول کچھ یوں ذکر کیا گیا کہ جب رمضان آجاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر قیدی کو چھوڑ دیتے اور ہر مانگنے والے کو عطا کر دیتے۔ (طبقات الکبری 1/ 99) ایک حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سائل کو کبھی "لا" نہیں کہا یعنی انکار نہیں فرمایا، اس کے سوال کو ٹالا نہیں، کبھی کسی بھی مانگنے والے کو واپس نہیں لوٹایا۔ (فتح الباری 1/ 31)

حافظ ابن حجر عسقلانی (متوفی 852) فرماتے ہیں: رمضان میں چوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کا زیادہ دور فرماتے تھے، اور قرآن کریم کے ورد سے دل میں استغناء کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور یہی استغناء کی کیفیت انسان کو سخاوت کی راہ پر ڈال دیتی ہے، نیز رمضان میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دیگر دنوں کے مقابلہ میں زیادہ نعمتوں سے نوازتے ہیں اسی سنت الہیہ کو اپناتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی رمضان میں اپنی امت پر زیادہ خرچ کرتے تھے۔ (فتح الباری 1/ 31) اسی کا اثر تھا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم

اجمعین اور بزرگانِ دین بالخصوص رمضان المبارک میں سخاوت میں اضافہ کو ترجیح دیا کرتے تھے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما رمضان میں افطار یتیموں، مسکینوں کے ساتھ فرماتے تھے، بیت المال ان کے لئے کثیر مقدار میں نفقہ جاری کرتا تھا پھر بھی کچھ جمع کر کے نہ رکھتے تھے۔

امام شافعی علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں: میں لوگوں کے لئے رمضان میں سخاوت کو زیادہ پسند کرتا ہوں، اس میں لوگوں کا فائدہ زیادہ ہے کیوں کہ لوگ عبادتوں میں روزوں میں مشغول ہوتے ہیں (طبقات الشافعیہ)

امام زہری علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ رمضان کا مہینہ تو تلاوت قرآن اور لوگوں کو کھانا کھلانے کا ہے۔

رمضان میں سخاوت کا فائدہ: 1... یہ بابرکت مہینہ ہے عامل کے اجر میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ 2... روزہ داروں اور شب بیداروں کی امداد کرنے سے ان کی عبادتوں کے مثل اجر کے ہم بھی مستحق ہوں گے، کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کسی روزہ دار کو افطار کروایا اس کو بھی روزہ دار کے اجر میں کمی کئے بغیر ویسے ہی اجر ملے گا۔ 3... رمضان خود ایسا مہینہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خود اس مہینہ میں اپنے بندوں پر سخاوت کرتا ہے، رحمت کے ذریعہ، مغفرت کے ذریعہ، آگ سے آزادی کے ذریعہ بالخصوص شب قدر میں بندے بھی بندوں پر سخاوت میں مشغول رہیں۔ 4... روزہ اور صدقہ کا اجتماع ہوجائے گا یہ دونوں جنت کو واجب کرنے والے ہیں، ایک حدیث میں آتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں ایسے بالا خانے ہیں کہ اس کے ظاہری حصے سے اندرونی نظارہ ہوگا اور باطن سے ظاہری نظارہ ہوگا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سوال کیا وہ کس کے لئے ہوگا یا رسول اللہ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے گفتگو عمدہ کی اور کھانا کھلایا، اور روزہ پر مداومت کی، اور رات میں نماز ادا کی جب کہ لوگ آرام کر رہے ہوں، بعض اسلاف کا کہنا ہے کہ نماز انسان کو آدھے راستے تک پہنچا دیتی ہے اور روزہ بادشاہ کے دربار تک، اور صدقہ ہاتھ پکڑ کر بادشاہ کے دربار میں داخل کر دیتا 5... نیز صدقہ روزے کے خلل کمی نقصان کو پورا کر دیتا ہے، اسی لئے جن افراد سے روزہ نہیں ہوسکتا انہیں فدیہ دینے کا حکم دیا گیا؛ لہٰذا روزے کی کمی کی تکمیل کے لئے صدقۂ فطر کو واجب قرار دیا گیا، الغرض رمضان المبارک کا معظم مہینہ مالداروں سے مطالبہ

کررہاہے کہ وہ ماہِ رمضان میں اپنے مالوں سے غرباء کا حق نکالیں اور انہیں پہنچانے کا اہتمام کریں، اور اپنے دلوں سے بے نیازی و استغناء پیدا کرتے ہوئے مال کو راہِ خدا میں لٹادیں، اس لئے کہ مال، تو سال بھر آتا جاتا رہے گا لیکن رمضان کا مبارک مہینہ زندگی میں بار بار نصیب نہیں ہوتا، کم ازکم اپنا معمول یہ بنائیں کہ ہم اپنے مال سے فرض زکوٰۃ کے علاوہ اتنا حصہ غرباء پر خرچ کریں گے، اور اس پر عمل بھی کریں ان شاء اللہ بہت زیادہ نفع ہوگا، اس لئے کہ راہِ خدا میں دینا درحقیقت اپنے ہی گھر کو بھر لینا ہے، اللہ تعالیٰ جل شانہ سے دعاء ہے کہ ہمیں سخی بناوے، اور ماہِ رمضان سے کما حقہ استفادہ کی توفیق نصیب فرمائے، آمین!

رمضان المبارک اور زکوٰۃ

اس ماہِ مبارک میں بہت ساری عبادات انسان کی طرف متوجہ ہوتی ہیں، یہ مہینہ شروع ہوتے ہی انسانوں میں ذہنی، ایمانی اور اعمالی اعتبار سے بہت سی خوشگوار تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں، نہ صرف یہ، بلکہ ہمارے اردگرد کے معاشرے میں امن وامان، باہمی ہمدردی اور اخوت وبھائی چارگی کی ایک عجیب فضا قائم ہوتی ہے، چنانچہ اسی مہینے میں عام طور پر لوگوں میں اپنے اموال کی زکوٰۃ نکالنے کا دستور ہے، اگرچہ زکوٰۃ کی ادائیگی کا براہِ راست رمضان المبارک سے کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ زکوٰۃ کے وجوب اور اس کی ادائیگی کا تعلق اس کے متعین نصاب کا مالک بننے سے ہے، لیکن چونکہ رواج ہی یہ بن چکا ہے کہ رمضان المبارک میں اس کی ادائیگی کی جاتی ہے جو اس وقت عمومی طور پر سارے مسلمانوں میں اپنا زور پکڑ چکی ہے کہ زکوٰۃ رمضان میں نکالنی ہے، بلکہ ہم یہ ماحول بنائیں اور اسی کے مطابق دوسروں کی ذہن سازی کریں کہ زکوٰۃ نکالنے والا اپنی زکوٰۃ کی ادائیگی میں زکوٰۃ کے واجب ہونے کے وقت کا خیال رکھتے ہوئے اس کے وقت پر زکوٰۃ نکالے، اور اس کے لئے رمضان کا انتظار نہ کرے۔

زکوٰۃ کے لغوی معنیٰ پاکی اور بڑھنے کے ہیں، اور شریعت کی اصطلاح میں "مخصوص مال میں مخصوص افراد کے لیے مال کی ایک متعین مقدار" کو زکوٰۃ کہتے ہیں۔ اس کو زکوٰۃ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ جب انسان مال کے ساتھ مشغول ہوتا ہے، تو اس کا دل مال کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور مال کے ساتھ اس مشغولیت کی وجہ سے انسان کئی روحانی واخلاقی بیماریوں اور گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے، مثلاً: مال کی بے جا محبت، حرص اور بخل وغیرہ۔ ان گناہوں سے حفاظت اور نفس ومال کی پاکی کے لئے زکوٰۃ وصدقات کو

مقرر کیا گیا ہے، اس کے علاوہ زکوٰۃ سے مال میں ظاہری یا معنوی بڑھوتری اور برکت بھی ہوتی ہے۔ زکوٰۃ اسلام کا ایک اہم ترین فریضہ ہے، اس کی فرضیت شریعت کے قطعی دلائل سے ثابت ہے، جن کا انکار کرنا کفر ہے، ایسا شخص دائرہ اسلام سے اسی طرح خارج ہو جاتا ہے جیسے نماز کا انکار کرنے والا شخص اسلام سے نکل جاتا ہے۔ زکوٰۃ اللہ رب العزت کی جانب سے جاری کردہ وجوبی حکم ہے، جس کا پورا کرنا ہر صاحب نصاب مسلم پر ضروری ہے، اس فریضہ کے سرانجام دینے پر انعامات کا ملنا سو فیصد اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، کیونکہ اس فریضے کی ادائیگی تو ہم پر لازم تھی، اس کے پورا کرنے پر شاباش ملنا اور پھر اس پر بھی مستزاد، انعام کا ملنا (اور پھر انعام، دنیوی بھی اور اُخروی بھی) دوسرے لفظوں میں سمجھیے کہ مسلمان ہونے کے ناطے اس حکم کا پورا کرنا ہر حال میں لازم تھا، چاہے کوئی حوصلہ افزائی کرے یا نہ کرے، کوئی انعام دے یا نہ دے، لیکن اس کے باوجود کوئی اس پر انعام بھی دے تو پھر کیا ہی کہنے! اور انعام بھی ایسے کہ جن کے ہم بہر صورت محتاج ہیں، ہماری دنیوی واُخروی بہت بڑی ضرورت ان انعامات سے وابستہ ہے، ذیل میں چند انعامات کا صرف اشارہ نقل کیا جا رہا ہے،

☆......زکوٰۃ کی وجہ سے اجر وثواب سات سوگنا بڑھ جاتا ہے۔ ☆......زکوٰۃ کی وجہ سے ملنے والا اجر کبھی ختم ہونے والا نہیں، ہمیشہ باقی رہے گا۔ (الفاطر:30،29)

☆...... اللہ تعالیٰ کی رحمت ایسے افراد (زکوٰۃ ادا کرنے والوں) کا مقدر بن جاتی ہے۔ (الأعراف:156) ☆......کامیاب ہونے والوں کی جو صفات قرآنِ پاک میں گنوائی گئی ہیں، ان میں ایک صفت زکوٰۃ کی ادائیگی بھی ہے۔ (المؤمنین:4) ☆......زکوٰۃ ادا کرنا ایمان کی دلیل اور علامت ہے۔ (سنن ابن ماجہ) ☆......ایک حدیث شریف میں جنت کے داخلے کے پانچ اعمال گنوائے گئے ہیں، جن میں سے ایک زکوٰۃ کی ادائیگی بھی ہے۔ (سنن أبی داود) ☆......انسان کے مال کی پاکی کا ذریعہ زکوٰۃ ہے۔ (مسند أحمد)

اوپر جو فضائل ذکر کیے گئے ہیں وہ ہر قسم کی زکوٰۃ سے متعلق ہیں، چاہے وہ "زکوٰۃ" سونے چاندی کی

ہو، یا تجارتی سامان کی، عشر ہو یا جانوروں کی ۔فریضہ زکوٰۃ کی ادائیگی پر جہاں من جانب اللہ انعامات وفوائد ہیں وہاں اس فریضہ کی ادائیگی میں غفلت برتنے والے کے لئے قرآن ِ پاک اوراحادیث ِمبارکہ میں وعیدیں بھی وارد ہوئیں ہیں، اور دنیا وآخرت میں ایسے شخص کے اوپر آنے والے وبال کا ذکر بکثرت کیا گیا ہے، ذیل میں ان میں سے کچھ ذکر کئے جاتے ہیں: ☆......جولوگ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اُن کے مال کو جہنم کی آگ میں گرم کرکے اِس سے اُن کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا۔(سورۃ توبہ: 35،34) ☆......ایسے شخص کے مال کو طوق بنا کے اُس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا۔(سورۃ آل عمران: 180) ☆......ایسا مال آخرت میں اُس کے کسی کام نہ آسکے گا۔(سورۃ البقرۃ: 254) ☆......ایسے شخص کا مال قیامت والے دن ایسے زہریلے ناگ کی شکل میں آئے گا، جس کے سر کے بال جھڑ چکے ہوں گے، اوراس کی آنکھوں کے اوپر دو سفید نقطے ہوں گے، پھر وہ سانپ اُس کے گلے کا طوق بنا دیا جائے گا، پھر وہ اس کی دونوں باچھیں پکڑے گا(اور کاٹے گا) اور کہے گا کہ میں تیرا وہ مال ہوں، میں تیرا جمع کیا ہوا خزانہ ہوں۔(صحیح البخاري، کتاب الزکوٰۃ، باب اِثم مانع الزکوٰۃ) ☆...... مرتے وقت ایسا شخص زکوٰۃ ادا کرنے کی تمنا کرے گا لیکن اس کے لئے سوائے حسرت کے اور کچھ نہ ہو گا۔(سورۃ المنافقون:10۔صحیح البخاری، کتاب الزکوٰۃ،)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”کہ میں تین چیزوں پر قسم اٹھاتا ہوں اور تمہیں ایک اہم خاص بات بتاتا ہوں، تم اسے یاد رکھنا۔ارشاد فرمایا: کہ کسی بندے کا مال زکوٰۃ (وصدقہ) سے کم نہیں ہوتا، جس بندے پر بھی ظلم کیا جاتا ہے اور وہ اس پر صبر کرتا ہے، تو اللہ تعالی اس کی عزت میں اضافہ فرماتے ہیں۔اور جو بندہ بھی سوال کا دروازہ کھولتا ہے تو اللہ تعالی اس پر فقر اور تنگ دستی کا دروازہ کھول دیتے ہیں“، یا ”نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح کا کوئی جملہ ارشاد فرمایا“۔اور میں محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں ایک اور خاص بات بتاتا ہوں، سو تم اسے یاد رکھنا، ارشاد فرمایا: ”دنیا تو چار قسم کے افراد کے لیے ہے:

ایک اس بندے کے لیے جس کو اللہ تعالیٰ نے مال اور دین کا علم، دونوں نعمتیں عطا فرمائیں، تو وہ

اس معاملہ میں اپنے رب سے ڈرتا ہے (اس طرح کہ اس مال کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں استعمال نہیں کرتا اور علمِ دین سے فائدہ اٹھاتا ہے) اور اس علمِ دین اور مال کی روشنی میں رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرتا ہے اور اس (مال) میں اللہ تعالیٰ کے حق کو پہچانتا ہے۔ (مثلاً: مال کو اللہ تعالیٰ کے لیے وقف کرتا ہے، اور دینی علم سے دوسروں کو تبلیغ، تدریس اور افتاء وغیرہ کے ذریعے سے فائدہ پہنچاتا ہے) تو یہ شخص درجات کے اعتبار سے چاروں سے افضل ہے۔

دوسرے اس بندے کے لیے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے علم کی نعمت تو عطا فرمائی لیکن مال عطا نہیں فرمایا، لیکن وہ نیت کا سچا ہے اور کہتا ہے کہ اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں فلاں آدمی کی طرح عمل کرتا (جو کہ رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرتا ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کے حق کو سمجھ کر عمل کرتا ہے) تو یہ شخص اپنی نیت کے مطابق صلہ پاتا ہے اور اس شخص کا اور اس سے پہلے شخص کا ثواب برابر ہے۔

تیسرے اس بندے کے لیے ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مال کی نعمت عطا فرمائی، لیکن علم کی نعمت عطا نہیں فرمائی، تو وہ علم کے بغیر اپنے مال کو خرچ کرنے میں اپنے رب سے نہیں ڈرتا، اور نہ ہی اس مال سے صلہ رحمی کرتا ہے اور نہ ہی اس مال میں اللہ تعالیٰ کے حق کو سمجھتا ہے، تو درجات میں یہ سب سے بدتر بندہ ہے۔

چوتھے اس بندے کے لیے ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے نہ تو مال کی نعمت عطا فرمائی اور نہ علم کی، تو وہ کہتا ہے کہ اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں بھی اس مال کے سلسلے میں فلاں بندے کی طرح عمل کرتا (جو اپنے مال کے خرچ کرنے میں اللہ سے نہیں ڈرتا اور نہ ہی صلہ رحمی کرتا ہے اور نہ ہی مال میں اللہ تعالیٰ کے حق کو سمجھتا ہے) سو یہ بندہ اپنی نیت کے مطابق صلہ پاتا ہے پس اسکا گناہ اور وبال اس پہلے شخص کے گناہ اور وبال کے مطابق ہی ہوتا ہے"۔ متعلق مندرجہ بالا مضمون صرف مسئلہ زکوٰۃ سے مناسبت پیدا کرنے کے لیے ہے، اس کے علاوہ زکوٰۃ کے متعلق مسائل ہوں تو اپنے قریبی مستند دارالافتاء سے رابطہ کر کے پوچھ لیے جائیں۔

جمعۃ الوداع اور قضاء عمری

اللہ تعالیٰ کو نماز سے زیادہ کوئی عبادت پسند نہیں اور اسی واسطے کسی عبادت کی اس قدر سخت تاکید اور فضیلت شریعت میں وارد نہیں ہوئی اور اسی وجہ سے پروردگارِ عالم نے اس عبادت کو اپنے ان غیر متناہی نعمتوں کے ادائے شکر کیلئے جن کا سلسلہ ابتدائی پیدائش سے آخر وقت تک بلکہ موت کے بعد اور قبل پیدائش بھی منقطع نہیں ہوتا۔ ہر دن میں پانچ وقت مقرر فرمایا ہے اور جمعہ کے دن چونکہ تمام دنوں سے زیادہ نعمتیں فائز ہوئی ہیں حتیٰ کہ حضرت آدم علیہ السلام جو انسانی نسل کیلئے اصل اول ہیں اسی دن پیدا کئے گئے لہٰذا اس دن ایک خاص نماز کا حکم ہوا۔ شریعت نے ہفتے میں ایک دن ایسا مقرر فرمایا جس میں مختلف محلوں اور گاؤں کے مسلمان آپس میں جمع ہو کر اس عبادت کو ادا کریں اور چونکہ جمعہ کا دن تمام دنوں میں افضل و اشرف تھا لہٰذا یہ تخصیص اسی دن کیلئے کی گئی۔ جمعۃ الوداع رمضان کے آخری جمعہ کے بارے میں بعض لوگوں کے ذہنوں میں کچھ خاص تصورات ہیں جن کی اصلاح ضروری ہے۔ عام طور پر ہمارے معاشرے میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ آخری جمعہ جس کو "جمعۃ الوداع" بھی کہتے ہیں، یہ کوئی مستقل تہوار ہے اور اس کے کچھ خاص احکام ہیں، اس کی کوئی خاص عبادتیں ہیں جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تجویز فرمائی ہیں۔ اور لوگوں نے اس دن عبادت کرنے کے مختلف طریقے گھڑ رکھے ہیں۔ مثلاً جمعۃ الوداع کے دن اتنی رکعتیں نوافل پڑھنی چاہئیں اور ان رکعتوں میں فلاں فلاں سورتیں پڑھنی چاہئیں۔ اس قسم کی کوئی ہدایت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نہیں دی۔ جمعۃ الوداع بحیثیت جمعۃ الوداع کوئی تہوار نہیں، نہ اس کیلئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کوئی احکام الگ سے عطا فرمائے، نہ اس دن میں عبادت کا

کوئی خاص طریقہ بتلایا، نہ اس دن میں کسی خاص عمل کی تلقین فرمائی جو عام دنوں میں نہ کیا جاتا ہو۔ بلکہ یہ عام جمعوں کی طرح ایک جمعہ ہے۔ رمضان کا آخری جمعہ ہونے کی وجہ سے جمعۃ الوداع کی فضیلت سے انکار نہیں مگر ہر جمعہ خاص فضیلت رکھتا ہے۔ لوگوں کا خیال ہے کہ رمضان المبارک کے آخری جمعہ کو جمعہ کی نماز کے بعد چار رکعت ''قضائے عمری'' کی نیت سے پڑھنی چاہئیں اور اس طرح چار رکعت نماز پڑھنے سے تمام عمر کی قضا نمازیں معاف ہو جاتی ہیں۔ ان کے بارے میں طریقے بھی مختلف ہیں اور نظریات بھی علیحدہ علیحدہ ہیں۔ پہلا نظریہ: رمضان کے آخری جمعہ میں سری جہری نمازیں باجماعت اذان و اقامت کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ اس نیت سے کہ جو میری نمازیں چھوٹ چکی ہیں ان کی قضاء کرتا ہوں، گویا ایک فجر سے فجر کی تمام قضاء نمازوں کی ادائیگی ہو جائے گی، اس طرح باقی تمام نمازیں ظہر، عصر، مغرب اور عشاء قضاء نمازوں کا کفارہ بن جاتی ہیں۔ دوسرا نظریہ: لوگوں کو بلا کر چار رکعت نفل باجماعت پڑھی جاتی ہے تو یہ چار رکعت سابقہ قضاء شدہ تمام نمازوں کا کفارہ بن جاتی ہے۔ حوالے کے طور پر اس موضوع اور ضعیف حدیث کا سہارا لیا جاتا ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے:

جو شخص رمضان کے آخری جمعے میں دن رات کی پانچ فرض نمازیں پڑھ لے ان سے اس کے سال بھر کی جتنی نمازوں میں خلل رہا، ان سب کی قضا ہو جاتی ہے۔'' کسی شک کے بغیر موضوع (من گھڑت) ہے۔'' (الفوائد المجموعہ للشوکانی: ص 54 / 1) واللہ تعالی اعلم بالصواب رمضان شریف کے آخری جمعہ میں قضائے عمری کی دو رکعت پڑھنا ثابت نہیں ہے بلکہ یہ قبیح بدعت ہے۔ اس کے بارے میں جو روایات ہیں ان روایات کو محدثین قضاء عمری کا نام دیتے ہیں اور انہیں موضوع (من گھڑت) قرار دیتے ہیں۔ جو شخص رمضان کے آخری جمعے میں ایک فرض نماز قضا پڑھ لے تو ستر سال تک اس کی عمر میں جتنی نمازیں چھوٹی ہوں ان سب کی تلافی ہو جاتی ہے'' یہ روایت قطعی طور پر باطل ہے اس لیے کہ یہ حدیث اجماع کے خلاف ہے اجماع اس پر ہے کہ کوئی بھی عبادت سالہا سال کی چھوٹی ہوئی نمازوں کے قائم مقام نہیں ہو سکتی'' (الموضوعات الکبری: ص 352)

قرآن وسنت اور فقہائے کرامؒ کے اتفاق کی روشنی میں یہ بات شک وشبہ سے بالا تر ہے کہ جس مسلمان نے اپنی عمر کے ابتداء میں نمازیں اپنی غفلت یالاپرواہی کی وجہ سے نہ پڑھی ہوں اور بعد میں اسے تنبہ اور توبہ کی توفیق ہو،اس کے ذمے یہ ضروری ہے کہ اپنی چھوٹی ہوئی نمازوں کا محتاط حساب لگا کر انہیں ادا کرنے کی فکر کرے۔امام مالکؒ،امام احمدؒ اور امام شافعیؒ تینوں بزرگ اس بات پر متفق ہیں کہ اگر نمازیں کسی عذر کے بغیر چھوڑی ہیں تو تنبہ ہونے کے بعد اس کا فرض ہے کہ وہ ان نمازوں کی ادائیگی فوراً کرے،اور صرف ضروری حاجتوں کا وقت اس سے مستثنیٰ ہوگا،لیکن فقہاء حنفیہ نے کہا ہے کہ چونکہ انسان اپنی وسعت کی حد تک ہی کا مکلف ہے اس لئے قضا نماز پڑھنے میں اتنی تاخیر جائز ہے جو انسان کی معاشی اور دوسری حاجتوں کو پورا کرنے کے لئے درکار ہو۔چھوٹی ہوئی نمازوں کی قضا پڑھنے میں تاخیر جائز ہے، اگرچہ ان کو وجوب علی الفور ہوتا ہے،مگر عیال کیلئے معاش کے انتظام اور دوسری حاجتوں کے عذر کی وجہ سے تاخیر کی جاسکتی ہے۔لہٰذا ایسا شخص اپنے کام کرتا رہے اور فارغ ہونے کے بعد جتنی نمازیں پڑھ سکے،قضا کرتا رہے یہاں تک کہ تمام نمازیں پوری ہوجائیں۔

قضاء نمازوں کی آسان تدبیر یہ ہے کہ یہ نیت کرے کہ فجر کی جتنی نمازیں مجھ سے قضا رہ گئی ہیں ان میں سے پہلی ادا کرتا ہوں۔جب یہ ادا ہوجائے گی تو اگلی نماز پہلی بن جائے گی پھر اس کی ادائیگی بھی اسی طرح ہوگی۔اسی طرح ظہر،عصر،مغرب،عشاء اور وتروں کی ادائیگی میں نیت کی جائے۔ایک دن میں بہت سی نمازیں پڑھنا مشکل ہے تو اس کی آسان تدبیر یہ ہے کہ ایک دن کی قضا رکعتوں کی کل تعداد بیس ہوتی ہے۔فجر کی دو،ظہر کی چار،عصر کی چار،مغرب کی تین،عشاء کی چار اور تین وتر کل بیس رکعت ہیں جن کی ادائیگی کیلئے متوسط طریقہ پر کل بیس منٹ درکار ہیں جو چوبیس گھنٹے کا گویا صرف بہترواں حصہ ہے،اس لئے اگر صبح سے دوپہر تک یا عشاء کے بعد سے صبح تک کسی وقت بھی یہ بیس منٹ صرف کرلیں تو سب نمازیں ادا ہوجائیں۔دوسری تدبیر یہ ہے کہ ہر نماز سے قبل یا بعد میں جو وقت مکروہ نہ ہو ایک قضاء پڑھ لیں، سب آسانی سے ادا ہوجائیں گی قضا نمازیں سوائے تین اوقات یعنی طلوع شمس،عین زوال اور عین

غروب کے سب وقتوں میں جائز ہے۔ترتیب بے ترتیب سب ادا ہوسکتی ہے۔نیز قضا نماز فجر اور عصر کی نمازوں کے بعد بھی ادا کی جاسکتی ہے مگر خفیہ ہو کہ اوروں کو قضاء کا علم نہ ہو اس لئے کہ قضاء کرنا گناہ تھی اور گناہ کا اظہار بھی گناہ ہے۔نماز فجر اور عصر کے بعد ادا کرنے سے اظہار گناہ ہے اس لئے کہ ان دو وقتوں میں نفل مکروہ ہے، ہر شخص سمجھ جائے گا کہ قضاء پڑھ رہا ہے اس لئے خفیہ پڑھے، جبکہ مغرب اور عشاء کے بعد یہ بات نہیں ہے۔

دین اتباع کا نام ہے۔دین کی ساری بنیاد یہ ہے کہ کسی خاص عمل کا نام دین نہیں۔کسی خاص شوق کا نام دین نہیں۔دین نام اللہ ورسول ﷺ کی اتباع کا۔نبی کریم ﷺ جیسا کہیں ویسا کرنے کا نام دین ہے۔ان کو جو چیز پسند ہے،اس کو اختیار کرنے کا نام دین ہے۔اور اپنے آپ کو ان کے حوالے کر دینے کا نام دین ہے۔وہ جیسا کرا رہے ہیں وہی بہتر ہے۔یہ ساری بدعتیں جتنی رائج ہیں۔ان سب کی جڑ یہاں سے کٹتی ہے۔اگر یہ فہم دل میں پیدا ہو جائے کہ ہمارا شوق کچھ نہیں۔وہ جو حکم دیں اس پر عمل کرنا ہے۔بدعت کے معنی کیا ہیں؟ بدعت کے معنی یہ ہیں کہ ہم خود راستہ نکالیں گے کہ اللہ کو راضی کرنے کا کیا راستہ ہے؟ اللہ تعالیٰ سے نہیں پوچھیں گے۔

روزہ اور صبر

قرآن حکیم ہمیں مختلف انداز اور پیرایوں میں اللہ رب العزت کے ہاں صابرین کا مقام و مرتبہ اور ان کو ملنے والے اجر و ثواب کے بارے میں آگاہ کرتا ہے۔ صبر کیا ہے؟ اس کا عملی زندگی میں کہاں کہاں اور کس کس موقع پر اطلاق ہوتا ہے؟ بندہ مومن کے لیے اس ایمانی صفت سے متصف ہونا کیوں ناگزیر ہے؟ حضرت مفتی تقی عثمانی دامت برکاتہم "آسان ترجمۂ قرآن" میں رقم طراز ہیں: "صبر کا مطلب یہ نہیں کہ انسان کسی تکلیف یا صدمے پر روئے نہیں۔ صدمے کی کسی بات پر رنج کرنا انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ اس لیے شریعت نے اس پر کوئی پابندی نہیں لگائی۔ جو رونا بے اختیار آجائے وہ بھی بے صبری میں داخل نہیں۔ البتہ صبر کا مطلب یہ ہے کہ صدمے کے باوجود اللہ تعالیٰ سے کوئی شکوہ نہ ہو۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر انسان عقلی طور پر راضی رہے۔" "صبر" کی اہمیت و حیثیت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا۔ ایک حدیث مبارکہ میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کو صبر کا مہینہ اور صبر کا بدلہ جنت بتلایا ہے۔ (مشکوٰۃ)

حضرات علمائے کرام صبر کی تین قسمیں بتلاتے ہیں۔ اول یہ کہ انسان نیکی اور بھلائی کے کاموں پر مستقیم رہے۔ جس نوعیت کا بھی کار خیر شروع کر رکھا ہے، اس کو پوری مستقل مزاجی، محنت اور لگن سے سرانجام دیتا رہے۔ دوسری قسم صبر کی یہ ہے کہ گناہوں، معصیتوں اور باری تعالیٰ کی سرکشیوں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کی جدوجہد کرے۔ یہ کوشش و کاوش بھی صبر کے مفہوم میں داخل و شامل ہے۔ صبر کا تیسرا اور آخری درجہ یہ ہے کہ بندہ اپنے اوپر آنے والے ناگہانی مصائب، بلیات اور حادثات پر برداشت، ضبط نفس اور حوصلہ کا مظاہرہ کرے۔ کسی بھی بیماری، دکھ، صدمے اور مشقت پر بے صبری کا

اظہار نہ ہو۔ بلکہ ایسے جاں گسل لمحات اور سانحات میں دل اور زبان پر قابو رکھے۔ کوئی بھی ایسا کلمہ جو تقدیر کے شکوے پر مبنی ہو، اس سے قلب ولسان کی حفاظت کرے۔

اس برکت وعظمت والے مہینے کو کیسے زیادہ سے زیادہ قیمتی، مؤثر اور مفید بنایا جاسکتا ہے؟ اس" ماہ فرقان" کی پرکیف ساعتوں کو کس طور پر قرآنی انوارات وبرکات سے فیض یاب کیا جاسکتا ہے؟ کیسے ہماری زندگی کے بقیہ گیارہ ماہ ایمانی سانچے میں ڈھل سکتے ہیں؟ ان سوالات کے جوابات پانے کے لیے ضروری اور لازمی ہے کہ ہم رمضان کریم کو ان قواعد اور اصول کے مطابق گزاریں، جن کا ذکر ہمیں جا بجا کتاب وسنت میں ملتا ہے۔ غور کیا جائے تو یہ بات نکھر کر سامنے آتی ہے کہ روزے کا مقصد فقط یہ نہیں کہ انسان ایک خاص وقت میں اپنے کھانے پینے اور بشری تقاضوں سے کنارہ کش ہو جائے، بلکہ اصل مقصود ومنتہی یہ ہے کہ انسانی قلب کا تزکیہ ہو، آدمی کا باطن معصیتوں کی آلودگی سے پاک صاف اور اس کے دل میں ایمان وتقویٰ کا نور داخل ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ رمضان کا مہینہ ہمیں اور آپ کو متذکرہ اقسام کے حصول کی عملی مشق وتمرین کا بھرپور موقع فراہم کرتا ہے۔ اس ماہ مبارک میں ہر فرد بشر زیادہ سے زیادہ افعال خیر کرنے کی جستجو میں لگا ہوتا ہے۔ عبادات وتلاوت، ذکر وتسبیحات، کثرت نوافل سمیت صدقات وخیرات کا ذوق وشوق پورے جوبن پر ہوتا ہے۔ ساتھ ساتھ ہر روزے دار اپنے نفس کو ظاہری وباطنی نافرمانیوں سے آلودہ کرنے سے بچانے کی سعی والتزام کرتا ہے۔ دن بھر کی بھوک پیاس، لوگوں کے نامناسب رویوں اور ناشائستہ طرز کلام کو برداشت کرکے ہمارے اندر ایثار، ہمدردی، غم خواری اور دوسرے کی فکر جیسے روحانی اوصاف نشوونما پاتے ہیں۔ رمضان رحمت، مغفرت اور جہنم سے خلاصی کا مہینہ ہے۔ اس مبارک مہینے کی برکتیں اور سعادتیں لامتناہی ہیں۔ رحمت حق قدم قدم پر بندوں کی طرف متوجہ ہوتی ہیں روٹھے ہوئے رب کو منانے، گزشتہ زندگی کی غفلتوں کی تلافی اور آئندہ کے لیے ایمانی زندگی گزارنے کا لائحہ عمل طے کرنے میں ماہ صیام اِکسیر کا درجہ رکھتا ہے۔

آج جب ہم اپنے گردوپیش پر سرسری نظر ڈالتے ہیں تو ہر متنفس نفسا نفسی، آپا دھاپی اور اپنا اپنی

کا اسیر و قیدی دکھائی دیتا ہے ۔جگہ جگہ جلد بازی ،عجلت اور تیزی کے مظاہر دیکھنے کو ملتے ہیں ۔ہمارے اجتماعی و انفرادی مزاجوں میں دوسروں کو برداشت کرنے کا حوصلہ،غیروں کی فکر کرنا اور صبر و قربانی جیسے اعلیٰ اسلامی اخلاق کی نایابی نظر آتی ہے ۔ضرورت اس بات کی ہے کہ موجودہ بابرکت اور ایمان افروز ساعتوں کو اس نیت اور عزم کے ساتھ گزارا جائے ،کہ ہمارے اندر بردباری ،قناعت ،نرم دلی ،ضبط اور تحمل جیسی بلند اور ایمانی عادات جگہ پا سکیں ۔کیوں کہ ایمان کے دو حصے بتلائے گئے ہیں ، آدھا شکر اور آدھا صبر ۔اللہ تعالیٰ ہمیں صبر کا خوگر بنائیں اور اپنے صابرین و شاکرین بندوں میں ہمارا شمار فرمائیں ۔آمین !

صدقۃ الفطر

شریعت اسلامی کا مزاج یہ ہے کہ جب بھی کوئی خوشی اور مسرت کا موقع آئے تو صرف امیروں کے گھروں ہی میں خوشی کا چراغ نہ جلے؛ بلکہ غریبوں اور ناداروں کے گھروں میں بھی اس کی روشنی پہنچے؛ اسی لئے خوش کے موقع پر سماج کے غریب افراد کو یاد رکھنے کی تلقین کی گئی ہے،اسی طرح عید الفطر کی خوشی میں غرباء کو شریک کرنے کے لئے صدقۃ الفطر کا نظام مقرر کیا گیا صدقہ فطر کیا ہے؟ فطر کے معنی روزہ کھولنے یا روزہ نہ رکھنے کے ہیں ۔شرعی اصطلاح میں اُس صدقہ کا نام صدقہ فطر ہے جو ماہِ رمضان کے ختم ہونے پر روزہ کھل جانے کی خوشی اور شکریہ کے طور پر ادا کیا جاتا ہے، نیز صدقہ فطر رمضان کی کوتاہیوں اور غلطیوں کا کفارہ بھی بنتا ہے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: صدقہ فطر روزہ دار کی بے کار بات اور فحش گوئی سے روزے کو پاک کرنے کے لئے اور مساکین کو کھانا کھلانے کے لئے مقرر کیا ہے ۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ! ﷺ نے مرد وعورت پر صدقۃ الفطر لازم کیا ہے، جو ایک صاع کھجور یا جَو ہونا چاہئے،(بخاری، حدیث نمبر: ۱۵۱۱)صحابہ اہتمام سے صدقۃ الفطر ادا کیا کرتے تھے،(بخاری، عن ابی سعید خدری، حدیث نمبر:۱۵۰۶) زکوٰۃ ہی کی طرح صدقۃ الفطر نکالنے کا حکم ہجرت کے دوسرے سال آیا،اس کا ایک مقصد غرباء کی مدد کرنا ہے اور دوسرا مقصد یہ ہے کہ روزوں میں جو کمی اور کوتاہی رہ گئی ہو، اِس صدقہ کے ذریعہ اس کی تلافی ہو جائے ۔

جس مرد یا عورت کی ملکیت میں ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی یا نقدی مال یا

تجارت کا سامان یا ضرورت سے زائد سامان میں سے کوئی ایک چیز یا ان پانچوں چیزوں کا یا بعض کا مجموعہ ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہو تو ایسے مرد وعورت پر صدقۃ الفطر ادا کرنا واجب ہے۔ یاد رہے کہ وہ اشیاء جو ضرورت وحاجت کی نہ ہوں بلکہ محض نمود ونمائش کی ہوں یا گھروں میں رکھی ہوئی ہوں اور سارا سال استعمال میں نہ آتی ہوں تو وہ بھی نصاب میں شامل ہوں گی۔ (بدائع الصنائع: ج2 ص،158) امام ابوحنیفہؒ کی رائے کے مطابق جو مسلمان اتنا مالدار ہو کہ ضروریات سے زائد اُس کے پاس اُتنی قیمت کا مال واسباب موجود ہو جتنی قیمت پر زکاۃ واجب ہوتی ہے تو اُس پر عید الفطر کے دن صدقۂ فطر واجب ہوگا، چاہے وہ مال واسباب تجارت کے لئے ہو یا نہ ہو، چاہے اُس پر سال گزرے یا نہیں۔ غرضیکہ صدقۂ فطر کے وجوب کے لئے زکاۃ کے فرض ہونے کی تمام شرائط کا پایا جانا ضروری نہیں ہے۔ دیگر علماء کے نزدیک صدقۂ فطر کے وجوب کے لئے نصاب زکاۃ کا مالک ہونا بھی شرط نہیں ہے یعنی جس کے پاس ایک دن اور ایک رات سے زائد کی خوراک اپنے اور زیر کفالت لوگوں کے لئے ہو تو وہ اپنی طرف سے اور اپنے اہل وعیال کی طرف سے صدقۂ فطر ادا کرے۔ صدقۂ فطر کی ادائیگی کا اصل وقت عید الفطر کے دن نماز عید سے پہلے ہے، البتہ رمضان کے آخر میں کسی بھی وقت ادا کیا جاسکتا ہے۔ (نور الانوار: ص56) نمازِ عید الفطر کی ادائیگی تک صدقۂ فطر ادا نہ کرنے کی صورت میں نمازِ عید کے بعد بھی قضا کے طور پر دے سکتے ہیں لیکن اتنی تاخیر کرنا بالکل مناسب نہیں ہے کیونکہ اِس سے صدقۂ فطر کا مقصود ومطلوب ہی فوت ہو جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کے الفاظ ہیں کہ جس نے اسے نماز عید سے پہلے ادا کردیا تو یہ قابل قبول زکاۃ (صدقۂ فطر) ہوگی اور جس نے نماز کے بعد اسے ادا کیا تو وہ صرف صدقات میں سے ایک صدقہ ہی ہے۔ (ابوداود ح ١٦٠٦) لہذا نماز عید سے قبل ہی صدقۂ فطر ادا کریں۔

صدقۃ الفطر ہر اس شخص کی طرف سے ادا کرنا واجب ہے، جو عید الفطر کی صبح میں موجود ہو، اگر اسی شب کو بچہ پیدا ہو تو اس کا بھی صدقۃ الفطر واجب ہے- صدقۃ الفطر کے مصارف تقریباً وہی ہیں جو زکوٰۃ کے مصارف ہیں، جن لوگوں کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی، ان کو صدقۃ الفطر بھی نہیں دیا جاسکتا ہے؛ البتہ زکوٰۃ تو غیر

مسلم کو نہیں دی جاسکتی، صدقۃ الفطر ان کو بھی دیا جاسکتا ہے، (بدائع الصنائع: ۲/ ۴۹، کتاب الزکوٰۃ، فصل الذی یرجع إلی المؤدی إلیہ) صدقہ فطر کھجور، کشمش یا جَو کی صورت میں دیا جائے تو ایک صاع کی مقدار دینا چاہیے اور گندم کی صورت میں دیں تو نصف صاع دیا جائے گا۔ (الاختیار لتعلیل المختار: ج 1 ص 123، 124 باب صدقۃ الفطر) ایک صاع کی مقدار ساڑھے تین سیر اور نصف صاع کی مقدار پونے دو سیر ہے۔ (اوزانِ شرعیہ از مفتی محمد شفیع: ص 34، 38 ملخصاً) 1: صدقۂ فطر کے مستحق ایسے غریب حضرات ہیں جن کو زکوٰۃ دی جاتی ہے۔ (الدر المختار: ج 3 ص 379 باب صدقۃ الفطر) 2: صدقۂ فطر ماں، باپ، دادا، دادی، نانا، نانی اسی طرح بیٹا بیٹی، پوتا پوتی اور نواسا نواسی کو دینا درست نہیں ہے۔ ایسے ہی بیوی شوہر کو اور شوہر بیوی کو اپنا صدقۂ فطر نہیں دے سکتا۔ (تحفۃ الفقہاء: ج 1 ص 303 باب من یوضع فیہ الصدقۃ) 3: ان رشتہ داروں کے علاوہ مثلاً بھائی بہن، بھتیجا بھتیجی، بھانجا بھانجی، چچا چچی، پھوپا پھوپی، خالہ خالو، ماموں ممانی، سسر ساس، سالہ بہنوئی، سوتیلی ماں سوتیلا باپ ان سب کو صدقۂ فطر دینا درست ہے بشرطیکہ یہ غریب اور مستحق ہوں۔ (البحر الرائق: ج 2 ص 425 کتاب الزکوٰۃ- باب مصرف الزکوٰۃ) رسول اللہ! ﷺ نے جیسے گیہوں کو صدقۃ الفطر کا معیار مقرر کیا ہے، اسی طرح جو، کھجور، کشمش اور پنیر کو بھی صدقۃ الفطر کے لئے معیار بنایا ہے، (بخاری، حدیث نمبر: ۱۵۰۶) جن لوگوں پر صدقۃ الفطر واجب ہے، ان میں جو بڑے تاجر اور اصحابِ ثروت ہیں، ان کو کھجور اور کشمش کی قیمت سے صدقۃ الفطر ادا کرنا چاہئے، جو لوگ معاشی لحاظ سے ان سے کم درجے کے ہوں، ان کو پونے دو کیلو کے بجائے ساڑھے تین کیلو گیہوں کے لحاظ سے صدقۃ الفطر ادا کرنا چاہئے؛ تاکہ تمام حدیثوں پر عمل ہو جائے، اور جو معاشی اعتبار سے اُن سے بھی کم درجہ کے ہوں، وہ پونے دو کیلو گیہوں کے لحاظ سے صدقۃ الفطر ادا کریں، اس میں غرباء کا فائدہ ہے اور اس طرح رسول اللہ کی تمام سنتوں پر عمل ہو جائے گا۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ، حضرت امام بخاریؒ، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ، حضرت حسن بصریؒ، اور علماء احناف نے تحریر کیا ہے کہ غلہ و اناج کی قیمت بھی صدقۂ فطر میں دی جاسکتی ہے۔ زمانہ کی ضرورت کو دیکھتے ہوئے اب تقریباً تمام ہی مکاتبِ فکر کا اتفاق ہے کہ عصر حاضر میں غلہ و اناج کے بدلے

قیمت بھی دی جاسکتی ہے۔

لیلۃ الجائزہ، انعام کی رات

رمضان المبارک کے بابرکت اور مقدس مہینے کے اختتام پر آنے والی رات ''لیلۃ الجائزہ جوکہ چاند رات کے نام سے معروف ہے، خصوصی برکتوں، رحمتوں، بخشش و مغفرت اور نہایت فضیلت کی حامل ہے، حدیث مبارکہ میں اس رات یعنی شب عید کو''لیلۃ الجائزہ'' (انعام کی رات) سے پکارا گیا ہے، جس میں ایمان و احتساب کے ساتھ ثواب کی نیت سے عبادت کرنے والوں کے لیے بڑی سعادتیں اور خوش خبریاں ہیں کہ جو اس ماہِ مبارک میں اپنی عبادات اور روزوں سے اس ماہ مقدس کی برکات وفضائل سے فیض یاب ہوئے۔ اللہ کی رحمت اور مغفرت کو اپنے لیے برحق بنایا۔ جہنم سے خلاصی کا پروانہ حاصل کیا اور یوں اللہ تعالیٰ کی تجلیات، انوارات اور انعامات کے حق دار ٹھہرے۔ ''لیلۃ الجائزہ'' پر فرشتوں میں بھی خوشی کی دھوم مچی ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ ان پر تجلی فرما کر دریافت فرماتا ہے: ''اس مزدور کی اجرت کیا ہے؟ جس نے اپنی مزدوری پوری کرلی؟ تو فرشتے عرض کرتے ہیں کہ اسے پوری پوری جزا اور اُجرت ملنی چاہیے۔ اس پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اے فرشتو! تم گواہ رہو، میں نے امتِ محمدیہ ﷺ کے روزے داروں کو اجرت دے دی، یعنی روزے داروں کو بخش دیا۔ احادیثِ مبارکہ میں بھی شب عید (لیلۃ الجائزہ) کی بڑی فضیلت آئی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے جو شخص ثواب کی نیت کر کے دونوں عید الفطر اور عید الاضحی میں جاگے اور عبادت میں مشغول رہے اس کا دل اس دن نہ مرے گا جس دن سب کے دل مر جائیں

گے یعنی فتنہ وفساد کے وقت اور قیامت کے ہولناک اور دہشت ناک دن میں محفوظ رہے گا۔(ابن ماجہ) ایک اور حدیث مبارکہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''جو شخص پانچ راتوں میں (عبادت کے لئے) جاگا۔ اس کے واسطے جنت واجب ہو جائے گی (وہ پانچ راتیں یہ ہیں۔(1) لیلۃ الترویہ (8 ذی الحجہ کی رات)۔(2) لیلۃ العرفہ (عرفہ 9 ذی الحجہ کی رات)۔(3) لیلہ النحر (10 ذی الحج، عید الاضحیٰ کی رات)۔(4) لیلۃ الجائزہ (عید الفطر کی رات)۔(5) شب برأت (پندرہویں شعبان کی رات) (ترغیب وترہیب)۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے 'ما ثبت بالسنۃ' میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ پانچ راتیں دعا کی قبولیت کی ہیں۔ 1. شب جمعہ، 2. شب عید الفطر، 3. شب عید الاضحیٰ، 4. رجب کی پہلی شب، 5. شعبان کی پندرہویں شب۔

چاند رات جسے ہم لہو ولعب، کھیل کود اور عید کی شاپنگ اور خریداری وغیرہ جیسے کاموں میں گزار دیتے ہیں اپنے اندر بے پناہ فضائل وانعامات اور بے شمار فوائد و برکات سموئے ہوئے ہے۔ اس رات میں ایمان اور ثواب کی نیت سے اللہ تعالیٰ کے سامنے عبادت کے لئے کھڑا ہونا، کلام الٰہی کی تلاوت کرنا، ذکر و تسبیحات اور کثرت سے استغفار کرنا اور رات کی تاریکی میں اپنے رحیم و کریم مالک سے راز و نیاز کرنا اس رات کے فضائل اور آداب میں سے ہے۔ مگر اکثر لوگ اس سے غافل ہیں اور یوں اس رات سے محروم رہتے ہیں ذرا سوچیے! اگر ایک مزدور کام کرنے کے بعد مالک سے اپنی اجرت نہ لے تو کون اسے عقلمند کہے گا؟ اس عظمت و فضیلت کی رات کو جو اللہ تعالی کی طرف سے امت محمدیہ کے لیے ایک خصوصی تحفہ ہے اس کے بابرکت لمحات کو خرافات میں ضائع کرنے کے بجائے اللہ کے ذکر و اذکار نوافل توبہ اور کثرت سے مغفرت مانگئے جو خطائیں یا کمی کوتاہی رہ گئی ہے اللہ رب العزت معاف فرما دے۔ اس رات میں اپنے رب کو راضی کیجیے اپنی محنت اپنی اجرت وصول کیجیے۔ شب بیداری کے لیے کوئی خاص طریقہ اور کوئی خاص عبادت مقرر نہیں ہے، بلکہ اپنی طبعیت کے مطابق جس طرح بھی آسانی سے ہو سکے عبادت کر لینی چاہیے۔ لہٰذا پوری کوشش کریں کہ یہ مبارک رات کسی قیمت خرافات کی نظر ہو کر ضائع نہ ہونے پائے۔ ہم

نے مہینے بھر رب کریم کے ساتھ جو تعلق استوار کرنے کی سعی و جہد کی اسے اللہ تعالیٰ سے معافی بخشش مغفرت اور جہنم سے آزادی کے پروانے حاصل کرنے میں مصروف کریں کہیں ایسا نہ ہو کہ مہینے بھر کی ہماری محنت اور جدو جہد جو کہ ہم نے اپنے رب سے اپنے ٹوٹے ہوئے رشتے کو استوار کرنے میں صرف کی اور اب جبکہ ہمارا رب ہم سے راضی ہو رہا ہے اپنے مومن بندوں اور بندیوں پر انعامات کی بارش برسانے والا ہے ہمارے کسی معمولی نافرمانی والے عمل سے ضائع ہو جائے ۔لہٰذا شب عیدالفطر کو اللہ تعالیٰ سے اس کی عافیت و سلامتی ،مغفرت اور رحمت طلب کرتے ہوئے خوب یاد الٰہی میں گذارنا چاہئے اور نفس امارہ کو شکست دے کر اپنے رب کو راضی کیجئے کہ یہی متاع حیات اور آخرت کی منزلوں کا سب سے عمدہ زادراہ ہے ۔عیدالفطر کا روز سعید اسی انعام واعزاز اور جائزے کی تکمیل کا دن ہے ۔رحمتوں والا مہینہ ختم ہوا اور اب چاند رات ہے، چاند رات دراصل انعام والی رات ،اجرت والی رات ہے پورے ماہ کی محنت کا صبر کا ثمر ،خصوصی برکتوں، رحمتوں، بخشش و مغفرت اور نہایت فضیلت والی ہے ۔جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ اس ماہ مبارک کی تمام راتوں سے زیادہ سخی اور فیاض ہو کر اپنے بندوں کی مغفرت فرماتا ہے ۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ رمضان میں روزانہ افطار کے وقت ایسے دس لاکھ آدمیوں کو جہنم سے نجات عطا فرماتے ہیں جو جہنم کے مستحق ہو چکے تھے اور جب رمضان کا آخری دن ہوتا ہے تو یکم رمضان سے آج تک جتنے لوگ جہنم سے آزاد ہوئے تھے انکے برابر اس آخری دن میں آزاد فرماتے ہیں ۔(ابن حبان ،بیہقی بحوالہ فضائل رمضان، صفحہ 56)

عیدین کی نماز کا طریقہ اور اس کی سنتیں

عید کی سنتیں : ☆...... شریعت کے مطابق اپنی ارائش کرنا☆...... غسل کرنا☆...... مسواک کرنا☆...... جو بہتر کپڑے اپنے پاس موجود ہوں وہ پہنا☆...... خوشبو لگانا☆...... صبح سویرے اُٹھنا☆...... عیدگاہ میں سویرے پہنچنا☆...... عیدالفطر میں صبح صادق کے بعد عیدگاہ میں جانے سے پہلے کوئی میٹھی چیز کھانا☆...... عیدالفطر میں عیدگاہ جانے سے پہلے صدقہ فطرادا کرنا☆...... عید کی نماز (مسجد کی بجائے) عیدگاہ یا کھلے میدان میں پڑھنا☆...... ایک راستہ سے عیدگاہ میں جانا اور دوسرے راستہ سے واپس آنا☆...... عیدالفطر کے دِن عیدگاہ کی طرف جاتے ہوئے راستہ میں اَللّٰہُ اَکۡبَرۡ اَللّٰہُ اَکۡبَرۡ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکۡبَرۡ اَللّٰہُ اَکۡبَرۡ وَلِلّٰہِ الۡحَمۡد آہستہ آہستہ کہتے ہوئے عیدگاہ کی طرف جانا اور عیدالاضحی کے دِن بلند آواز سے کہتے ہوئے جانا

(۱۳) سواری کے بغیر پیدل عیدگاہ میں جانا اگر عیدگاہ زیادہ دور ہو یا کمزوری کے باعث عذر ہو تو سواری میں مضائقہ نہیں۔ (مراقی الفلاح ص ۳۱۸)

عیدین کی نماز کا طریقہ

نماز عیدالفطر کی نیت کے عربی الفاظ یہ ہیں

نَوَیۡتُ اَنۡ اُصَلِّیَ رَکۡعَتَیِ الۡوَاجِبِ صَلٰوۃَ عِیۡدِ الۡفِطۡرِ مَعَ سِتِّ تَکۡبِیۡرَاتٍ وَّاجِبٰتٍ

اردو میں یوں کہے: ” میں نے نیت کی کہ دو رکعت واجب نماز عیدالفطر چھ واجب تکبیروں کے ساتھ

پڑھوں"

واجب کا لفظ کہنا شرط نہیں لیکن بہتر ہے، امام اور مقتدی یہ نیت کر کے تکبیر تحریمہ کہہ کر بدستور ہاتھ باندھ لیں اور ثنا (سبحانک الھم) پڑھیں پھر دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھاتے ہوئے اللہ اکبر کہیں اور ہاتھ لٹکتے ہوئے چھوڑ دیں اسی طرح تین مرتبہ کہیں لیکن تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ نہ لٹکائیں بلکہ حسب دستور ناف پر باندھ لیں، امام ان تینوں تکبیروں میں تین مرتبہ سبحان اللہ کہنے کی مقدار یا حسب ضرورت زیادہ وقفہ کرے پھر امام اعوذ و بسم اللہ آہستہ پڑھ کر الحمد شریف اور کوئی سو بلند آواز سے پڑھے مستحب یہ ہے کہ سورت الاعلیٰ پڑھے اور مقتدی خاموش رہیں پھر رکوع و سجود کریں اور جب دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہو جائیں تو امام پہلے الحمد وسورۃ کی قرآت جہر سے کرے بہتر یہ ہے کہ سورۃ الغاشیہ پڑھے اور مقتدی خاموش رہیں قرآت ختم کرنے کے بعد رکوع میں جانے سے پہلے تین مرتبہ زائد تکبیریں پہلی رکعت کی طرح کہے، اب تیسری تکبیر پر بھی ہاتھ چھوڑ دیں پھر بغیر ہاتھ اٹھائے چوتھی تکبیر کہہ کر رکوع میں جائیں اور دستور کے موافق نماز پوری کر لیں خلاصہ یہ ہے کہ عیدین کی نماز میں چھ تکبیریں کہنا واجب ہے تین تکبیریں پہلی رکعت میں تحریمہ وثنا کے بعد تعوذ و بسم اللہ والحمد سے پہلے اور تین تکبیریں دوسری رکعت میں الحمد وقرآت سورۃ کے بعد رکوع میں جانے سے پہلے کہے یہی افضل واولیٰ ہے۔

رمضان کے بعد زندگی کیسے گذاریں (1)

رمضان المبارک بڑی تیزی سے ہمارے درمیان سے رخصت بھی ہوگیا۔ یہ مہینہ ایک مسلمان کو ایمانی اور عملی طور پر عروج اور بلندی عطا کرتا ہے۔ ان میں وہ یقین اور ایمان پیدا کرتا ہے جو مسلمانوں کا عظیم سرمایہ ہے اور جو اسلام میں مطلوب اور مقصود ہے۔ عملی طور پر بھی ان میں وہ اسپرٹ پیدا کی جاتی ہے کہ اگر رمضان کے بعد بھی اسی رفتار سے سفر جاری رکھا جائے تو آخرت کی منزل آسان ہو جائیگی اور ہمیشہ ہمیش کی زندگی میں وہ راحت نصیب ہوگی جس کا آج تصور بھی نہیں کیا جاسکتا لیکن یہ ہمارا المیہ ہے کہ رمضان المبارک میں جو عمل کیا جاتا ہے اس کی رفتار بعد میں سست پڑ جاتی ہے۔ حالانکہ یہ بندوں پر اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کا فضل اور رحمت ہے، ہمیں اللہ رب العزت کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ رمضان المبارک جیسا بابرکت مہینہ عطا کیا اور اس کے بعد کی زندگی سے مالا مال کیا، ورنہ کتنے ہی لوگ رمضان میں اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے، کتنے ہی ایسے ہیں جو رمضان کے بعد چل دیے، مگر ہم ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی استحقاق کے زندگی عطا کی۔ یہ زندگی عیش وعشرت اور وقت گزاری کے لیے نہیں ہے، بلکہ یہ زندگی موت کے بعد کی زندگی کی تیاری کے لیے ہے۔ اب ہمیں غور کرنا چاہیے کہ ہم نے اس ہمیشہ رہنے والی زندگی کے لیے کیا تیاری کی ہے؟ کیا صرف رمضان المبارک میں قرآن کی کثرت تلاوت اور نماز کا اہتمام ہماری نجات کے لیے کافی ہے؟ یا اس طویل زندگی کے لیے طویل جدو جہد لازم ہے؟ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا دستور یہ رہا ہے کہ انسان جتنی محنت کرے گا اسی کے بقدر اجر حاصل کرے گا، مگر افسوس ہم مسلمانوں پر!...... دشمنان اسلام اور اعدائے دین

کے جالوں میں ہم ایسے پھنس گئے کہ الا مان والحفیظ!! دنیاداری اور آخرت فراموشی ہمارے معاشر ے میں عام ہے۔ غرض کہ ہمارا معاشرہ سال کا اکثر حصہ عبادات اور سنتوں سے اعراض کے ساتھ گزارتا ہے، نہ نماز، نہ سنن موٴکدہ کا اہتمام، نہ دیگر شرعی احکامات پر عمل درآمد۔ البتہ رمضان المبارک میں ایک طبقہ قدرے غیر رمضان کے مقابلے میں اسلامی احکامات کی طرف متوجہ ہوتا ہے، مگر رمضان المبارک کے بعد پھر وہی روش، جیسے ہی عید کا چاند نظر آتا ہے فوراً شریعت کی مخالفت شروع ہو جاتی ہے، بہت سے وہ لوگ جو رمضان میں نماز کے پابند تھے عشا کی نماز ہی سے ترک صلوٰۃ کا آغاز کر دیتے ہیں اور بس پھر پو چھنا ہی کیا عید کے لیے فضول خرچی اور زیب وزینت کی لیے شرعی احکامات کی پامالی تو گویا ہمارے معاشرہ کا معمول بن چکا ہے۔

جو شخص موت کے بعد کی زندگی پر یقین رکھتا ہو اور اس کا ایمان ہو کہ یہ دنیا دائمی نہیں، بلکہ عارضی ہے اور آخرت کی تیاری کے لیے ہے، یہاں جیسا بویا جائے گا ویسا کل قیامت کے دن کاٹا جائے گا تو وہ اس کی تیاری میں مشغول ہو جاتا ہے اور وہ ہمیشہ کی زندگی ہے، لہٰذا اس کی تیاری بھی ویسی ہی کرنا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے رمضان المبارک کے روزوں کو فرض کرنے کی حکمت تقویٰ کے ساتھ متصف ہونا بیان کیا ہے یعنی انسان کا دل، سوچ، سمجھ، انداز اور اخلاق و کردار سب کچھ اس طرح بدل جائیں کہ رمضان کے بعد ایک نئی اور صالح زندگی کا حامل بن جائے اور زندگی میں ایک طرح کا انقلاب برپا ہو جائے کہ اگر وہ رمضان سے قبل سودی معاملات کا کاروبار کرتا تھا تو اب وہ توبہ کرلے اور اس کی طرف مڑ کر بھی نہ دیکھے۔ خدانخواستہ اگر وہ شراب نوشی میں ملوث تھا تو اب اس سے نفرت پیدا ہو جائے۔ دھوکہ دہی، کذب بیانی، ظلم وزیادتی، حسد، غیبت اور دوسرے منکرات سے توبہ و استغفار کے ذریعے اپنے آپ کو پاک وصاف کرلے اور دوبارہ ایسی معصیت کا ارتکاب ہرگز نہ کرے فرائض ونوافل کا ایسا خوگر بن جائے کہ ان کے بغیر رات میں نیند آئے اور نہ دن میں چین وسکون کا احساس ہو۔ اگر یہ کیفیات دل میں پیدا ہو گئیں اور زندگی میں ایسا تغیر رونما ہو گیا تو سمجھنا چاہئے کہ رمضان کا مقصد حاصل ہوا اور اس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کو پالیا ورنہ بظاہر رمضان کا مہینہ ہم نے

پایااور کچھ اس سے حاصل کئے بغیر وہ ہم سے رخصت ہوگیا جو اہل ایمان کے لئے سب سے بڑی مایوسی کا ذریعہ اور محرومی کا سبب ہے۔ایک مسلمان کو حرام اور ممنوع عمل کرتے ہوے فوراً اس بات کی طرف ذہن کو لے جانا چاہئے کہ رمضان میں جس طرح ممنوعات سے رکے رہے اسی طرح غیر رمضان میں بھی مجھے تمام نا جائز کاموں سے رکنا چاہئے ایسا تو نہیں ہوسکتا کہ رمضان میں ہی رکنا میرے لئے ضروری تھا اور بعد میں نہیں۔جب بھی مقصد اپنے رب کو راضی کرنا تھا اور اب بھی وہی مقصد ہے، پھر حرام اور ممنوع چیزیں غیر رمضان میں کیسے جائز ہوسکتی ہیں؟ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مؤمن کی نشانی یہ ہوتی ہے کہ وہ خوب محنت مجاہدہ سے نیکی کرتا ہے مگر اللہ سے ڈرتا رہتا ہے اور منافق کی نشانی یہ ہے کہ وہ برائی کرکے بھی مطمئن رہتا ہے اور ڈرتا بھی نہیں ہے۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ جب رمضان المبارک کی آخری رات ہوتی تو آپ فرماتے ہائے کاش! مجھے معلوم ہوجائے کہ کون ہے وہ شخص جس کی رمضان المبارک میں عبادتیں قبول ہوئیں تو میں انہیں مبارک باد دیتا اور اگر مجھے معلوم ہوجائے کہ کون ہے جس کی عبادتیں قبول نہ ہوئیں اور وہ محروم رہا تو ہم اس کی تعزیت کرتے۔حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ آپ اختتام رمضان پر فرماتے: اے وہ شخص جس کی عبادتیں قبول ہوئیں، تجھے مبارک ہو اور وہ شخص جس کی عبادتیں مردہ یعنی قبول نہ ہوئیں اللہ تیرے نقصان کی تلافی کرے۔حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے دریافت کیا، رجب افضل یا شعبان؟ تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بندہ خدا شعبانی اور رجبی بن کر کیا فائدہ ربانی بن جا۔۔یعنی صرف رجب وشعبان کی فضیلت معلوم کرکے اسی میں عبادت مت کر بلکہ ربانی بن جا۔۔یعنی سرتاپا از شعور تا موت اللہ کا ہو کر اسی کا بن جا۔تاکہ کامیاب وبامراد ہوجائے۔

رمضان کے بعد زندگی کیسے گذاریں (2)

عمل کی قبولیت کی جو علامتیں علماء کرام نے قرآن وحدیث کی روشنی میں تحریر فرمائی ہیں ان میں سے ایک اہم علامت عمل صالح کے بعد دیگر اعمال صالحہ کی توفیق اور دوسری علامت اطاعت کے بعد اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی نہ کرنا۔ نیز ایک اہم علامت نیک عمل پر قائم رہنا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کو محبوب عمل وہ ہے جس میں مداومت یعنی پابندی ہو خواہ مقدار میں کم ہی کیوں نہ ہو۔ (بخاری ومسلم) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے متعلق سوال کیا گیا کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایام کو کسی خاص عمل کے لئے مخصوص فرمایا کرتے تھے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نہیں، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عمل میں مداومت (پابندی) فرماتے تھے۔ اگر کوئی ایسا کرسکتا ہے تو ضرور کرے۔ (مسلم) حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا: اے عبد اللہ! فلاں شخص کی طرح مت بنو جو راتوں کو قیام کرتا تھا لیکن اب چھوڑ دیا۔ (بخاری ومسلم) ہماری یہ زندگی موت کے بعد کی زندگی کی تیاری کے لیے ہے۔ اب ہمیں غور کرنا چاہیے کہ ہم نے اس ہمیشہ رہنے والی زندگی کے لیے کیا تیاری کی ہے؟ کیا صرف رمضان المبارک کے اعمال ہی ہمارے لئے کافی ہیں؟

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ایک دن آپ کعبہ کے سہارے کھڑے تھے، لوگوں نے آپ کو دیکھ لیا تو آپ کے ارد گرد جمع ہو گئے، آپ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور کہنے لگے اے لوگو! قریب ہو جاؤ ایک ایسے مشفق بھائی کی طرف، جو نصیحت کرنا چاہتا ہے۔ تو لوگ آپ کے ارد گرد جمع ہو گئے، آپ نے ارشاد

فرمایا کہ لوگو! کیا تم میں کوئی سفر کا ارادہ کرتا ہے، تو اپنے ساتھ سفر کے بقدر توشہ کا انتظام نہیں کرتا؟ اب ذرا غور کرو! ذرا آخرت کے سفر پر کہ وہ کتنا طویل ہے؟ لہٰذا دنیوی سفر کی طرح آخرت کے طویل سفر کی تیاری بھی ویسی ہی ہونی چاہیے۔ اہل کوفہ میں سے ایک شخص کھڑا ہوا اور دریافت کیا اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے جلیل القدر صحابی! ہمیں سفر آخرت کی تیاری کیسے کرنی چاہیے؟ تو گویا ہوئے: "بڑی بڑی نیکی کا عزم کرو، کیوں کہ مرنے کے بعد جو امور پیش آنے والے ہیں وہ بھی انتہائی عظیم وخطیر ہیں، یوم الحساب بہت طویل ہوگا، لہٰذا اس کے لیے شدید گرمیوں کے طویل ایام میں روزے رکھو، رات کی تاریکی میں کم از کم روزانہ دو رکعت ہی پڑھ لیا کرو، تاکہ قبر کی ظلمت اور تاریکی سے نجات پا سکو، بھلی بات کہو اور بری بات سے اجتناب کرو اور مسکین کو صدقہ دو، تاکہ قیامت کی سختی سے خلاصی حاصل کر سکو، دنیا میں صرف دو کاموں میں اپنا وقت صرف کرو، رزق حلال کے حصول میں اور آخرت کے لیے نیکی کرنے میں، اس کے علاوہ جو وقت بھی فضول یا گناہ میں خرچ کروگے اس سے نقصان ہی اٹھاؤ گے اور ثواب سے محروم رہوگے، جو کچھ دنیا میں کماؤ اسے یا تو اپنی اور اپنے اہل وعیال کی ضرورتوں میں خرچ کرو یا صدقہ خیرات میں۔ اس کے علاوہ میں خرچ کروگے تو نقصان اٹھاؤ گے اور نفع سے محروم رہوگے، اس کے بعد آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک لمبی سانس لی اور درد بھری آواز نکالی تو لوگوں نے پوچھا یہ کیا ہوگیا؟! تو جواب دیا ہمیں لمبی لمبی آرزوؤں نے غارت کر دیا، دنیا میں انسان کے لیے دو ہی زمانے ہیں، زمانۂ ماضی اور زمانۂ مستقبل، ماضی تو وہ جو ہاتھ سے نکل گیا اور باقی تو وہ تیرے ہاتھ میں ہے، اس میں بھی دھوکہ دہی کے امکانات زیادہ ہیں، اگر تو نے اپنے مستقبل کو نیکی میں مشغول کیا تو، تو کامیاب اور بامراد ہوگیا اور اگر تو اس کو برائی میں مشغول ہو کر گزارے گا تو میں نہیں سمجھتا ہوں کہ تجھ سے زیادہ محروم القسمت اور کوئی ہو، اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی نعمتوں سے مالا مال کرے اور نیکی اور کامیابی ہمارے لیے مقدر بنا دے۔"

یہ تھی حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کی اثر انگیز نصیحت، ایک بار نہیں، بار بار اسے پڑھیے اور اپنے حال پر رحم کیجیے اور رمضان کے بعد بھی نیکی کے سلسلے کو بدستور جاری رکھیے۔ صرف رمضان نہیں، ہماری پوری زندگی

رمضان کی طرح گذرنی چاہیے۔ذکروفکر،دعاومناجات،نماز کی پابندی،فرائض وواجبات کے اہتمام،قرآن کی تلاوت اوراس پرغوروفکراورعمل کے ساتھ ہرگھڑی گذرنی چاہیے۔اسلاف نے اپنے تجربات اورقرآن وحدیث کی تعلیمات کی روشنی میں یہ بات کہی ہے کہ ایک عمل صالح کے بعد دوسرے عمل صالح کی توفیق پہلے عمل صالح کی مقبولیت کی علامت ہے۔تو گویا جولوگ رمضان کے بعد بھی نماز،تلاوت،ذکرواذکاراوراستغفار کرتے رہتے ہیں،ان کی رمضان کی عبادت عنداللہ مقبول ہوچکی ہیں اور جوسب کچھ ترک کردے گویا اس کی مقبولیت مشکوک ہے۔کسی نیک کام پرمداومت کے لئے دعا کاالتزام،خاص طور پر یہ دعا"اللھم اعنّی علی ذکرک وشکرک وحسن عبادتک"اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کو بھی ہمیشہ اس دعا کو ہر فرض نماز کے بعد پڑھنے کی وصیت کی ہے خدارا!اپنے او پر رحم کرواور معصیت سے اجتناب کرکے رمضان میں جیسی زندگی گذاری ویسی ہی زندگی گذارنے کی مکمل کوشش کرو۔اللہ ہماری حفاظت فرمائے اوراپنی پناہ میں لے لے کہ ہم ان لوگوں میں سے نہ ہوں جوصرف رمضان میں اللہ کی عبادت اورگیارہ ماہ اللہ کی نافرمانی میں گذارتے ہیں۔یہ چندوہ اہم چیزیں ہیں جن کا رمضان کے بعد بھی اہتمام کرنا چاہئے درحقیقت یہی رمضان المبارک کی قدردانی اوراس کا پیغام ہے۔

شوال کے 6روزے سنت ہیں

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے رمضان کے بعد والے مہینہ یعنی شوال میں چھ نفلی روزے رکھے، تاکہ رمضان کے جاتے ہی عبادات واذ کار کا سلسلہ ختم نہ ہو جائے، اوران کا ثواب ایک سال کے روزوں کے برابر رکھا تاکہ انسان کی طبیعت اس کی طرف مائل ہو۔قرآن وسنت میں شوال کے 6 روزوں کے واجب ہونے کی کوئی دلیل موجود نہیں ۔اس وجہ سے امت مسلمہ کا اتفاق ہے کہ شوال کے یہ 6روزے فرض یا واجب نہیں بلکہ سنت ہیں ۔شوال کے ان 6روزوں کے سنت ہونے پر جمہور علماء کا اتفاق ہے ۔احادیثِ مبارکہ میں اس کی فضیلت وارد ہوئی ہے، چناں چہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی صحیح سند کے ساتھ حدیث کی مستند کتابوں میں موجود ہے: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے رمضان کے روزے رکھے اور پھر شوال کے چھ روزے رکھے تو یہ ہمیشہ (یعنی پورے سال) کے روزے شمار ہوں گے“۔(بخاری ،نسائی)اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآنِ کریم کے وعدہ کے مطابق ہر نیکی کا بدلہ کم از کم دس گنا ملتا ہے،گویا رمضان المبارک کے ایک ماہ کے روزے دس ماہ کے روزوں کے برابر ہوئے،اور شوال کے چھ روزے ساٹھ روزوں کے برابر ہوئے،جو دو ماہ کے مساوی ہیں،اس طرح رمضان کے ساتھ شوال کے روزے رکھنے والا گویا پورے سال روزہ رکھنے والا ہوجاتا ہے ۔شوال کے چھ روزے یکم شوال یعنی عید کے دن کو چھوڑ کر شوال کی دوسری تاریخ سے لے کر مہینہ کے آخر تک الگ الگ کرکے اور اکٹھے دونوں طرح رکھے جاسکتے ہیں ۔لہذا ان روزوں کا اہتمام کرنا چاہیے ۔البتہ اگر کوئی روزہ نہ رکھے تو اسے طعن وتشنیع کا نشانہ نہیں بنانا چاہیے، کیونکہ اسے رکھنے پر ثواب ہے اور نہ رکھنے پر کوئی مواخذہ نہیں ہے ۔پھر شوال کے چھ روزے رکھنے کے اہم فوائد میں یہ

شامل ہے کہ یہ روزے رمضان المبارک میں رکھے گئے روزوں کی کمی وبیشی اور نقص کو پورا کرتے ہیں اور اس کے عوض میں ہیں، کیونکہ روزہ دار سے کمی بیشی ہوجاتی ہے اور گناہ بھی سرزد ہوجاتا ہے۔اور روزقیامت فرائض میں پیدا شدہ نقص نوافل سے پورا کیا جائے گا، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے: (روزقیامت بندے کے اعمال میں سب سے پہلے نماز کا حساب ہوگا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارا رب عزوجل اپنے فرشتوں سے فرمائے گا حالانکہ وہ زیادہ علم رکھنے والا ہے میرے بندے کی نمازوں کو دیکھو کہ اس نے پوری کی ہیں کہ اس میں نقص ہے، اگر تو مکمل ہونگی تو مکمل لکھی جائے گی ،اور اگر اس میں کچھ کمی ہوئی تو اللہ تعالی فرمائے گا دیکھوں میرے بندے کے نوافل ہیں اگر تو اس کے نوافل ہونگے تو اللہ تعالی فرمائے گا میرے بندے کے فرائض اس کے نوافل سے پورے کرو، پھر باقی اعمال بھی اسی طرح لیے جائیں گے)سنن ابوداود حدیث نمبر (733)۔احادیث میں شوال کے چھ روزے مسلسل رکھنے کا ذکر نہیں ہے لہٰذا یہ چھ روزے ماہِ شوال میں عید کا دن چھوڑ کر لگاتار بھی رکھے جاسکتے ہیں اور بیچ میں ناغہ کر کے رکھنے سے بھی یہ فضیلت حاصل ہوجائے گی۔

اگر کسی شخص کے رمضان کے روزے کسی عذر کی وجہ سے چھوٹ گئے تو تحقیقی بات یہ ہے کہ رمضان کے روزوں کی قضا سے پہلے اگر کوئی شخص شوال کے 6 روزوں کو رکھنا چاہے تو جائز ہے کیونکہ رمضان کے روزوں کی قضا فوری طور پر واجب نہیں بلکہ کسی بھی ماہ میں رمضان کے فوت شدہ روزوں کی قضا کی جاسکتی ہے۔اگر کسی شخص نے ان 6 روزوں کو رکھنا شروع کیا لیکن کسی وجہ سے ایک یا 2 روزہ رکھنے کے بعد دیگر روزے نہیں رکھ سکا تو اس پر باقی روزوں کی قضا ضروری نہیں ۔اسی طرح اگر کوئی شخص ہر سال ان روزوں کے رکھنے کا اہتمام کرتا ہے مگر کسی سال نہ رکھ سکے تو وہ گناہگار نہیں اور نہ ہی اس پر ان روزوں کی قضا واجب ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسی مقصد کیلئے عبادات متعین فرمائی ہیں ۔انسان جس قدر ان نیکیوں کو اپنائے گا اُس قدر ہی تزکیہ نفس کی منزلیں طے کرتا جائے گا۔اور جس قدر عبادات میں سستی کرے گا اتنا ہی اس تزکیہ سے دور ہوتا چلا جائے گا۔نتیجتاً اہلِ طاعت کے دل نرم ہوتے ہیں اور ان ہی سے معاشرے میں اصلاح ہوتی ہے جبکہ برائی کرنے والوں کے دل سخت ہوجاتے ہیں اور وہی معاشرے میں فساد کا سبب بنتے ہیں ۔روزہ

ان عبادات میں سے ہے جو دلوں سے تمام قسم کا میل کچیل صاف کرتا ہے اور تمام ظاہری و باطنی امراض سے شفا یابی کا باعث ہے ۔ماہِ رمضان دلوں کے جائزہ ونظر ثانی اور جانچ کا مہینہ ہے ۔اور اسکے ایام دلوں کی پاکیزگی اور طہارت کا سبب بنتے ہیں ۔رمضان کے بعد شوال کے چھ روزوں کی مشروعیت ان مواقع میں سے ایک انتہائی قیمتی موقع ہے جس میں روزہ دار رمضان کے روزوں سے فارغ ہو کر روزوں کی ایک اور اطاعت کو اپنا لیتا ہے ۔جس میں فضل عظیم اور بڑا اجر وثواب ہے ۔کیا ہی اچھا ہے کہ مسلمان رمضان کے بعد مغفرت کا انعام پا لینے کے شکر میں پھر سے شوال کے روزے رکھے ۔اس کے علاوہ نیکیوں کے لئے کوئی بھی موسم معین نہیں ہے اور مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ ان اطاعتوں کو جاری وساری رکھیں حتیٰ کہ اپنے ربّ سے جا ملیں ۔اور یہ اللہ کا ہم پر فضل واحسان ہے کہ اس نے ہمارے لیے یہ فضیلت رکھی کہ رمضان کے بعد چھ روزے شوال میں بھی رکھ لیں تو ہمیں پورے سال کا ثواب مل جائے گا۔لہٰذا ہمیں اللہ کے اس فضل وکرم سے استفادہ کرنا چاہیے اور یہ سنہری موقع ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہیے ۔

آنکھیں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی بیش بہا نعمت اور ان کی قدر و قیمت

أَلَمْ نَجْعَل لَّهُ عَيْنَيْنِ (البلد:8)

ترجمہ: کیا ہم نے انسانوں کے لئے دو آنکھیں نہیں بنائیں۔

اللہ نے انسانوں کے لئے دنیا میں سینکڑوں قسم کی نعمتیں مہیا فرمائی ہیں جن کو احاطہ شمار میں لانا محال ہے،خود انسان کا وجود اس کی ایک عظیم کاریگری اور بیش بہا نعمت ہے۔اس نے انسانی جسم کے اندر ہی نہ جانے کتنی نعمتیں رکھی ہیں،ان میں سے چند کا ہم احساس تو کر سکتے ہیں مگر شمار کرنا اتنا ہی مشکل ہے جتنا کہ ساری نعمتوں کا ادراک واحساس کرنا۔ایک جملہ میں اللہ نے اپنی نعمتوں کے بارے میں انسانوں کو بتلادیا کہ اگر تم اس کی نعمتوں کو گننا چاہو تو گن نہیں سکتے ہو۔

ویسے تو جسم انسانی کا ہر عضو اس قابل ہے کہ اس پر رب دو جہاں کا صدہا شکر ادا کیا جائے،مگر ان میں سے دو آنکھیں اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی بالکل منفرد نعمتیں ہیں،چنانچہ دماغ جب سوچوں میں گم ہو تو یہ ایک نقطے پر ٹھہر سی جاتی ہیں،دل پر کوئی بات چوٹ کر جائے تو فوری طور پر بھیگ جاتی ہیں،سوتے جاگتے میں کوئی خواب ٹوٹ جائے تو ویرانی آنکھوں کے حصے میں دے جاتی ہیں،طبیعت ناساز ہونے کا درد بھی خود پر لے لیتی ہیں،بناوٹ مسکراہٹ میں انسان کا ساتھ چھوڑ دیتی ہیں،شرم وحیا کی بات پر جھک سی جاتی ہیں،دل ودماغ حتیٰ کہ پورے جسم کے کسی بھی حصے کی بے بسی ان میں بے تابی لے آتی ہے۔الغرض!مجھے تو لگتا ہے جسم کے ہر حصے کے کا اثر انہیں کے حصے میں آتا ہے۔

نعمتوں کے ادراک و احساس کا ایک نادر واقعہ سعودی عرب کی دارالحکومت ریاض میں پیش آیا اور اس قسم کے واقعات دنیا میں پیش آتے رہتے ہوں گے، واقعہ یوں ہے کہ ایک 78 سالہ عربی شخص کو ایک اسپتال نے چوبیس گھنٹے کا 600 ریال کا بل پیش کیا، وہ بزرگ بل دیکھ کر رونے لگا، لوگوں نے رونے کی وجہ پوچھی تو انہوں نے بتلایا کہ صرف چوبیس گھنٹے آکسیجن کا 600 ریال دینا پڑ رہا ہے جبکہ میں نے 78 سالوں سے اللہ کی تازہ ہوا میں سانس لے رہا ہوں اور کوئی بل نہیں ادا کیا، کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں اللہ کا کتنا مقروض ہوں؟

حضرت مولانا محمد انعام الحق قاسمی کے ایک دوست نے انہیں عجیب واقعہ سنایا۔ ایک صاحب کا ایکسیڈنٹ ہوا۔ اس کی آنکھ کے اوپر کا پردہ کٹ گیا۔ کہنے لگے ایک دو گھنٹے میں آنکھوں پر مٹی جمی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ عام آدمی محسوس نہیں کر سکتا کہ ہوا میں کتنے باریک باریک ذرات مٹی کی شکل میں اڑتے رہتے ہیں جو جمتے رہتے ہیں۔ اکثر آپ دیکھیں گے کہ اگر کوئی چیز رکھیں دوسرے دن اس پر مٹی نظر آئے گی۔ ہماری آنکھ کے اوپر اللہ نے پردہ بنا دیا، یہ بند ہوتا ہے اور کھلتا ہے۔ بند ہوتا ہے کھلتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ تھوڑا تھوڑا پانی اندر سے خارج ہوتا ہے تو پانی کے ساتھ جیسے کسی چیز کو جھاڑو لگاتے ہیں یہ اللہ نے جھاڑو کا انتظام کیا ہوا ہے۔ یہ بند ہوتا ہے کھلتا ہے۔ جھاڑو چل رہا ہوتا ہے۔ جب اس کی آنکھ کے اوپر والا گوشت کا پردہ کٹ گیا تو آنکھ ہر وقت بالکل ننگی رہنے لگی۔ مصیبت یہ بنی کہ ہوا میں معلق ذرات کی وجہ سے آنکھ پر مٹی کی تہہ آجائے تو تھوڑی دیر کے بعد دھونا پڑے۔ پھر مٹی جم جائے پھر دھونا پڑے۔ دن میں کوئی پچاس دفعہ دھونا پڑے۔ اب ایک دن میں پچاس دفعہ پانی ڈالا نہیں جاتا، لوگ عیادت کرنے آئے تو کہنے لگا کہ آنکھ کا چھوٹا سے پردہ تھا کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ اللہ کی کتنی بڑی نعمت ہے۔ ہم میں سے کتنے ہیں جو رات کو سوتے وقت اس نعمت کا شکر ادا کرتے ہیں۔ مانگتے تو ہم سب ہیں مگر اس کے دینے کا شکر ادا کرنے والے تھوڑے ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ انسان کے دل میں غفلت ہوتی ہے۔ جب غفلت ہو انسان کا رویہ اور ہوتا ہے اور جب دل میں استحضار ہو، معرفت ہو پھر رویہ کچھ اور ہوتا ہے۔

مولانا محمد الیاس ندوی بھٹکلی تحریر فرماتے ہیں ہمارے ایک دوست ایک دن عصر بعد تشریف لائے، ان کا چھوٹا سا بچہ ان کے ساتھ تھا جو ہمارے جامعہ کے مکتب میں زیرتعلیم تھا، میں نے دیکھا اس معصوم بچہ کی آنکھ پر اتنا موٹا چشمہ لگا ہوا ہے جو ہم نے اپنے دادا مرحوم کی آنکھوں پر بھی اسّی سال کی عمر میں دیکھا تھا، میرے پوچھنے پر والد کا کہنا تھا کہ میرا یہ بچہ ایک لمحہ بھی اس چشمہ کے بغیر نہیں رہ سکتا، ڈاکٹر نے کہا ہے کہ پابندی سے چشمہ نہ لگانے پر رہی سہی اس کی بینائی بھی جواب دے سکتی ہے، اس بچہ کو اس آزمائش میں دیکھ کر بے ساختہ میرے دل نے رب کریم کی اس عظیم نعمت کا استحضار پیدا کر دیا جس کا مجھے ابھی تک احساس نہیں تھا اور میں اسی وقت دل ہی دل میں یوں گویا ہوا:۔اے پیارے مولیٰ :۔میری اور میرے بچوں کی آنکھوں کی سلامتی اب صرف ایک نعمت نہیں بلکہ تیری دسیوں نعمتوں کا مجموعہ بن کر سامنے آئی ہے، اے اللہ:۔میرے تمام بچوں کی تو نے محض اپنے فضل سے دونوں آنکھیں سلامت رکھیں، ان کی آنکھ نہ اندر دھنسی ہوئی ہے اور نہ باہر نکلی ہوئی جیسا کہ سینکڑوں بچے اس نقص کے ساتھ دنیا میں آئے، نہ ان کو قریب کے دیکھنے میں تکلیف ہے نہ دور کے دیکھنے میں، نہ ان کی آنکھیں لال ہوتی ہیں اور نہ اس میں پانی آتا ہے جیسا کہ متعدد نونہالوں کو اس کی شکایت ہے، نہ ان کی آنکھوں میں درد ہوتا ہے کہ چشمہ لگانا پڑے اور نہ اس کے کسی گوشہ چشم سے اندرونی گندگی بار بار باہر آتی ہے جیسا کہ میں نے کئی بچوں کو دیکھا ہے، نہ ان کی آنکھیں اتنی چھوٹی ہیں کہ عیب دار لگے اور نہ اتنی بڑی کہ بھدی لگے جیسا کہ میں نے کئی بار ایسے بچوں کا مشاہدہ کیا ہے، اے اللہ:۔یہ صرف تیرا ہی فضل ہے جو تو نے محض اپنے کرم سے عدم استحقاق کے باوجود مجھے اور میری اولاد کو عطا کیا، اس پر میں تیری ہی پاک ذات کا شکر بجالاتا ہوں۔

ان واقعات کے متعلق اب جب بھی اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے میرے ذہن میں بات آتی ہے تو میرا رواں رواں بارگاہ الٰہی میں سجدۂ شکر بجالانے کے لیے بے قرار ہو جاتا ہے اور پکار پکار کر نعمت خداوندی مجھ سے کہتی ہے کہ اے خدا کے بندے:۔تجھ پر ہونے والی تمام نعمتوں کو تو کنارے رکھ، صرف اپنے ایک بچی یا بچہ کی وقت پر بعافیت ولادت اور اس کے جسم کے تمام اعضاء کے سلامت ہونے پر زندگی بھر تو اللہ

پاک کاشکرادا کرے گا تو اس کا حق ادا نہیں ہوسکتا۔

زندگی کی تمام خوبصورتی آنکھوں کے دم سے ہے. کوئی خوبصورت لمحہ ہویا کوئی بھی جاذب نظر نظارا، ہر شے نگاہوں سے ہوتی ہوئی ہماری حسین یادوں کا حصہ بن جاتی ہے. آنکھیں ہزار نعمت ہیں اور ان کی حفاظت بھی اتنی ہی اہم ہے. آنکھوں کا حق یہ ہے کہ اسے آرام پہنچائیں، اس کے ذریعہ قدرت کی نشانیوں کا مشاہدہ کرکے اس کے خالق کی وحدانیت پر ایمان لاکر خالص اسی کی بندگی بجالائیں، آنکھوں کو نقصان پہنچانے والی چیزوں سے دور رکھیں، ان کو شہوتوں اور فحش کاموں سے بچائیں، ان بیش قیمت آنکھوں سے صرف جائز چیزوں کو دیکھیں اور راہ چلتے آنکھوں کا حق یہ ہے کہ نگاہ نیچی کرکے چلیں مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ سوشل میڈیا کے زمانے میں آنکھوں سے جتنے گناہ آج سرزد ہوتے ہیں اتنے پورے جسم سے نہیں ہوتے ہوں گے۔

رب کائنات کی ان بیش بہا نعمتوں کے تناظر میں ہمیں یہ سبق بھی ملا کہ ان نعمتوں پر اللہ پاک کا شکر ادا کریں، اللہ تعالیٰ کے حضور ہمارے یہ روز کے دو چار شکرانے کے جملے ان شاء اللہ ان نعمتوں کے ہمارے حق میں مرتے دم تک باقی رہنے کی ضمانت بھی دیں گے اور اس کے عوض ہم سب کا اللہ کے شکرگذار بندوں میں شمار بھی ہوگا، ان نعمتوں پر اپنے شکر کی ادائیگی کے لیے کئی پیاری دعائیں خود اللہ تعالیٰ نے ہمیں سکھائی ہیں، اس کو بھی ہم آج سے ہی اپنے معمولات میں شامل کریں''

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا

اے اللہ: ۔ہماری بیویوں اور اولاد کو ہمارے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک بنا اور ہمیں اہل تقوی کا امام بنا'۔

" رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَدْخِلْنِي بِرَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ وَأَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي إِنِّي تُبْتُ إِلَيْكَ وَإِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ"۔

اے میرے پرودگار: ۔مجھے توفیق دے کہ میں تیرا شکر ادا کروں تیرے اس احسان کا جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر کیا اور یہ کہ میں نیک عمل کروں جو تو پسند کرے اور تو اپنے رحم و کرم سے مجھے

اپنے صالح بندوں میں داخل کر دے اور میری اولاد میں نیکی کی صلاحیت دے، میں نے تیری ہی طرف رجوع کیا اور میں تیرے فرماں برداروں میں سے ہوں۔

بری عادات سے چھٹکارا ایسے حاصل کریں

انسان اشرف المخلوقات کہلاتا ہے اچھی صحبت اور عادات ہی انسان کو ایک اچھا انسان بناتی ہیں انسان بہتر صحت کے لئے اچھی عادات کو زندگی کا حصہ بنانے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے کیوں کہ اچھی عادات ہی انسان کی زندگی کو پرکشش بناتی ہیں اس لئے ہمارے اردگرد بہت سے ایسے افراد ہوتے ہیں جو اپنے حلقے میں بہت مقبول ہوتے ہیں ۔لوگ ان سے ملنا جلنا، ان کے ساتھ وقت گزارنا اور باتیں کرنا پسند کرتے ہیں ۔اس کے برعکس کچھ شخصیات کو دیکھتے ہی دل میں منفی تاثرات ابھرتے ہیں اور لوگ ان سے بچنے لگتے ہیں ۔فرق دراصل سوچ اور عادات کا ہوتا ہے ۔انسان کے اندر موجود مثبت خیالات اسے لوگوں میں مقبول جبکہ منفی خیالات و عادات ناپسندیدہ بناتی ہیں ۔ہمارے اندر بھی بیک وقت اچھی اور بری عادات موجود ہوتی ہیں ۔ یہ عادات ہماری شخصیت کا تعین کرتی ہیں اور یہی ہمارے حلقہ احباب کو وسیع یا محدود کرسکتی ہیں ۔ماہرین نفسیات کے مطابق ہمارے اندر موجود کچھ عادات ہر مزاج کے انسان کو ناگوار گزرتی ہیں ۔ ہم خود بھی ایسی عادات رکھنے والے افراد سے بچنا چاہتے ہیں ۔تو آئیں ان عادات کے بارے میں جانتے ہیں،کہیں ایسا تو نہیں کہ آپ کے اندر بھی وہ عادات موجود ہوں کیونکہ،اس قسم کی بری عادات پروان چڑھ جائیں تو آسانی سے جان نہیں چھوڑتیں ، دیکھا گیا ہے کہ لوگ بہت سی چھوٹی چھوٹی بری عادات سے چھٹکارا پانے کی کوشش نہ کرنے کا خمیازہ اس طور پر بھگتتے ہیں کہ نوکری نہیں بلکہ کیریئر اور کبھی کبھی تو زندگی ہی داو پر لگ جاتی ہے ورنہ کم از کم آپ کا حلقہ احباب مختصر سے مختصر ضرور ہو جاتا ہے ۔

مثلاً ان میں چند مضر عادتیں یہ ہیں کہ (1) لوگوں سے گفتگو کرتے ہوئے ہر وقت اپنے بارے میں بات کرنا جو لوگوں کو آپ سے بددل کر دیتا ہے ۔اس قسم کی گفتگو چند منٹ سے زیادہ برداشت نہیں کی

جا سکتی۔(2) اگر آپ کسی کی بات سنتے ہوئے اس کی بات کاٹ کر بولنا شروع کر دیتے ہیں، اگر کسی ایسے مواقع پر آپ کے ساتھ کوئی ایسا کرے تو آپ کیا کرتے ،تو جان لیں کہ آپ ایک نہایت ناقابل برداشت عادت کے حامل ہیں جو کوئی بھی برداشت نہیں کرے گا۔(3) اور اگر آپ لوگوں کی شخصیت، بہترین مزاج، عادات اور اچھے رویوں کو نظرانداز کر کے صرف ان کی بیرونی شخصیت پر توجہ دیتے ہیں، کہ اس نے کیا پہنا، کس رنگ کا پہنا، بال کیسے بنائے، اور اس بنیاد پر لوگوں سے تعلقات رکھتے اور ختم کرتے ہیں، تو آپ اپنے دوستوں کی تعداد دن بدن کم کر رہے ہیں ۔(4) اگر آپ کسی شخص کی کامیابی کے بارے میں سنتے ہوئے اسے مبارکباد دینے اور حوصلہ افزائی کرنے کے بجائے یہ باور کرواتے ہیں، کہ اس کی کامیابی تو کچھ بھی نہیں، اصل کامیابی وہ تھی جو میں نے اتنے برس قبل حاصل کی، تو آپ یقیناً اپنے مخالفین کی تعداد میں اضافہ کر رہے ہیں ۔(5) اور مشترکہ منصوبوں میں اپنے دوستوں اور ساتھیوں سے بغیر پوچھے فیصلے کرنا اور سب کو اسے ماننے کے لیے مجبور کرنا، بہت جلد آپ کو لوگوں میں غیر مقبول بنا دیتا ہے اور لوگ آپ کی صحبت سے بچنے لگتے ہیں ۔(6) اگر آپ اپنے ساتھیوں اور دوستوں کے ساتھ مستقل سخت، طنزیہ رویہ رکھیں گے یا تنگ مزاجی دکھائیں گے تو لوگ آپ کو اپنے دوستوں کی فہرست سے خارج کر دیں گے ۔(7) کیا آپ ضرورت پڑنے پر اپنے دوستوں کی مدد حاصل کرتے ہیں؟ ایسا کرنا کوئی بری بات نہیں، مگر اس مدد کو بھول جانا، اور اسی دوست کے ضرورت پڑنے پر اس کی مدد نہ کرنا نہایت غلط عادت ہے ۔اس حرکت سے آپ اپنے آپ کو تنہا کر لیں گے اور ایک وقت ایسا آئے گا کہ براوقت آنے پر کوئی بھی آپ کی مدد کو نہیں آئے گا۔(8) لوگوں کے بارے میں منفی خیالات رکھنا اور ان کے پیٹھ پیچھے اس کا اظہار کرنا آپ کے دوستوں کو یہ سوچنے پر مجبور کر دے گا کہ کہیں انہوں نے آپ سے دوستی کر کے کوئی غلطی تو نہیں کی ۔اس کے علاوہ چند بری عادات جو انسان کی زندگی کو متاثر کرنے کے ساتھ ساتھ جان لیوا بھی ثابت ہو سکتی ہیں ۔

مثلاً: (1) انسانی فطرت میں یہ بات شامل ہے کہ کئی ناخوشگوار واقعات اسے ذہنی طور پر جلد پریشان کر دیتے ہیں جس کے براہ راست اثرات انسانی شخصیت پر پڑتے ہیں اور اسی ذہنی پریشانی کی

وجہ سے انسان دیگر کئی بیماریوں میں گھر جاتا ہے۔(2) شراب کو ’’ام الخبائث‘‘ یعنی تمام خرابیوں کی ماں کہا جاتا ہے، اس کے منفی اثرات انسان کو موت کی طرف لے جاتے ہیں۔(3) تمباکو نوشی اب فیشن کے ساتھ ساتھ دنیا بھر میں موت کا سبب بننے والی سب سے بڑی عادت بن چکی ہے جو نہ صرف کینسر بلکہ اندھا پن، ذیابیطس، جگر اور آنت کے کینسر جیسی بیماریوں کا بھی باعث بنتی ہیں۔(4) دورِ حاضر میں مصروف زندگی کے باعث اکثر لوگوں میں ناشتہ نہ کرنے کی عادت دیکھنے میں آئی ہے جب کہ طبی ماہرین کا کہنا ہے کہ انسان اگر صرف صبح کا ناشتہ اچھی طرح کرنے کو عادت بنالے تو جسم دن بھر بھرپور توانائی اور نشوونما سے کام کرتا ہے۔(5) زیادہ جاگنا اور نیند پوری نہ کرنے کی عادت دن بدن بڑھتی جارہی ہے خواہ وہ رات بھر موبائل کے استعمال سے ہو یا آفس میں مصروفیات کی وجہ سے جس کے منفی اثرات یہ ہیں کہ انسان چڑچڑا پن اور دیگر ذہنی وجسمانی بیماری کا شکار ہو جاتا ہے۔(6) پانی اللہ پاک کی دی ہوئی وہ نعمت ہے جس کا نعم البدل کوئی نہیں لیکن آج کل مصروفیت کی وجہ سے لوگ کم پانی پیتے ہیں اور اب یہ ایک عادت بنتی جارہی ہے جس کی بنیادی وجہ دیگر مشروبات کو پانی کے متبادل استعمال کرنا ہے تاہم اس بات کو بھی خاطر خواہ رکھنا ہوگا کہ قدرت کی طرف سے دی گئی نعمت کو نظرانداز کرنے کے نقصانات بھی بہت ہیں۔(7) بیماری چھوٹی نوعیت کی ہو یا بڑی، ادویات کا استعمال ڈاکٹر کی ہدایت پر ہی کیا جانا چاہیے تاہم لوگ چھوٹی چھوٹی بیماریوں پر بھی مختلف اقسام کی ادویات اپنی روزمرہ زندگی میں شامل کر لیتے ہیں اور پھر انہیں پر انحصار کرتے ہیں جب کہ اکثر لوگ نیند کی گولیوں کے اتنے عادی ہو چکے ہوتے ہیں کہ اس کے کھائے بغیر اُنھیں نیند نہیں آتی لیکن ادویات کے زیادہ استعمال سے انسانی ذہن کام کرنا کم کر دیتا ہے اور جسم میں بیماریوں سے لڑنے کی توانائی بھی خاصی کم ہو جاتی ہے۔

بُری عادات سے چھٹکارا پانے کے لئے چند انقلابی اقدامات: ہم سب صحت مند توانا اور خوش وخرم زندگی گزارنا چاہتے ہیں، لیکن ہم ایسی عادات بھی اپنائے رکھتے ہیں، جو ہمیں اس مثالی زندگی سے دور لے جاتی ہیں۔عادت کو بدلنا دنیا کا مشکل ترین مرحلہ سمجھا جاتا ہے۔ذیل میں دیئے گئے کچھ اصول ہماری

راہنمائی کرتے ہیں کہ بُری عادت سے کیسے نجات حاصل کی جائے۔(1) بُری عادت سے نجات کا سب سے پہلا مرحلہ اسے بُرائی کی حیثیت سے تسلیم کرنا ہے۔جب تک ہم خود کو یہ یقین نہیں دلاتے کہ فلاں عمل ہماری عادت بن چکا اور ہمیں نقصان پہنچا رہا ہے،اس سے نجات ممکن نہیں ہوتی۔(2) پُرعزم ہونا صرف حقائق جاننا کافی نہیں ہوتا۔مثلاً اگر ہم یہ جانتے ہیں کہ تلی ہوئی اشیا کا بہت زیادہ استعمال دل کی بیماریوں کا باعث بنتا ہے،تو ہم میں سے اکثر ان حقائق کے باوجود اپنی عادت پہ قائم رہتے ہیں۔بہتر زندگی کے امکانات کے لیے شدید خواہش اور عزم بہت ضروری ہے۔خود کو ذہن نشین کروائیں کہ بُرے طرزِ عمل سے چھٹکارا پانے کی صورت میں زندگی کی کتنی مسرتیں آپ کی منتظر ہوں گی۔اس سوچ سے آپ میں حوصلہ اور ہمت پیدا ہوگی۔(3) منصوبہ بندی کیجیے ایک مرتبہ جب آپ درست ذہنی رویہ اختیار کرلیں تو اگلا مرحلہ اپنے طریقہ کار کی منصوبہ بندی ہے۔اس سے مراد یہ ہے کہ آپ کب اپنی کوشش شروع کریں گے اور اپنی کارکردگی کا جائزہ کیسے لیں گے۔(4) عمل کیجیے ابھی تک ہم نے ذہنی رویوں کی بات کی ہے جو بُری عادت کے حصار سے نکلنے میں ہماری مدد کرتے ہیں۔ایک اہم چیز عمل کے لیے نکل پڑنا ہے یعنی صرف سوچتے رہنا مسئلہ کا حل نہیں بلکہ ارادہ کیجیے اور اس پہ عمل شروع کردیں۔(5) بُری عادت سے چھٹکارے کے لیے اچھا دوست تلاش کیجیے جو آپ کی کوشش میں آپ کا معاون بنے۔آپ کو یاددہانی کرواتا رہے یا تعریف سے آپ کا حوصلہ بڑھائے۔(6) اگر آپ کی کوشش کامیاب ہو رہی ہے تو خود کو انعام دیجیے۔یہ انعام کسی ایسی نئی عادت کے آغاز کی شکل میں نہیں ہونا چاہیے جو آپ کے لیے نقصان دہ ہو۔جیسے فاسٹ فوڈ کھانے کی عادت سے نجات کی صورت میں خود کو ایک دن کے لیے فاسٹ فوڈ کی عیاشی کا تحفہ نہ دیجیے۔(7) معاف کرنا/ درگزر کرنا جب آپ ناکام ہو رہے ہوں تو خود کو مجرم نہ سمجھیں اور خود کو ایک اور موقع دیں۔اگلے دن نئے سرے سے اپنی کوشش کا آغاز کریں اور پوری دیانت داری سے بُری عادت کو شکست دینے کی کوشش کریں۔ماضی کی غلطیاں تاریخ کا حصہ ہوتی ہیں،ان سے سیکھیں اور آگے بڑھیں۔جو لوگ بُری عادت سے نجات کے لیے پُرعزم ہوں،وہ چھوٹی چھوٹی وقتی ناکامیوں سے نہیں

گھبراتے۔(8) آخری بات سابقہ گناہوں پر سچے دل سے ندامت کے ساتھ توبہ واستغفار کرے، آئندہ گناہ نہ کرنے کا پختہ عزم کرے، توبہ پر استقامت مانگے، اور گناہ سے بچنے کے اسباب اختیار کرنا، مثلاً اگر تنہائی کے گناہ کی عادت ہے تو اپنے آپ کو تنہائی سے بچائے، بری صحبت سے بچے، نیک صحبت اختیار کرے، (ہو سکے تو کسی متبعِ شریعت عالم سے اصلاحی تعلق قائم کرلے) کثرت سے روزے رکھے، گناہ ہو جانے کی صورت میں اپنے نفس کو ایسے اعمالِ صالحہ اختیار کر کے سزا دے جو اس پر بھاری گزریں، مثلاً دس بیس رکعات نوافل پڑھے، ایک دو وقت کا فاقہ کرے کچھ زیادہ رقم صدقہ کرے اور ساتھ ساتھ اللہ تعالی سے مسلسل دعا بھی کرتا رہے تو امید ہے کہ بری عادات اور گناہوں سے بچ جائے گا۔

میرا جسم میری مرضی یا جنسی آزادی

ایک عرصہ سے مغربی ذرائع ابلاغ اور مغرب زدہ افراد اور تنظیموں کی طرف سے مسلسل یہ پروپیگنڈہ کیا جارہا ہے کہ اسلام نے عورت کو کچھ نہیں دیا اور اسے اس کے بنیادی حقوق سے محروم کر دیا ہے۔ حالانکہ یہ محض ایک جھوٹ ہے اور اس کی کوئی حقیقت نہیں بلکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ کیونکہ عورت کو جو مقام اسلام نے دیا ہے وہ اسے کسی دوسرے مذہب سے نہیں ملا۔ پہلے عورت کتنی حقیر سمجھی جاتی تھی اور اسلام نے اسے کتنا بڑا مقام عطا کیا۔

فرمان الٰہی ہے: ''اور جب ان میں سے کسی کو لڑکی کی خوشخبری سنائی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور دل ہی دل میں گھٹنے لگتا ہے، جو بری خبر اسے دی گئی ہے اس کی وجہ سے لوگوں سے منہ چھپائے پھرتا ہے۔ سوچتا ہے کہ کیا اس کو ذلت و رسوائی کے باوجود اپنے پاس رکھے، یا اسے زندہ درگور کر دے، آہ! کیا ہی برے فیصلے کرتے ہیں۔'' [النحل: 59،58]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے زمانۂ جاہلیت کے لوگوں کی حالت کو بیان فرمایا ہے کہ ان میں سے کسی کو جب اس کے گھر میں بیٹی پیدا ہونے کی خبر دی جاتی تو اس کا چہرہ کالا سیاہ ہو جاتا اور مارے شرم کے وہ لوگوں سے چھپتا پھرتا۔ اور غم میں نڈھال ہو کر سوچتا رہتا کہ اب اس لڑکی کے وجود کو ذلت و رسوائی کے ساتھ برداشت کر لے یا اسے زندہ درگور کر دے۔

یہ تو تھا زمانۂ جاہلیت میں کسی عورت کا مقام کہ اس کا وجود ہی عار تصور کیا جاتا اور اسے زندہ درگور کر دیا جاتا۔ جبکہ اسلام نے گھر میں بیٹی کی پیدائش کو باعث برکت قرار دیا اور اسے زندہ درگور کرنا حرام کر دیا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

''اللہ تعالیٰ نے تم پر ماؤں کی نافرمانی کرنا اور بیٹیوں کو زندہ درگور کرنا حرام کر دیا ہے۔''(بخاری)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص دو لڑکیوں کی پرورش کرے یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائیں، تو وہ اور میں قیامت کے دن ایسے ہونگے جیسے میری یہ انگلیاں ہیں۔''(بخاری)

عورت اگر ماں ہو تو اسلام نے اس کے ساتھ حسنِ سلوک کی ترغیب دی ہے۔قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حق کے بعد سب سے پہلے ماں باپ کا حق بیان کیا ہے پھر دوسروں کے حقوق کا تذکرہ کیا ہے۔اور بار بار ان سے اچھا سلوک کرنے کی تلقین کی ہے اور انھیں جھڑکنے حتیٰ کہ اف تک کہنے سے منع فرمایا ہے۔اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب ایک شخص نے سوال کیا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ کون اچھے سلوک کا مستحق ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمھاری ماں۔اس نے کہا: پھر کون؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمھاری ماں! اس نے کہا: پھر کون؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمھاری ماں! اس نے کہا: پھر کون؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمھارا باپ۔اس کے علاوہ اور کئی احادیث کتبِ حدیث میں موجود ہیں جن میں خصوصاً ماں کا حق نمایاں کر کے بیان کیا گیا ہے۔

فرمانِ الٰہی ہے: ''اور عورتوں کو ان کے مہر راضی خوشی دو۔''

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر میدانِ عرفات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جم غفیر سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

''تم عورتوں کے متعلق اللہ سے ڈرو کیونکہ تم نے انھیں اللہ کی امان کے ساتھ لیا ہے اور انھیں اللہ کے کلمہ کے ساتھ اپنے لئے حلال کیا ہے۔اور تمھارا ان پر حق یہ ہے کہ وہ تمھارے بستروں پر کسی ایسے شخص کو نہ آنے دیں جنھیں تم ناپسند کرتے ہو۔اور ان کا تم پر حق یہ ہے کہ تم انھیں معروف طریقے کے مطابق کھانا اور لباس مہیا کرو۔''(مسلم: الحج باب حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ۱۲۱۸، ابن حبان: 1457])

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

''تم میں سب سے بہتر شخص وہ ہے جو اپنے اہل کے لئے بہتر ہو اور میں تم سب کی نسبت اپنے اہل کے لئے زیادہ بہتر ہوں۔'' (ترمذی)

اسلام کے نزدیک قانون دینے کا حق صرف اللہ کو ہے اور انسان اسی قانون کا پابند ہے۔ ہاں اس کے عطا کردہ قانون کی روشنی میں وہ حالات کے لحاظ سے اجتہاد کرسکتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں کسی فرد یا جماعت کو مطلق فرماں روائی کا حق حاصل نہیں ہے۔ اللہ کے قانون کے حاکم اور محکوم دونوں ہی پابند ہوں گے۔

عورتوں کے ایک مخصوص دن پر اسلام آباد میں کوئی ایسا عورت مارچ کیا جس کی گونج ابھی تک فضاؤں میں ہے۔ تفصیلات کو چھوڑیں صرف اس مارچ کے مرکزی خیال پر غور فرمائیں۔ ''میرا جسم میری مرضی'۔ اگر جسم تمہارا ہے تو مرضی بھی یقیناً تمہاری چلے گی اور چلنی چاہیے، لیکن کیا واقعی یہ جسم تمہارا ہے؟ یا خالق و مالک و رازق کی امانت ہے جو چند سانسوں، چند سالوں کے لئے امانت کے طور پر تمہیں سونپا گیا تو خود ہی سوچ لو دیانت کا تقاضا کیا ہے۔ اگر جسم ہمارا تمہارا ہوتا تو خودکشی حرام نہ ہوتی۔ یہاں کچھ بھی تو ہمارا تمہارا نہیں، کیا ہم اپنی مرضی سے پیدا ہوتے ہیں؟ کیا ہمیں ماں باپ کے انتخاب کا اختیار ہے؟ کیا ہم بہن بھائی خود منتخب کرتے ہیں؟ یہاں کچھ بھی ہمارا نہیں کہ ہم تو اپنے بلڈ گروپ کے سامنے بھی بے بس ہیں، نہ جسم میرا، نہ مرضی میری نہ آغاز مرے بس میں، نہ انجام مرے بس میں۔ سنیے یہ مفروضہ جو آپ نے گھڑ لیا ہے اور جو آپ کو بغاوت پر اکسا رہا ہے، کلیتاً ہی غلط ہے۔

''میرا جسم میری مرضی'' والے عورتوں کے حقوق کے نام پر عورت کو بے راہ روی کے رستے پر ڈالنا چاہتے ہیں، خاندانی نظام اور شادی کے بندھن کو تباہ کرنا چاہتے ہیں جو ان شاءاللہ پاکستان جیسے معاشرے میں ممکن نہیں، یاد رہے! یہاں میڈیا کو استعمال کر کے کئی سال تک کوشش ہوتی رہی کہ ویلنٹائنز ڈے کو عام کیا جائے، بے شرمی پھیلائی جائے لیکن پاکستانی عوام نے اُس کوشش کو رد کر دیا بلکہ

الٹا یہاں خواتین میں پردے کا رواج بڑھ گیا لیکن ہمیں اس بات کو بھی تسلیم کرنا چاہیے کہ ہمارے ہاں باقی معاملات کی طرح عورت کو وہ حقوق حاصل نہیں جو اسلام اُنہیں دیتا ہے۔ بہت بڑی تعداد میں اُن کے ساتھ بدسلوکی ہوتی ہے، اُنہیں ظلم کا بھی نشانہ بنایا جاتا ہے۔ اگر ایک طرف ہمیں اس معاشرے میں فحاشی و عریانیت اور بے راہ روی کو روکنا ہے تو ہمیں اس بات کو بھی یقینی بنانا ہوگا کہ ہم عورت کو وہ تمام حقوق دیں جو اسلام متعین کرتا ہے، اُن کا احترام کیا جائے۔ اس کے لیے حکومت، معاشرہ، میڈیا بلکہ ریاست کے ہر فرد کو اپنا اپنا کردار ادا کرنے پڑے گا۔ اگر ایک طرف حکومت کو قانون کے تحت یہ لازم کرنا چاہیے کہ عورت کو وراثت میں حق ملے، کوئی خاتون کسی کام سے گھر سے نکلتی ہے یا اُسے نوکری کرنا پڑتی ہے تو اُسے ایسا ماحول فراہم کیا جائے کہ کوئی مرد اُسے پریشان نہ کرسکے تو دوسری طرف معاشرے کی تعلیم وتربیت کا ایسا نظام وضع کیا جائے جس سے پاکستان میں رہنے والوں کی کردار سازی ہو اور ہم ایسا معاشرہ قائم کرسکیں جہاں عورتوں، بچوں، بزرگوں، اقلیتوں سمیت ہر طبقے کو اُس کے حقوق میسر ہوں اور عملی طور پر ہم اپنے اخلاق اور معاملات کے ذریعے اپنے آپ کو مسلمان ثابت کرسکیں۔ مغرب کی نقالی اور این جی اوز کے پریشر میں ہمیں حقوقِ نسواں کے نام پر اُس ایجنڈے سے دور رہنا چاہیے جو اسلامی تعلیمات اور ہماری معاشرتی اقدار کے خلاف ہے۔

گذشتہ سال بھی مٹھی بھر کچھ عورتوں نے آٹھ مارچ کو عورتوں کے عالمی دن پر عورت مارچ کیا۔ انہوں نے پلے کارڈ اٹھا رکھے تھے، ان پر درج نعرے کسی بھی طور عورتوں کے بنیادی حقوق اور معاشرے میں ان کے تحفظ کے حوالے سے نہ تھے۔ یہ عورتیں وہ تھیں جن کا مسئلہ صرف اور صرف آزادی تھا۔ یاد رہے کہ آزادی کی تعریف بھی ان کی اپنی گھڑی ہوئی ہے جس میں سرفہرست جنسی آزادی ہے۔ میرا جسم میری مرضی۔ شادی نہیں آزادی جیسے نعروں کے ساتھ یہ مٹھی بھر عورتیں بدقسمتی سے پاکستان کی ان لاکھوں کروڑوں عورتوں کی نمائندگی کرنے کی کوشش کر رہی تھیں جو مذہب کی طے کردہ حدود کے اندر رہ کر باوقار انداز میں زندگی بسر کرنے کو اپنا فخر سمجھتی ہیں۔

عشر ایک اہم فریضہ

انسان پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ایک بڑا احسان ہے اور اس کی ایک بڑی نعمت خود اس زمین کی تخلیق ہے جس سے اللہ تعالیٰ جل شانہ کے حکم سے ہر طرح کی نباتات اور ہر قسم کے پھل اور پھول پیدا ہوتے ہیں اور اگر ذرا ہم اس پر غور کریں کہ ایک دانہ کو پھل دار درخت بننے میں کن کن مراحل میں نشوونما سے گزرنا ہوتا ہے اور کیا قوانین قدرت اس کی افزائش میں کارفرما ہوتے ہیں تو ہم اس کی مہربانی پر سجدۂ شکر بجا لائیں۔ نباتات کے اُگنے اور نشوونما پانے کے لیے پانی بھی لازم ہے اور اللہ تعالیٰ جل شانہ نے بادلوں سے پانی برسائے اور پہاڑوں سے چشمے بہا دینے کا بندوبست فرمادیا اور اس کو ایسی مناسب مقدار میں زمین میں جاری کیا کہ مخلوقات انسانی اور وحشی کو نقصان نہ پہنچے اور جان دار غرق نہ ہو جائیں، پودوں کو مخصوص گیسوں کی بھی ضرورت ہے اور اللہ تعالیٰ جل شانہ نے یہ گیس ہوا کے اندر تخلیق فرمادی اور نباتات کو حکم فرمادیا کہ وہ انسان اور حیوان کے منہ سے نکلنے والی کاربن گیس اپنے اندر جذب کرتے ہیں اور اس طرح حیوانات اور نباتات میں یہ بے نظیر اور عجیب تبادلۂ گیس وقوع پذیر ہوتا ہے۔ نباتاتی افزائش کے لیے روشنی اور گرمی ایک مناسب اور موزوں مقدار میں درکار ہے کہ گرمی اگر زیادہ بڑھ جائے گی تو پودے جل جائیں گے اور اگر کم ہو جائے گی تو پودے کملا جائیں گے اور حرارت نہ ہوگی تو کائنات میں کسی ذی حیات کا وجود باقی نہیں رہے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ جل مجدہ ہی ہے جس نے سورج کو پیدا کیا اور اس کو زمین سے اتنے موزوں فاصلہ پر رکھا کہ زمین تک پہنچنے والی اس کی حرارت (گرمائی) زندگی کے لیے موزوں ہو جائے کہ سورج اگر زمین سے قریب آ جائے تو ہر زندہ وجود جل کر خاکستر ہو جائے اور اگر سورج زمین سے کہیں دور نکل جائے تو ہر وجود یخ

بستہ ہو کر رہ جائے۔ بلاشبہ زمین کی ہر پیداوار اللہ سبحانہ کا احسان اور اس کا فضل ہے اور حقیقی پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے اور ہم تو ایک تنکا بھی زمین سے اُگا نہیں سکتے۔ اس عظیم نعمت پر ہمیں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اس قدر خوشگوار لذتوں کی حامل غذائیں اس زمین سے ہمارے لیے پیدا فرمائیں۔ اس اظہارِ شکر کا طریقہ یہ ہے کہ ہم اس زمین کی پیداوار پر زکوٰۃ (عشر و نصف عشر) ادا کریں تاکہ محتاجوں کی ضرورتوں کی تکمیل ہو جائے اور اللہ جل مجدہ کے دین کی حمایت نصرت کی جاسکے۔

عشر زمین کی پیداوار کی زکوٰۃ ہے۔ اگر زمین بارانی ہو کہ بارش کے پانی سے سیراب ہوتی ہے تو پیداوار اُٹھنے کے وقت اس پر دسواں حصہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کے راستہ میں دینا واجب ہے اور اگر زمین کو خود سیراب کیا جاتا ہے تو اس کی پیداوار کا بیسواں حصہ صدقہ کرنا واجب ہے۔ عشر پیداوار کی زکوٰۃ ہے اس لیے دوسرے مالوں کی زکوٰۃ ادا کرنے کے باوجود پیداوار پر عشر واجب ہوگا۔ ☆......سال میں جتنی بھی فصلیں آئیں ہر نئی فصل پر عشر واجب ہے۔ ☆......مویشیوں کے چارے کے لیے کاشت کی گئی فصل پر حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عشر واجب ہے۔ (مسائل زکوٰۃ ص ۱۸۷) ☆......عشر ٹیکس نہیں بلکہ اس میں ایک حیثیت عبادت کی بھی ہے اور اسی لیے اس کو ''زکوٰۃ الارض'' زمین کی زکوٰۃ کہا جاتا ہے اور خراج خالص ٹیکس ہے جس میں عبادت کی کوئی حیثیت نہیں اسی لیے عشر مسلمانوں کی زمین کے ساتھ مخصوص ہے۔ (مسائل زکوٰۃ ص ۱۸۴) ☆......عشر تو زمین کی پیداوار ہے اگر پیداوار نہ ہو خواہ اس کا سبب مالک زمین کی غفلت ہی ہو کہ اس نے قابل کاشت زمین کو خالی چھوڑ دیا' کاشت نہیں کی۔ اس صورت میں بھی عشر لازم نہیں ہوگا کیونکہ عشر پیداوار ہی کے ایک حصہ کا نام ہے۔ (مسائل زکوٰۃ ص ۱۸۴) عملی طور پر عشر اور زکوٰۃ میں یہ فرق بھی ہے کہ اموال تجارت اور سونا چاندی وغیرہ اگر سال بھر رکھے رہیں ان میں کسی درجہ سے کوئی نفع نہ ہو بلکہ نقصان بھی ہو جائے مگر نقصان ہو کر مقدار نصاب سے کم نہ ہوں تو بھی زکوٰۃ ان اموال کی ادا کرنا فرض ہے بخلاف عشر کے زمین میں پیداوار ہوگی تو عشر لازم ہوگا اور اگر پیداوار نہ ہوئی تو کچھ بھی واجب نہیں۔ (مسائل زکوٰۃ ص ۱۸۵) حکومت جو خراج لیتی ہے وہ زکوٰۃ (عشر) نہیں ہے۔ (۱)......بخاری شریف میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو کھیتی بارش یا چشموں کے پانی سے سیراب ہوتی ہو اس پر عشر ہے

اور جسے کنوؤں سے ڈول نکال کر سیراب کیا گیا ہو اس پر نصف عشر ہے۔'' (۲)......حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے: ''جو کھیتی نہروں اور آسمانی بارش سے سیراب ہوتی ہو اس پر عشر ہے اور جس زمین کو رہٹ کے ذریعہ سیراب کیا گیا ہو اس پر نصف عشر ہے۔'' (۳)......حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یمن بھیجتے وقت حکم دیا تھا ''کہ میں ان کھیتیوں سے جسے بارش نے سیراب کیا ہو یا جن کو زمین میں پانی ہونے کی وجہ سے سیراب ہی نہ کرنا پڑے، عشر اور ڈولوں کے ذریعے سیراب کی جانے والی کھیتیوں سے نصف عشر وصول کیا کروں۔'' عہدِ رسالت سے لے کر ہمارے زمانے تک پوری اُمت کا عشر کے وجوب پر اجماع اور اتفاق رہا ہے۔ علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:...... ''اُمت کا عشر کی فرضیت پر اتفاق ہے۔'' عشر کے مصارف وہی ہیں جو زکوٰۃ کے ہیں اور جس طرح زکوٰۃ کے لیے یہ ضروری ہے کہ کسی مستحق زکوٰۃ کو بغیر کسی معاوضہ کے مالکانہ طور پر قبضہ کرا دیا جائے اسی طرح عشر کی ادائیگی کا بھی یہی طریقہ ہے۔

درود ناریہ

درود ناریہ ایک ایسا مبارک درود شریف ہے جو ہمارے اکابرین کا مستند اور مجرب وظیفہ رہا ہے. بڑے بڑے بزرگوں نے اسے اپنی کتابوں میں بہت اہمیت اور اہتمام کے ساتھ ذکر کیا ہے، تمام جائز حاجات کے حصول کیلئے، ہر قسم کی پریشانیوں کے خاتمہ کیلئے، اسی طرح رشتوں کی بندش، کاروباری بندش، جسمانی امراض، روحانی امراض، مالی پریشانیاں، گھریلو ناچاقیاں، ان سب کے خاتمہ کیلئے، اور پہاڑ جیسے مسائل کو حل کرنے کیلئے، اس درود شریف کا پڑھنا مجرب المجرب اور بزرگوں کا معمول رہا ہے. علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں 4444 مرتبہ اس کا ورد کرنا یہ اکسیر فی التاثیر ہے.

علامہ دینوری رحمہ اللہ، شیخ محمد تیونسی رحمہ اللہ اور دیگر کئی اکابرین نے اس درود شریف کو ذکر کر کے اس کے بے شمار فضائل و مناقب بیان فرمائے ہیں، دارالعلوم دیوبند کے کئی بزرگوں کے معمولات میں یہ شامل رہا ہے، جامعہ بنوری ٹاؤن کے بزرگ اساتذہ کرام کا بھی یہی معمول رہا ہے، اور اب بھی سخت حالات میں اس کا ورد کیا جاتا ہے، سلسلہ نقشبندیہ میں یہ درود شریف پابندی سے پڑھا جاتا ہے اور اس سلسلہ کے بزرگوں نے اسے اوراد نقشبندیہ میں اہتمام سے ذکر فرمایا ہے، یہ درود شریف کئی طریقوں اور مختلف الفاظ کی کمی بیشی کے ساتھ آیا ہے، اس میں موجود بعض کلمات دو طرح سے منقول ہیں: تنحل بها العقد وتنفرج بها الكرب وتقضى بها الحوائج وتنال بها الرغائب اس صورت میں ھا ضمیر لفظ صلاۃ کی طرف لوٹ رہی ہے اور یوں بھی منقول ہیں: تنحل به العقد وتنفرج به الكرب وتقضيبه الحوائج وتنال به الرغائب اور اس صورت میں ضمیر جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم کی ذات بابرکات کیطرف لوٹ رہی ہے اور بطور وسیلہ اس طرح پڑھنے میں کوئی حرج نہیں. اور یہ الفاظ شرکیہ ہرگز نہیں بزرگوں نے اس کی صراحت فرمائی ہے. لہذا اس درود شریف کو اہل بدعت کا درود کہنا بالکل ہی نامناسب ہے اور اس کو ناریہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ آگ کیطرح سریع التاثیر ہے یعنی جس طرح آگ کا اثر تیز ہوتا ہے اور تیزی کے ساتھ اثر کرتی ہے اسی طرح اس درود شریف کا بھی اثر تیز ہے. اور مقاصد و حاجات میں اس کا ورد کرنا سریع التاثیر ہے لہذا اسکو پڑھنے والوں کو ناری یعنی آگ والے کہنا یا ناری افعال والا کہنا قطعاً مناسب نہیں ہے.

ابوزید

جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

یہ درود گوناگوں روحانی اسرار کا خزینہ ہے بلکہ اس میں حصولِ معرفت کا راز چُھپا ہے جسے عارفوں اور ولیوں کے سوا کوئی نہ جان سکا۔ لہذا اہلِ روحانیت میں اس درود شریف کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ اس لئے جو شخص اس درود کے اسرار جاننا چاہتا ہے، اسے چاہئے کہ مرشدِ کامل سے اجازت لے کر اس درود پاک کی دعوت پڑھے۔ اس کی دعوت پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ کسی تنہائی والی جگہ پر 40 دن کے لئے گوشہ نشینی اختیار کرے اور دن کے وقت روزہ رکھے اور چلّہ کے دوران رات دن یہی درود پڑھے پھر دیکھے پردۂ غیب سے اس پر عجیب وغریب اسرار ظاہر ہوں گے۔ اس کے علاوہ رمضان المبارک میں اعتکاف کے دوران بھی اگر یہی درود پاک پڑھا جائے تو اللہ تعالیٰ اسے بے شمار روحانی اسراروں سے نوازے گا۔ دنیوی فائدہ یہ ہے کہ اس درود پاک کو پڑھنے والا ہمیشہ رنج وغم اور پریشانیوں سے محفوظ رہتا ہے۔ لہذا جب کسی پر کوئی مصیبت آئے تو فوراً اس درود پاک کا ورد کرنا چاہئے انشاءاللہ مصیبت فوراً ختم ہو جائے گی یعنی زحمت رحمت میں تبدیل ہو جائے گی۔ درودِ ناریہ یہ ہے:

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

اَللّٰھُمَّ صَلِّ صَلٰوۃً کَامِلَۃً وَسَلِّمْ سَلَامًا تَآمًّا عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا

اے اللہ! تو درود نازل کر ایسا درود جو کامل ہو اور سلام بھیج ایسا سلام ہو جو کُھل کے ہو اوپر ہمارے سردار ہمارے آقا

مُحَمَّدِنِ الَّذِیْ تَنْحَلُّ بِهِ الْعُقَدُ وَ تَنْفَرِجُ بِهِ الْكُرَبُ وَ تُقْضٰى بِهِ

محمد ﷺ کے جن کے ذریعے سے مشکلیں حل ہوتی ہیں اور پریشانیاں رفع ہوتی ہیں اور

الْحَوَائِجُ وَ تُنَالُ بِهِ الرَّغَائِبُ وَ حُسْنُ الْخَوَاتِمِ وَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ

ضرورتیں پوری ہوتی ہیں اور مقاصد حاصل ہوتے ہیں اور خاتمہ بخیر ہوتا ہے اور بادل

بِوَجْهِهِ الْكَرِيْمِ وَ عَلٰى آلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ فِيْ كُلِّ لَمْحَةٍ وَّ نَفَسٍ

آپ ﷺ کے معزز چہرہ کو دیکھ کر سیراب ہوتا ہے اور درود بھیج آپ ﷺ کی اولاد پر آپ ﷺ کے اصحاب پر ہر لمحہ اور ہر سانس میں

بِعَدَدِ كُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّكَ يَا اَللّٰهُ يَا اَللّٰهُ يَا اَللّٰهُ

مطابق اپنی معلومات کے شمار کے۔ اے اللہ، اے اللہ، اے اللہ

بچے کے حفظ کرنے کے بعد والدین کی ذمہ داری

آج سے چند سال قبل حفاظ کرام کی تعداد بہت کم تھی خال خال ہی کہیں حفاظ نظر آتے تھے۔ بہت کم مساجد ایسی ہوتی تھیں جن میں رمضان میں پورا قرآن مجید تراویح میں سنایا جاتا تھا لوگ دور دور سے تراویح پڑھنے ان مساجد میں جایا کرتے تھے جہاں کوئی حافظ مکمل قرآن کریم سنا رہا ہوتا اور اکثر ایسے حفاظ ہوتے تھے کہ ان کا ''سامع'' (غلطی بتانے والا) نہیں ہوتا تھا پھر دیکھتے ہی دیکھتے حفاظ کرام کی تعداد اس قدر بڑھتی گئی کہ اب مساجد میں حفاظ کو نمبر لگانا پڑتا ہے۔ مساجد کے علاوہ مدرسوں، گھروں، کارخانوں، حتیٰ کہ شادی حا لوں میں بھی بے شمار جگہ قرآن مجید تراویح میں سنایا جاتا ہے بے شمار مقامات پر چار چار، پانچ پانچ حافظ سننے اور سنانے کے فرائض سر انجام دے رہے ہوتے ہیں جہاں لوگوں میں اپنے بچوں کو ڈاکٹر، انجینئر، پا ئلٹ وغیرہ بنانے کا شوق ہے اب وہاں حافظِ قرآن بنانے کا رجحان تیزی سے بڑھ رہا ہے ہمیں اس پر اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرنا چاہیے کہ اب ایک ایک گھر میں کئی کئی حافظ قرآن موجود ہیں۔ ایک رپورٹ کے مطابق صرف پاکستان میں ایک کروڑ حفاظ کرام موجود ہیں گویا پاکستان میں ہر سترہواں آدمی حافظ قرآن ہے۔ مگر المیہ یہ ہے کہ آج کل بعض والدین بچے کو صرف حافظ قرآن تو بنا دیتے ہیں والدین سمجھتے ہیں کہ ہم نے تو اپنے بچے کو حافظ قرآن بنا کر دینداری کا حق ادا کر دیا ہے یہ بچہ ہماری بخشش اور نجات کے لئے کافی ہوگا قیامت کے روز یہ ہمیں ہاتھ پکڑ کر جنت میں لے جائے گا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے گمان کو سچا کرے ان کی امیدوں کو پورا کرے لیکن کچھ زمینی حقائق

بھی ہیں جن سے چشم پوشی خود کو دھوکہ دینے کے مترادف ہے یعنی والدین کو حفظ کرا دینے کے بعد مطمئن ہو کر ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر نہیں بیٹھ جانا چاہیے، بلکہ اب انہیں بچے کی دیکھ بھال اور فکر اس زاویئے سے کرنی چاہیے کہ کہیں بچہ دیگر مصروفیات کی وجہ سے قرآن مجید سے دور تو نہیں ہو رہا، آیا یہ باقاعدگی سے تلاوت کرتا ہے کہ نہیں، کہیں یہ قرآن مجید بھول تو نہیں جائے گا۔ پابندی سے باجماعت نماز پڑھتا ہے کہ نہیں کہیں ویڈیو گیم، کرکٹ یا کسی دوسرے کھیل یا موبائل کی مصروفیت میں اپنے اصل کاموں کو تو چھوڑ نہیں بیٹھا، کہیں غلط دوستوں میں تو نہیں گھرا ہوا۔ ایسا نہ ہو کہ ہم جس بچے سے یہ امیدیں باندھے بیٹھے ہیں کہ وہ ہماری بخشش اور نجات کا ذریعہ بنے گا وہ خود ہی مدد اور تعاون کا محتاج ہو جائے۔

اس بات کا مشاہدہ ہے کہ کئی بچے حفظ کرنے کے بعد دنیاوی تعلیم کے حصول میں ایسے لگے کہ آج ان کے پاس کچھ نہ رہا وہ حافظ ہو کر بھی حافظ نہیں رہے، زندگی کے کئی قیمتی سال صرف کر کے اس نعمتِ عظمٰی کو حاصل کیا، جس نعمت کے حصول کے لئے دن رات ایک کر دیئے، جس کے لئے ماں باپ نے ہر کام سے فارغ کر کے بس اسی کیلئے وقف کر دیا آج اسی نعمت سے محروم ہیں۔ یاد رہے اس میں بچے سے زیادہ والدین کا قصور ہے اس لئے کہ بچہ تو اپنا نفع ونقصان نہیں جانتا اور کچھ تھوڑا بہت جانتا بھی ہو تو بچے میں لا پرواہی زیادہ ہوتی ہے بچے کا ہاتھ پکڑ کر اسے زبردستی سیدھی راہ پر چلانا والدین کی ذمہ داری ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف کا مفہوم ہے تم میں سے ہر شخص اپنی رعایا کا جواب دہ ہے موجودہ دور میں عصری تعلیم تو انتہائی ضروری ہے اگر بچے کو حفظ کرانے کے بعد اسکول پڑھانا ہے تو ضرور پڑھائیں لیکن اسے غلط ماحول سے بچائیں، غلط دوستوں سے بچائیں، غلط صحبت سے بچائیں اب چاہے وہ بچہ ڈاکٹر بنے، پائلٹ بنے، انجینئر بنے، یا بزنس مین ہر کام میں وہ قرآن کی برکات کو اپنے سینے میں سمیٹے ہوئے بھرپور ترقی کرے گا۔ لیکن اگر حصولِ تعلیم کے دوران خدانخواستہ قرآن مجید سے دوری پیدا ہو گئی تو پھر ناکامی یقینی ہو جائے گی۔

28 مئی یوم تکبیر اور یوم تفاخر کا دن

یوم تکبیر ہر سال 28 مئی کو منایا جاتا ہے اور یہ وہ یادگار دن ہے جب پاکستان دنیا کے سامنے پہلی اسلامی ایٹمی قوت بن کر ابھرا اور پاکستان نے ایٹمی تجربات کر کے ملکی دفاع کو ناقابل تسخیر بنا دیا۔ یوم تکبیر 28 مئی 1998ء کے بھارت کے پانچ کے مقابلے میں چھ ایٹمی دھماکے کیئے جانے کی یاد تازہ کیا کرتی ہے۔ 28 مئی 1998 کے ایٹمی دھماکے چاغی کے پہاڑ کی جن سرنگوں میں کر کے قوم کا سر اس وقت کی حکومت نے سربلند کیا اس کے اگلے ہی سال کے موقع پر 28 مئی کے دن کو یوم تکبیر منانے کا سلسلہ شروع کر دیا گیا۔ پاکستان کے دنیائے اسلام کی پہلی ایٹمی طاقت بننے کے آج 22 برس مکمل ہوئے اور جب پاکستان نے بھارت کے 5 ایٹمی دھماکوں کا جواب 6 ایٹمی دھماکے کر کے دیا تھا اور دنیا کی ساتویں اور عالم اسلام کی پہلی ایٹمی قوت بن گیا، الحمداللہ۔ پاکستان کے دفاع کو ناقابل تسخیر بنانے کے جوہری عمل کا آغاز ذوالفقار علی بھٹو نے شروع کیا تھا جبکہ اس صلاحیت کے عملی اظہار کا دلیرانہ فیصلہ قائد نواز شریف نے عالمی دباؤ کو رد کرتے ہوئے کیا، تمام اکابرین قوم، ماہرین، سائنسدان، قابل قدر شخصیات اور افواج پاکستان کو سلام پیش کرتے ہیں، یوم تکبیر دراصل ہماری آنے والی نسلوں کی آزادی، خودمختاری اور مستقبل محفوظ بنانے کا ایک بڑا اہم دن ہے۔

28 مئی 1998ء کو پاکستان ایٹمی توانائی کمیشن نے چاغی پہاڑ کی سرنگوں میں پانچ ایٹمی دھماکے کر کے پاکستان کو دنیائے اسلام کی پہلی ایٹمی قوت اور دنیا کی ساتویں ایٹمی پاور بنایا 28 مئی 1998ء کو چاغی سے تقریباً ڈیڑھ سو کلو میٹر فاصلے پر ضلع خاران میں زمین کے اندر انتہائی گہری شافٹ جو پہلے سے تیار تھی اس میں چھٹا ایٹمی دھماکہ کامیابی سے کیا۔ 14 مئی 1998 کی صبح پاکستانی سائنسدان ڈاکٹر عبدالقدیر خان اور ڈاکٹر ثمر مبارک مند

وزیراعظم محمد نواز شریف کی صدارت ڈیفنس کمیٹی آف دی کیبنٹ کی ہنگامی میٹنگ میں بیٹھے ہوئے تھے کئی گھنٹوں دورانیے کے صلاح مشوروں کے بعد یہ فیصلہ وزیراعظم نواز شریف نے کیا کہ بھارت کو اس کے ایٹمی دھماکوں کا جواب پاکستان کو ایٹمی دھماکے کر کے دینا ہوگا۔وطن عزیز کی بقاء کے اس اہم کام کی ذمہ داری پاکستان ایٹمی توانائی کمیشن کی ٹیم کو دی گئی جس کی سربراہی ڈاکٹر ثمر مبارک مند کو سونپی گئی۔ابتدائی تیاریوں کے بعد 20 مئی 1998 کی رات کو نور خان ایئر بیس سے کئی خصوصی پروازوں کے ذریعے ایٹم بم کے دھماکوں کا ساز وسامان اور ایٹمی دھماکے کرنے والی ٹیم کے ارکان کو سمنگلی ایئر بیس کوئٹہ پہنچا دیا گیا۔جہاں سے ہیلی کاپٹروں کے ذریعے یہ سامان اور افرادی قوت چاغی رات بارہ بجے پہنچی۔ 21 مئی 1998 کی شام ایٹمی دھماکے کرنے کے کام کا آغاز ہوا۔ایٹمی دھماکے کامیابی سے کرنے سے پہلے کچھ اقدامات مکمل کرنے ہوتے ہیں۔دنیا کی دوسری طاقتیں ایسے اقدامات بارہ سے پندرہ ہفتوں میں مکمل کرتی ہیں لیکن پاکستان تقریبا 97 فیصد کام پہلے سے مکمل کر رکھا تھا۔اسی کا نتیجہ تھا کہ ایک ہفتے میں پوری تیاری ہوگئی اور ایٹمی دھماکے کرنے کیلئے 28 مئی کی تاریخ طے پائی۔ایٹمی دھماکوں کے بعد پاکستان دنیا کا ساتواں اور عالم اسلام کا پہلا جوہری قوت کا حامل ملک بن گیا۔بلوچستان کے پہاڑوں سے پاکستان کی عظمت کا اعلان ہوا تو دشمن کے عزائم خاک میں مل گئے۔چاغی کے پہاڑوں پر اللہ و اکبر کا نعرہ بلند ہوا جسے پوری دنیا میں سنا گیا اور وطن عزیز پر حملہ کی خواہش لیے بھارتی حکومت کو جیسے سانپ سونگ گیا۔یوم تکبیر کا نام ملتان کے انجینئر غضنفر عباس نے تجویز کیا تھا جسے سابق وزیراعظم نواز شریف نے بطور انعام سرٹیفکیٹ سے نوازا تھا۔غضنفر عباس اب اس دنیا میں تو نہیں رہے لیکن ان کا تجویز کردہ نام آج بھی پاکستانیوں کی زبان پر موجود ہے۔

اگر پاکستان کے پاس ایٹمی ہتھیار نہ ہوتے تو چین کو پاکستان سے ملانے والے شمالی علاقہ جات گلگت بلتستان خنجراب اور آزاد جموں وکشمیر پر قبضے کے عزائم پورے کر سکتا تھا مگر چونکہ پاکستان کے ایٹمی اثاثہ جات ایک طرف نیوکلیئر ڈیٹرنس ہیں،اسکے خوف سے بھارت اپنے ناپاک عزائم کو عمل جامہ پہنانے سے مسلسل قاصر ہے اور قاصر رہے گا۔یہ یوم تفاخر ہے اور ہماری قومی تاریخ کا انمٹ باب ہے۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ ایک نظر میں

سوشل میڈیا پر خبر چل رہی ہے کہ امیر المومنین خلیفہ ثانی حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کی شیعوں نے توہین کی۔اس واقعہ سے پوری مسلم دنیا بے چین ہوگئی ہے اس لعنتی ٹولے کے خلاف کاروائی کا سخت مطالبہ ہے۔شام کے ادلب میں حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ کا مقبرہ ہے۔خبر ہے کہ ایران نواز امامیہ اور نصیریہ شعیہ گروپ نے عمر بن عبد العزیز اور ان کی اہلیہ فاطمہ کی قبر کھود کر دونوں کے جسم کی توہین اور بے حرمتی کی ہے۔لاتوں سے مارا اور تھوکا ہے۔پھر پورے مقبرہ کو نذر آتش کر دیا ہے۔1400 سو سال بعد ان کی قبر کی بے حرمتی عالم اسلام کی تاریخ کا شرمناک اور افسوسناک واقعہ ہے۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کی شخصیت تعارف سے بے نیاز ہے، ادب و تاریخ کی کتب ان کے تدبر کے واقعات سے لبریز ہیں، ہمیشہ ان کی سیاست کامیاب و کامران رہی، وہ اپنے زمانے کے اہل اللہ اور مقرب الی اللہ تھے۔مسلمان حکمرانوں میں حضرت عمر بن عبد العزیز رحمتہ اللہ علیہ واحد حکمراں تھے کہ جن کے دورِ خلافت نے خلافتِ راشدہ کے دَور کی یادیں تازہ کیں۔انہوں نے وہی طرزِ عمل اختیار کیا، جو خلفائے اربعہ کا رہا تھا۔یعنی حقیقتاً باشندگانِ ریاست کے خادم کا کردار ادا کر کے دکھایا۔جب خلیفہ ولید نے حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کو مدینہ منورہ کا گورنر بنایا، تو آپ نے فرمایا کہ میں اسی شرط پر گورنری منظور کرتا ہوں کہ مجھے پہلے گورنروں کی طرح ظلم و استبداد پر مجبور نہ کیا جائے۔خلیفہ نے کہا: ”آپ حق و عدل پر عمل کریں خواہ خزانہ شاہی کو ایک پائی بھی نہ ملے“ آپ نے مدینہ منورہ پہنچ کر سب سے پہلے علماء و اکابر کو جمع کیا اور ان لوگوں کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کہ: ”اگر آپ لوگوں کو میری ریاست میں کہیں بھی، کسی پر بھی ظلم و ستم ہوتا ہوا نظر آجائے، تو خدا کی قسم مجھے

اس کی اطلاع ضرور کریں، جب تک آپ مدینہ کے گورنر رہے کسی شخص نے آپ سے عدل وانصاف، نیکی وبھلائی، سخاوت، فیاضی، ہمدردی وغمگساری اور خیر خواہی کے علاوہ کچھ نہیں دیکھا۔

عمر بن عبدالعزیز بن مروان بن حکم خلافت بنوامیہ کے آٹھویں خلیفہ تھے اور سلیمان بن عبدالملک کے بعد مسند خلافت پر بیٹھے۔ انہیں ان کی نیک سیرتی کے باعث چھٹا خلیفہ راشد بھی کہا جاتا ہے۔ عمر بن عبدالعزیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پردادا ہاشم کے جڑواں بھائی عبدشمس کی اولاد میں سے تھے۔ نام عمر بن عبدالعزیز بن مروان اور ابوحفص کنیت تھی۔ آپ کی والدہ کا نام ام عاصم تھا جو عاصم بن الخطاب کی صاجزادی تھیں گویا حضرت عمر فاروق کی پوتی ہوئیں اس لحاظ سے آپ کی رگوں میں فاروقی خون تھا۔ 61ھ/ 681ء کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ والد نے خدام کے ساتھ میں شہر نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھیج دیا۔ صالح بن کیسا کو ہدایت کی کہ عمر کی نمازوں کا خاص دھیان رکھنا۔ آپ اپنی عمر کے لڑکوں کے بجائے زیادہ تر بزرگوں کی صحبت میں رہے۔ تمام محدثین اور فقہا سے استفادہ کیا۔ ان میں سے انس بن مالک، عبداللہ بن جعفر، سائب بن یزید، سہل بن سعد، سعید بن مسیب، عروہ بن زبیر، ابوسلمہ بن عبدالرحمان، یحیٰی بن قاسم اور عامر بن سعد کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان کے والد مسلسل 21 برس مصر کے گورنر رہے۔ دولت وثروت کی فراوانی تھی لہذا ناز ونعم کے ماحول میں آپ کی پرورش ہوئی۔ جس کا اثر خلیفہ بننے تک قائم رہا۔ وہ ایک نفیس طبع خوش پوش مگر صالح نوجوان تھے۔ عہد شباب میں اچھے سے اچھا لباس پہنتے۔ دن میں کئی پوشاکیں تبدیل کرتے، خوشبو کو بے حد پسند کرتے، جس راہ سے گزر جاتے فضا مہک جاتی۔ ان ظاہری علامات کو دیکھ کر اس امر کی پیشگوئی نہیں کی جاسکتی تھی جو خلیفہ بننے کے بعد ظاہر ہوئے لیکن چونکہ طبیعت بچپن ہی سے پاکیزگی اور زہد وتقویٰ کی طرف راغب تھی اس لیے یہ ظاہری اسباب ونشاط ان کو قطعاً متاثر نہ کرسکے۔ ان کا دل ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور خوف سے لبریز رہا۔ پاکیزگی نفس اور تقدس آپ کی شخصیت کا ایک نہایت ہی اہم اور خصوصی وصف تھا۔

آپ کے والد نے آپ کی تعلیم وتربیت کی طرف خصوصی توجہ دی۔ مشہور عالم اور محدث صالح بن کیسان کو آپ کا اتالیق مقرر کیا۔ اس دور کے دیگر اہل علم مثلاً حضرت انس بن مالک، سائب بن یزید اور یوسف بن عبد

اللہ جیسے جلیل القدر صحابہ اور تابعین کے حلقہ ہائے درس میں شریک ہوئے۔بچپن ہی میں قرآن کریم حفظ کرلیا اور قرآن وحدیث اور فقہ کی تعلیم مکمل کر کے ایک خاص مقام حاصل کیا۔اسی تعلیم وتربیت کا نتیجہ تھا کہ آپ کی شخصیت ان تمام برائیوں سے پاک تھی جن میں بیشتر بنوامیہ مبتلا تھے۔نگرانی کا یہ عالم تھا کہ ایک بار عمر نماز میں شریک نہ ہو سکے استاد نے پوچھا تو آپ نے بتایا کہ میں اس وقت بالوں کو کنگھی کر رہا تھا استاد کو یہ جواب پسند نہ آیا اور فوراً والد والئ مصر سے شکایت لکھ دی وہاں سے ایک خاص آدمی انہیں سزا دینے کے لیے مدینہ آیا اور ان کے بال منڈا دیے اور ان کے بعد ان سے بات چیت کی۔آپ طبعاً صالح اور نیک تھے اس کی نشان دہی ان کے استاد صالح بن کیسان،عبدالعزیز کے ساتھ ایک ملاقات کے دوران ان الفاظ میں کر چکے تھے۔مجھے ایسے کسی آدمی کا علم نہیں،جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اس لڑکے سے زیادہ نقش ہو۔

بنی امیہ کی حکومت کے 92 سالہ دور میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خلافت کے ڈھائی سال تاریکی میں روشنی کی حیثیت رکھتے ہیں۔آپ جب خلیفہ بنے تو اس وقت حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما زندگی کے آخری حصے میں تھے،جو رشتے میں آپ کے نانا لگتے ہیں.ان کو خط لکھا اور عرض کی کہ مجھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکومت کے اصلاحات بھیجیں تا کہ اسے اپناؤں،حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اصلاحات بھیجی،اور ساتھ یہ بھی تحریر کیا،کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں عوام اصحابِ کرام رضی اللہ عنہم تھے،اس لئے ان حضرات پر ایسی اصلاحات لاگو کرنا آسان تھا،اس دور میں اگر تم ایسا کرنے میں کامیاب ہو گئے،تو یہ بہت بڑی بات ہوگی،کیونکہ ہر طرف حرص اور لالچ ہے۔

اور پھر آپ نے ثابت کر دیا کہ واقعی آپ عمر ثانی ہیں خود اپنی ذات اور اھل وعیال سے احتساب شروع کر کے اپنے دادا مروان اور چچا عبدالملک کی اولاد سے سرکاری املاک لے کر بیت المال میں جمع کی جن کے قبضے میں پورے پورے ملک تھے۔یہ کام انتہائی مشکل تھا اس لئے سارا خاندان دشمن بنا،آپ کا زمانہ خلافت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرح بہت ہی مختصر تھا۔لیکن جس طرح عہد صدیقی بہت اہم زمانہ تھا اسی طرح حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خلافت کا زمانہ بھی عالم اسلام کے لیے قیمتی زمانہ تھا۔حضرت عمر بن

عبدالعزیز کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ وہ خلافت اسلامیہ کو خلافت راشدہ کے نمونے پر قائم کر کے عہد صدیقی اور عہد فاروقی کو دنیا میں پھر واپس لے آئے تھے۔ جب آپ خلیفہ بنے تو آپ نے اعلان کیا کہ جو غیر مسلم اسلام قبول کرے اس کا جزیہ معاف ہوگا۔ اور فرماتے کہ رسول اللہ صل اللہ علیہ وسلم ہادی بنا کر بھیجے گئیں نہ کہ ٹیکس وصول کرنے تاریخ گواہ ہے کہ اس سال کوفہ سے سینکڑوں گنا ذیادہ جزیہ وصول ہوا۔

رجب 101ھ بمطابق جنوری 720ء میں آپ بیمار پڑ گئے۔ کہا جاتا ہے کہ بنو امیہ نے آپ کے ایک خادم کو ایک ہزار اشرفیاں دے کر آپ کو زہر دلوا دیا تھا۔ آپ کو علالت کے دوران ہی اس کا علم ہو گیا تھا لیکن آپ نے غلام سے کوئی انتقام نہ لیا بلکہ اشرفیاں اس سے لے کر بیت المال میں داخل کروا دیں اور غلام کو آزاد کر دیا۔ زہر دینے کی وجوہات میں ایک تو یہ بات شامل تھی کہ آپ خلفائے راشدین کی مانند خلافت کے امور چلاتے تھے۔ دوسرے یہ کہ ان کی وجہ سے بنو امیہ اپنی مخصوص مالی لوٹ مار نہیں کر سکے۔ کیونکہ حضرت عمر بن عبدالعزیز بیت المال کو مسلمانوں کی امانت سمجھتے تھے۔ طبیعت بہت خراب ہو گئی تو آپ نے اپنے بعد ہونے والے خلیفہ یزید بن عبدالملک کے نام وصیت لکھوائی جس میں انہیں تقویٰ کی تلقین کی۔ پھر اپنے بیٹوں کو پاس بلایا اور فرمایا: "اے میرے بچو! دو باتوں میں سے ایک بات تمہارے باپ کے اختیار میں تھی، ایک یہ کہ تم دولت مند ہو جاؤ اور تمہارا باپ دوزخ میں جائے، دوسری یہ کہ تمہارا باپ جنت میں داخل ہو، میں نے آخری بات پسند کر لی، اب میں تمہیں صرف خدا ہی کے حوالے کرتا ہوں۔ پھر فرمایا جب مجھے دفن کرو تو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے "ناخن اور موئے مبارک" میرے کفن کے اندر رکھ دینا، اسی وقت پیغام ربانی آ گیا اور زبانِ مبارک پر یہ آیات جاری ہو گئیں: ﴿تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا وَّلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ اور روحِ اطہر جسم سے پرواز کر گئی۔ اِنّا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کی وفات 40 سال کی عمر میں جمعہ کے دن 20/24 یا 25 رجب 101ھ کو ہوئی، آپ کی نماز جنازہ یزید بن عبدالملک نے پڑھائی (عقد الفرید) آپ کو گرجا کی خریدی ہوئی زمین میں دفن کیا گیا۔ چنانچہ 25 رجب 101ھ بمطابق 10 فروری 720ء کو آپ نے اپنا سفر حیات مکمل کر لیا۔ اس وقت آپ

کی عمر صرف 40 سال تھی۔ آپ کو حلب کے قریب دیر سمعان میں سپردخاک کیا گیا جو شام میں ہے۔ آپ کا دور خلافت انتہائی مختصر تھا مگر خیر و برکت اور انصاف کی ہمہ گیری کی وجہ سے لوگ بہت لمبا عرصہ شمار کرتے ہیں، بنوامیہ کے خلفاء تو بہت گزرے مگر دنیا نے صرف حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو اپنے سینوں میں جگہ دی، آج بھی آپ کی سیرت و کردار کا تذکرہ آنکھوں کی ٹھنڈک اور سکون قلب کا باعث ہے۔

مدارس امتِ مسلمہ کا سرمایہ اور اثاثہ ہیں

اعلامیہ اجلاس اکابرین مدارس اسلام آباد/ راولپنڈی (5 شوال المکرم 28 مئی 2020ء جمعرات) زیر سرپرستی مولانا پیر محمد عزیز الرحمان ہزاروی، زیر صدارت مولانا قاضی عبد الرشید صاحب، جامعہ اسلامیہ صدر میں منعقد ہوا جس میں علمائے کرام نے مدارس کی موجودہ صورتِ حال اور مدارس کے کھولنے کے سلسلے میں تفصیلی غور کیا گیا اور تفصیلی غور و فکر کے بعد 20 شوال سے مدارس کھولنے کا اعلان کیا اور کہا گیا کہ ہم مدارس کو مزید نہیں بند کر سکتے طلباء کا مستقبل خطرے میں پڑا ہوا ہے، طلباء کے آنے اور قرآن و حدیث کا علم حاصل کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمتیں بھی آئیں گی اور وطن عزیز کرونا سے بھی نجات پائے گا انشاء اللہ تعالیٰ اور کہا گیا کہ کرونا وبا کی وجہ سے اہل اسلام اور دینی مراکز سب سے زیادہ متاثر ہوئے۔ اس کے باوجود علمائے کرام نے حکومت کا بھرپور ساتھ دیا تاہم بدقسمتی سے جس طبقے نے زیادہ تعاون کیا اسے ہی زیادہ بدنام کرنے کی ناکام اور مذموم کوششیں کی گئیں۔ اگر دینی مدارس اور علماء کا تعاون شامل حال نہ رہتا تو یہ احتیاط حکومت کے بس کی بات نہیں تھی۔ حکومت کا علماء کے ساتھ رویہ مخاصمانہ رہا مگر علماء اشتعال میں نہیں آئے اور سنجیدگی اور تحمل کا مظاہرہ کرتے رہے لیکن اب حکومتی دوہرے معیار کی وجہ سے دینی حلقوں کا اضطراب بڑھتا جا رہا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا کہ جب بازار کھل سکتے ہیں، جلوس نکل سکتے ہیں، ٹرانسپورٹ سے پابندی ہٹائی جا سکتی ہے تو مدارس کیوں نہیں کھولے جا سکتے؟ ہم مدارس کی رونقیں واپس بہت جلد بحال کرنے کے لیے بھرپور کوششیں کریں گے۔ علماء نے ایس او پیز خود تیار کی ہیں جس طرح اس سے پہلے مساجد کے معاملے میں جملہ احتیاطی تدابیر پر عمل کیا گیا بالکل اسی طرح مدارس کے معاملے میں بھی تمام احتیاطی تدابیر اپنا کر مدارس میں تعلیم کا سلسلہ

شروع کریں گے۔انہوں نے کہا کہ موجودہ حالات میں مدارس کا کھولنا بہت ضروری ہے لہذا رحمت خداوندی کے حصول کے لیے مدارس کو فی الفور تعلیم شروع کرنے کی اجازت دے دی جائے۔اجلاس کے آخر میں مشترکہ اعلامیہ بھی جاری کیا گیا☆..کورونا وائرس سے پیدا شدہ صورت حال کی وجہ سے مدارس ومساجد میں حکومتی ایس او پیز پر مکمل عمل کیا جائے گا۔☆..بازار،ٹرانسپورٹ اور دیگر محکموں کی طرح مدارس کو بھی فی الفور کھولنے کی اجازت دی جائے☆..وبائی صورت حال میں حکومتی اداروں سے تصادم کی بجائے مذاکرات کا راستہ اپنایا جائے۔☆..وفاق المدارس العربیہ کا مدارس کھولنے کے حوالے سے مشترکہ کوششوں پر بھرپور اور مکمل اعتماد ہے اس سلسلے میں مزید بھی اکابرین کے تمام فیصلوں کی مکمل پاسداری کی جائے گی۔☆..اجلاس کے اختتام پر ملکی سالمیت،وبائی صورت حال سے بچاؤ اور مدارس ومساجد کے استحکام کے لیے مولانا پیر محمد عزیز الرحمان ہزاروی صاحب مدظلہم نے خصوصی دعا فرمائی۔

وطن عزیز پاکستان جو کہ اسلام کے نام اور کلمہ طیبہ کے نعرہ پر لاکھوں مسلمانوں کی جان ومال اور عزت کی قربانیاں دے کر معرض وجود میں آیا تھا جہاں دینی تعلیم کا انتظام ریاست کی ذمہ داری تھی وہاں اس کا انتظام کرنے والی دینی مدارس کو مختلف حیلے بہانوں سے تنگ اور ان دینی مدارس کا ناطقہ بند کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔دینی مدارس اور علماء ملک کی نظریاتی سرحدوں کے محافظ ہیں،دینی مدارس ہدایت کے سرچشمے،امن کے گہوارے اور اشاعت دین کا ذریعہ ہیں ان کا دہشتگردی،تخریب کاری سے کوئی تعلق نہیں ہے مغرب کا پروپیگنڈہ ان کے بارے میں بے بنیاد ہے ان دینی مدارس اور علماء کی وجہ سے آج نسل نو کا ایمان محفوظ ہے، دینی مدارس کے طلبہ وحدت کی نشانی اور اتحاد ویکجہتی کا عملی ثبوت ہیں یہ مختلف قومیتوں،صوبوں اور علاقوں سے تعلق رکھنے کے باوجود دینی مدرسہ کی ایک ہی چھت کے نیچے نورانی اور پاکیزہ ماحول میں اکھٹے رہتے،ایک ہی برتن میں کھاتے اور پڑھتے ہوئے نظر آئیں گے۔دینی مدارس نے کبھی بھی آئین وقانون کی مخالفت اور مدارس کو رجسٹرڈ و آڈٹ کروانے سے انکار نہیں کیا دینی مدارس کی رجسٹریشن اور ان کے بنک اکاؤنٹ کھلوانے میں خود حکومت رکاوٹ ہے،دینی مدارس ایک کھلی کتاب کی طرح ہیں اور ایک ایک پیسہ کا حساب موجود ہے۔انہی دینی مدرسوں

کے بارے میں شاعر مشرق علامہ محمد اقبال نے فرمایا تھا: ”ان مکتبوں کو اسی حالت میں رہنے دو، غریب مسلمانوں کے بچوں کو انہی مدارس میں پڑھنے دو، اگر یہ ملا اور درویش نہ رہے تو جانتے ہو کیا ہوگا؟ جو کچھ ہوگا میں انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھ آیا ہوں۔ اگر مسلمان ان مدرسوں سے محروم ہو گئے تو بالکل اسی طرح ہوگا جس طرح اندلس میں مسلمانوں کی آٹھ سو برس کی حکومت کے باوجود آج غرناطہ اور قرطبہ کے کھنڈرات اور الحمراء کے نشانات کے سوا اسلام کے پیروؤں اور اسلامی تہذیب کے آثار کا کوئی نقش نہیں ملتا، ہندوستان میں بھی آگرہ کے تاج محل اور دلی کے لال قلعے کے سوا مسلمانوں کی آٹھ سو سالہ حکومت اور ان کی تہذیب کا کوئی نشان نہیں ملے گا۔

ان مدارس کو چلانے والے مخلصین اور بہی خواہان دین وملت تنکے تنکے جمع کر کے اس ماحول میں جہاں تعلیم مہنگی سے مہنگی ہوتی جا رہی ہے، طلبا کے لیے نہ صرف یہ کہ مفت تعلیم کا انتظام کرتے ہیں، بلکہ نادار طلبا کے کھانے کا بھی انتظام کرتے ہیں اور خاص حالات میں ان کی دیگر ضروریات کا بھی خیال رکھتے ہیں، کتابیں تک مفت مہیا کی جاتی ہیں، پھر انہی طلبا میں سے اچھی خاص تعداد ایسی نکلتی ہے، جو دعوت واصلاح کے کام میں لگ جاتے ہیں، ایک معتد بہ تعداد مدارس میں تعلیم وتربیت کا کام انجام دیتی ہے، ان میں وہ بھی ہوتے ہیں جو اپنے علاقہ کی بنجر زمین میں عقیدہَ توحید اور دین وایمان کا بیج بوتے ہیں، ایسے بھی ہوتے ہیں، جو دوسرے کالجوں اور یونی ورسٹیوں میں پہنچ کر اسلامی شناخت کو باقی رکھنے میں بڑا کردار ادا کرتے ہیں، اگر ان کی ظاہری وضع قطع میں اہل دین کی نظروں میں کچھ کمی محسوس ہوتی ہے تو اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ان کے دلوں میں دینی جذبات واحساسات موجزن رہتے ہیں، ان میں وہ جواں مرد بھی ہوتے ہیں جو دوسرے ملکوں میں دین وایمان کی قندیل روشن کرتے ہیں، اسلام کا تعارف کراتے ہیں۔ کم سے کم درجہ ہوتا ہے کہ مدارس میں آنے والے کا ایمان وعقیدہ محفوظ ہو جاتا ہے جو عمر کے کسی دور میں شعلہ جوالہ بن کر بھڑک اٹھتا ہے۔ ایک اور پہلو سے غور فرمایا جائے کہ اسلام صرف مسجد اور اذکار تک محدود نہیں ہے، اس لیے زندگی کے دوسرے شعبوں میں، پیدائش سے لے کر موت کے مسائل میں، راہ نمائی کہاں سے حاصل ہوتی ہے؟ حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد، خرید وفروخت، گھریلو مسائل، اولاد کی تعلیم وتربیت، ملنے جلنے اور ایک دوسرے کے ساتھ حسن

سلوک کرنے، نمازیوں کی امامت اوران کو روزمرہ کے مسائل سے کون واقف کراتا ہے؟ اگر یہ نہ ہوتو کیا قومی نام کے علاوہ مسلمانوں میں کوئی اسلامی بات پائی جاسکتی ہے؟ جو اصل مقصد زندگی ہے۔

مدارس امتِ مسلمہ کا سرمایہ اوراثاثہ ہیں موجودہ ایک سال میں وفاق المدارس العربیہ پاکستان سے ملحق مدارس وجامعات میں قرآنِ کریم کے جو حافظ تیار ہوئے ان کی تعداد اٹھتر (78) لاکھ ہے جن میں چودہ (14) ہزار طالبات ہیں جنہیں حفظِ قرآن کی سعادت حاصل ہوئی، اور انتیس (29) ہزار عالم تیار ہوئے جن میں اٹھارہ (18) ہزار چارسو پچانوے طالبات ہیں جو عالمہ بنی ہیں۔ الغرض دینی مدارس، سراپا امن وسلامتی ہیں اس کا کردار ماضی میں بھی صاف ستھرا اور روشن تھا آج بھی ہے اور آئندہ بھی رہے گا درحقیقت دینی مدارس، ایک ایسا مشعل ہیں جس کی روشنی میں امن کا شہر قائم کیا جاسکتا ہے اور پرامن معاشرہ کی تکمیل ہوسکتی ہے آج اس کی ضرورت ہے اب یہ ضروری ہوگیا ہے کہ اس ضرورت کو ضروری اور لازم سمجھا جائے۔" مادیت کے اس امڈتے ہوئے سیلاب میں آج اگر" قال اللہ وقال الرسول" کی صدائیں بلند ہورہی اور بڑھتی جارہی ہیں تو یہ ان دینی مدارس اوراس میں پڑھنے، پڑھانے والوں کا ہی "فیضان" ہے، یہ دینی مدارس اسلام کی پناگاہیں اور ہدایت کے سرچشمے ہیں اور یہ دین کی ایسی روشن مشعلیں ہیں کہ جن کی کرنیں ایک عالم کومنوّر کررہی ہیں اور قیامت تک کرتی رہیں گی۔ انشاءاللہ دعا ہے کہ اللہ تعالی ہماری مساجد، مدارس اورحرمین شریفین کی ان رونقوں کو بحال فرمائیں جنہیں دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی ہوتی تھیں اوردل روحانی مسرتوں سے لبریز ہوجاتے تھے اوراللہ تعالی اس آزمائش میں ہم سب کوتوبہ وانابت کی توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین)

مسواک کے ستر (70) فوائد

انتخاب......قاری محمد اکرام اوڈھروال ضلع چکوال

(1) رحمٰن کی خوشنودی ہے،(2) مسواک کی نماز کا ثواب ۔ 99 /گنا اور بعض کتابوں کے مطابق -/440 /گنا تک بڑھ جاتا ہے ۔(3) اس کا ہمیشہ کرنا وسعت رزق کا باعث ہے ۔(4) اسباب رزق کی سہولت کا ۔ باعث ہے ۔(5) منہ کی صفائی ہے ۔(6) مسوڑھا مضبوط کرتی ہے ۔(7) سر کے درد کو دور کرتی ہے ۔(8) سر کی رگوں کے لئے مفید ہے ۔(9) بلغم دور کرتی ہے ۔(10) دانت مضبوط کرتی ہے ۔(11) مالداری لاتی ہے ۔(12) نگاہ تیز کرتی ہے ۔(13) معدہ درست کرتی ہے ۔(14) بدن کو طاقت پہنچاتی ہے ۔(15) فصاحت و بلاغت پیدا کرتی ہے ۔(16) یاد داشت بڑھاتی ہے ۔(17) عقل کی زیادتی کا باعث ہے ۔(18) دل کو صاف رکھتی ہے ۔(19) نیکیوں کو زائد کرتی ہے ۔(20) فرشتوں کو خوش رکھتی ہے ۔(21) چہرے کے منور ہوجانے کی وجہ سے فرشتے مصافحہ کرتے ہیں ۔(22) جب وہ نماز کو جاتا ہے تو فرشتے اس کے ساتھ چلتے ہیں ۔(23) مسجد کی طرف جاتے وقت حاملین عرش فرشتے اس کے لئے استغفار کرتے ہیں ۔(24) مسواک کرنے والے کو انبیاء و پیغمبر علیہم السلام کی دعاء و استغفار ملتی ہے ۔(25) شیطان کو ناراض اور اسے دور کرنے والی ہے ۔(26) ذھن کو صاف کرنے والی ہے ۔(27) کھانا ہضم کرنے والی ہے ۔(28) کثرت اولاد کا باعث ہے ۔(29) پلصراط پر بجلی کی طرح گذارنے والی ہے ۔(30) بڑھاپا دیر سے لاتی ہے ۔(31) نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں دلاتی ہے ۔(32) جسم کو عبادت الٰہی پر ابھارتی ہے ۔(33) جسم کی گرمی کو دور کرتی ہے ۔(34) بدن کے درد کو دور کرتی ہے ۔(35) کمر یعنی پیٹھ مظبوط کرتی ہے ۔(36) موت کے

وقت کلمۂ شہادت یاد دلاتی ہے۔(37)روح کے نکلنے کو آسان کرتی ہے۔(38)دانتوں کو سفید کرتی ہے۔(39)منہ کو خوشگوار بناتی ہے۔(40)ذہن تیز کرتی ہے۔(41)اس سے قبر میں کشادگی ہوتی ہے۔(42)قبر میں انس کا باعث ہے۔(43)مسوک نہ کرنے کے برابر لوگوں کا ثواب ملتا ہے۔(44)اس کے لئے جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔(45)فرشتے ان کی تعریف کرتے ہوے کہتے ہیں یہ لوگ انبیاء علیہم السلام کے نقش قدم پر چلنے والے ہیں۔(46)اس پر جہنم کا دروازہ بند کر دیا جاتا ہے۔(47)دنیا سے وہ پاک وصاف ہو کر جاتا ہے۔(48)فرشتے موت کے وقت اس طرح آتے ہیں جس طرح اولیاء کرام کے پاس آتے ہیں بعض عبارات میں ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی طرح آتے ہیں۔(49)اس وقت تک دنیا سے اس کی روح نہیں نکلتی جب تک کہ وہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے حوض مبارک سے رحیق مختوم کا گھونٹ نہیں پی لیتا۔(50)منہ کی بدبو ختم کرتی ہے۔(51)بغل کی بدبو ختم کرتی ہے۔(52)جنت کے درجات بلند کرتی ہے۔(53)سنت کا ثواب ہے۔(54)ڈاڑھ کا درد دور ہوتا ہے

(55)شیطان کے وسوسوں کو دور کرتی ہے۔(56)بھوک پیدا کرتی ہے۔(57)(جسم کی)رطوبت ختم کرتی ہے۔(58)مادۂ منویہ گاڑھا کرتی ہے۔(59)آواز خوبصورت کرتی ہے۔(60)پت کی تیزی کو بجھاتی ہے۔(61)زبان کے میل کو دور کرتی ہے۔(62)حلق صاف کرتی ہے۔(63)ضرورتوں کے پورا ہونے میں مددگار ہے۔(64)منہ میں خوشبو پیدا ہوتی ہے۔(65)درد کو سکون دیتی ہے۔(66)موت کے علاوہ ہر مرض سے شفاء ہے۔(67)جسم کا رنگ نکھارتی ہے۔(68)چہرے کو با رونق بناتی ہے۔(69)بال اُگاتی ہے۔(70)(مسواک کا عادی)جس دن مسواک نہ کرے اس دن بھی اجر لکھا جاتا ہے۔

سچے نبی کی نشانیاں

انتخاب......قاری محمد اکرام

بدنام زمانہ قادیانی مبلغ اللہ دتہ جالندھری کو باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت ایک قصبہ میں بھیجا گیا۔ قصبہ میں پہنچتے ہی اس نے حجاموں کی دکانوں، ہوٹلوں، آڑھت گاہوں اور دیگر پبلک مقامات پر بیٹھنا شروع کر دیا۔ جہاں چار آدمی اکٹھے دیکھتا قادیانیت کی بحث شروع کر دیتا کسی قادیانی لڑکے کو بھیج کر اسکول و کالج کے طلبہ میں قادیانی لٹریچر تقسیم کرا دیتا، لوگ اس کی تخریبی کاروائیوں سے بہت تنگ تھے۔ اکادکا مسلمان اس کی بحث میں دلچسپی بھی لینے لگے۔ وہ جگہ جگہ مسلمانوں میں مناظرے بھی کرتا پھرتا تھا، جس سے تشویش پیدا ہوئی کہ کہیں اس علاقے میں ارتداد نہ پھیل جائے۔ قصبہ کے چند حساس لوگوں نے ایک میٹنگ میں فیصلہ کیا کہ اس قادیانی مبلغ سے ایک فیصلہ کن مناظرہ کے لئے مبلغ اسلام اور مناظر حضرت مولانا محمد علی جالندھری صاحب کو بلایا جائے جس میں قادیانیت اور قادیانی مبلغ کو عبرت ناک شکست دی جائے، تاکہ اس علاقے کے مسلمان قادیانیت اور قادیانی مبلغ جیسی لعنتوں سے چھٹکارا حاصل کرسکیں۔

چنانچہ دو آدمیوں کو فوری طور پر مولانا صاحب کو لینے ملتان بھیج دیا گیا۔ دو دن بعد مناظر اسلام مولانا محمد علی جالندھری صاحب قصبے میں تشریف لا چکے تھے۔ اگلے دن عصر کے بعد مناظرے کا اعلان کر دیا گیا قصبے کے کھیل کے میدان میں اسٹیج لگایا گیا۔ مناظر اسلام کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے قصبے اور ارد گرد کے دیہاتوں میں پھیل چکی تھی لوگ جوق در جوق مناظرہ سننے کے لئے آرہے تھے، عصر کی نماز تک پورے میدان میں دور دور تک سر ہی سر نظر آرہے تھے، عصر کی نماز مولانا کی امامت میں میدان میں ہی ادا کی گئی۔ نماز کے فوراً بعد اللہ دتہ جالندھری جو قادیانی مربی بھی تھا قادیانیوں کی معیت میں مناظرے کے

لئے آپہنچا مولانا محمد علی جالندھری نے قادیانیوں کی کتابوں کا صندوق جوملتان سے لائے تھے منگوا کر اسٹیج پر کھ لیا۔ پاسبان ختم نبوت مولانا محمد علی نے مجمع سے مخاطب ہو کر فرمایا، پچھے دار اور پیچ دار گفتگو نہ خود کروں گا اور نہ ہی اپنے حریف کو کرنے دوں گا سیدھی سادھی اور دوٹوک گفتگو ہوگی۔

اور اللہ دتہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا اگر تم میرے چند سوالوں کے جواب دے دو تو میں تمہارے موقف کا قائل ہوں جاؤں گا، انہوں نے پہلا سوال کرتے ہوئے فرمایا نبی کا نام ہمیشہ مفرد ہوتا ہے جیسے آدم، نوح، شیث، یوسف، دانیال، ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، موسیٰ، ہارون، عیسی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم علیہم السلام لیکن مرزا قادیانی کا نام غلام احمد مرزا قادیانی یعنی مرکب کیوں ہے؟ اللہ دتہ جالندھری آئیں بائیں شائیں کرنے لگا، لیکن حاضرین نے اس کی دلیل کو صحیح نہ مانا تو وہ زچ ہو کر نیچے بیٹھ گیا۔

مولانا محمد علی جالندھری نے اپنا دوسرا سوال کرتے ہوئے کہا کہ کسی نبی کا دنیا میں کوئی استاد نہیں ہوتا جو اس کی تعلیم اور تربیت کا اہتمام کرے جبکہ مرزا قادیانی کے تو بہت سے استاد تھے جن سے وہ تعلیم لیتا رہا اور بعض اوقات سبق یاد نہ ہونے پر مرغا بھی بنتا رہا اور استادوں کے ہاتھوں پٹائی بھی ہوتی رہی، نبی دینا والوں کو علم سکھانے آتا ہے سیکھنے نہیں آتا ہر نبی اپنے وقت میں علم کے اونچے درجے پر فائز ہوتا ہے انہوں نے اللہ دتہ جالندھری کو چیلنج کرتے ہوئے کہ اگر دنیا میں کسی نبی کا کوئی استاد ہو تو بتاؤ اگر نہیں تو یہ بتاؤ کہ مرزا قادیانی کے استاد کیوں تھے؟ اس پر اللہ دتہ جالندھری صرف بغلیں جھانکتا رہ گیا اور لوگوں نے کذاب کذاب کے آوازے کسے۔

مولانا محمد علی جالندھری نے تیسرا سوال کیا ہر نبی اپنے وقت میں سب سے حسین ہوتا ہے دنیا میں کوئی انسان نبی کے حسن و جمال کا ہمسر نہیں ہوسکتا اللہ دتہ نے فوراً اس بات کی تائید کی جس پر مولانا محمد علی جالندھری نے صندوق سے مرزا قادیانی کی درجنوں تصاویر نکال کر مجمع میں تقسیم کروا دیں اور حاضرین سے فرمایا یہ رہی مرزا قادیانی کی تصویر اور اپنی گرج دار آواز میں کہا کہ دعوے سے کہتا ہوں کہ اس مجمع کا ہر انسان مرزا قادیانی سے زیادہ خوب صورت ہے، اس پر لوگوں نے بھرپور تائید کی بے شک بے شک۔ پھر

مولانا محمد جالندھری نے اپنا روئے سخن اللہ دتہ کی طرف پھیرتے ہوئے فرمایا اللہ دتہ اللہ! پاک کو حاضر ناظر جان کر بتا کیا تو اس سے زیادہ خوب صورت نہیں؟ اور یقینا تو اس سے زیادہ خوب صورت تو ہے۔ پھر تیرا نبی کیسے؟ اللہ دتہ جالندھری پر اوس پڑ گئی۔

مولانا نے چوتھا سوال کرتے ہوئے کہا بتاؤ مرزا قادیانی کی ذات کیا تھی؟ اللہ دتہ نے جھٹ جواب دیا مغل۔ مولانا اپنے شکار کو اپنے پھندے میں پھانس چکے تھے انہوں نے فوراً قادیانی کتابوں سے حوالہ جات عوام کو دکھانے شروع کیے، انہوں نے کہا:

☆......دیکھئے مرزا قادیانی نے اپنی کتاب (کتاب البریہ کے صفحہ 134) پر اپنی ذات برلاس (مغل) لکھی ہے۔ اس کتاب کی صفحہ 135 پر حاشیے میں لکھتا ہے کہ میرے الہامات کی رو سے ہمارے آبا اولین فارسی تھے۔

اپنی کتاب ایک غلطی کا ازالہ کے صفحہ پر 14 پر لکھتا ہے میں اسرائیلی بھی ہوں اور فاطمی بھی اپنی تصنیف تحفہ گولڑویہ کے صفحہ 40 پر لکھتا ہے میرے بزرگ چینی حدود سے پنجاب آئے تھے۔

☆......اپنی کتاب نزول مسیح کے صفحہ 50 پر لکھتا ہے میں بنی فاطمہ سے ہوں میری بعض دادیاں مشہور اور صحیح النسب سادات میں سے تھیں، پھر ہندو ہونے کا اعلان کرتا ہے، کرشن میں ہی ہوں۔

☆......تذکرہ صفحہ 381، پھر سکھ ہونے کا اعلان کرتا ہے، امین الملک جے سنگھ بہادر تذکرہ صفحہ 472، پھر انہوں نے عوام کو مخاطب کرتے ہوئے کہا آپ نے زندگی میں کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا ہے جس کی اتنی ذاتیں ہوں جو شخص اپنی ذات کے بارے میں اتنے جھوٹ بول سکتا ہے وہ اپنی شخصیت کے بارے میں کتنے جھوٹ بولتا ہوگا۔ اور اتنے جھوٹے شخص کو نبوت کا دعویٰ کرتے ہوئے شرم بھی نہ آئی؟

☆......مولانا کے تابڑ توڑ حملوں سے اللہ دتہ اسٹیج پر ساکت اور جامد بیٹھا تھا جیسے اس کے منہ میں زبان ہی نہ ہو۔

مولانا نے اپنا پانچواں سوال کرتے ہوئے کہا، نبی شریف ہوتا ہے وہ حیا اور شرافت کا پیکر ہوتا ہے

اس کی گفتگو اعلیٰ اخلاق کا نمونہ ہوا کرتی ہے اس کے منہ سے نکلے الفاظ چراغ بن کر معاشرے میں ایمان کی روشنی پھیلاتے ہیں ان کے منہ کے جملے بادِ خوشبو بن کر دنیا کو معطر کرتے ہیں، کسی نبی کے منہ سے بے ہودہ اور لچر گفتگو کے بارے میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کائنات کا نظام زیروزبر ہو سکتا ہے لیکن کسی نبی کے منہ سے گالی نہیں نکل سکتی، مولانا نے اللہ دتہ سے پوچھا کیوں بھئی ٹھیک کہا ہے ناں؟

☆...... پھر مولانا نے حاضرین مناظرہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ مرزا قادیانی کے منہ سے ساری زندگی گالیوں کی برسات لگی رہی اس نے وہ وہ گالیاں دی ہیں کہ ابھی تک انسانیت دم بخود ہے، حیا سر پیٹ رہی ہے، شرافت منہ چھپائے بیٹھی ہے، اخلاق کا دامن تار تار ہے۔ پھر مولانا نے عقاب کی سی پھرتی سے صندوق میں ہاتھ ڈالا اور مرزا قادیانی کی بہت سی کتابیں اسٹیج پر رکھیں اور عوام کو مرزا قادیانی کی گالیوں کے حوالے سنانے شروع کیے مجمع سے بار بار لعنت لعنت کی صدا بلند ہوتی رہی وہ حوالے ناقابل بیان ہیں صرف ایک حوالہ پیش خدمت ہے۔

☆...... ہر مسلمان مجھے قبول کرتا ہے اور میرے دعوے پر ایمان لاتا ہے مگر زنا کار کنجریوں کی اولاد جن کے دلوں پر خدا نے مہر لگا دی وہ مجھے قبول نہیں کرتے، آئینہ کمالات اسلام صفحہ 547۔

☆...... پھر مولانا نے اللہ دتہ کی طرف پلٹتے ہوئے اس سے جواب مانگا تو وہ لبوں پر مہر سکوت لگائے بیٹھا تھا۔ مولانا کے پیہم حملوں نے اس سے قوتِ گویائی چھین لی تھی، اس کے سر سے دماغ نوچ لیا تھا یوں محسوس ہوتا تھا وہاں اللہ دتہ نہیں ہے۔ اللہ دتہ کا بت پڑا ہے اس کی مکمل خاموشی اس کے شکست کا اعلان کر رہی تھی۔ چند سیکنڈ کے توقف کے بعد فضا نعرۂ تکبیر اللہ اکبر سے گونج اٹھی عوام فلک شگاف نعرے لگا رہے تھے، حق جیت گیا باطل ہار گیا، مجاہدین ختم نبوت سرفراز ہوئے، کفر سرنگوں ہوا، اسلام کا بول بالا ہوا، قادیانیت کا منہ کالا ہوا، مسلمانوں کے چہرے خوشی سے دمک اٹھے اور وجد و کیف میں مسلمانوں نے وہ نعرہ بازی کی کہ سارا قصبہ گونج اٹھا، ادھر اللہ دتہ جالندھری کو قادیانی لیے ہوئے یوں چلے جا رہے تھے جیسے اللہ دتہ کا جنازہ لے جا رہے ہوں۔

فاتح قادیانیت مولانا محمد علی جالندھری جب اگلے دن ملتان کے لئے قصبے سے روانہ ہونے لگے تو لوگ انتہائی عقیدت ومحبت سے انہیں اسٹیشن چھوڑنے آئے اور مولانا کو رخصت کیا رخصت کرتے وقت ان کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ گارڈ نے سیٹی بجائی اور مولانا گاڑی میں سوار ہو گئے اچانک ان کی نظر اللہ دتہ پر پڑی جو اسی گاڑی کے اگلے ڈبے میں سوار ہو رہا تھا گاڑی اپنی منزل پر روانہ ہوگئی، اسٹیشن پر کھڑے لوگوں نے پرنم آنکھوں کے ساتھ اپنے محسن کو الوداع کہا تقریباً بیس منٹ کی مسافت کے بعد جب گاڑی اگلے اسٹیشن پر رکی تو مولانا اپنے ڈبے سے اتر کر اگلے ڈبے میں اللہ دتہ کے پاس چلے گئے اور اس کے ساتھ نشست پر بیٹھ گئے، اللہ دتہ چونک گیا، مولانا نے فرمایا گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں میں تم سے ایک ضروری بات کہنے آیا ہوں اس وقت ہماری گفتگو میں میری اور تیرے سوا کوئی تیسرا نہیں، اللہ دتہ! تم ایک پڑھے لکھے اور سمجھ دار آدمی ہو خدا کو حاضر ناظر جان کر اور جہنم کو آنکھوں کے سامنے رکھ کر بتانا کیا مرزا قادیانی اللہ کا نبی تھا؟

اللہ دتہ: نہیں

مولانا: کیا وہ مسیح مدعو تھا؟

اللہ دتہ: نہیں

مولانا: کیا وہ امام مہدی تھا؟

اللہ دتہ: نہیں

مولانا: کیا اس پر وحی اتری تھی؟

اللہ دتہ: نہیں

مولانا: کیا اس کی بیوی ام المؤمنین اور اس کے ساتھی صحابہ تھے؟

اللہ دتہ: نہیں

مولانا: تو پھر کیوں قادیانیت کے پیروکار اور کیوں اللہ کی مخلوق گمراہ کر رہے؟

اللہ دتہ: مولانا مجھے اس کام کے پانچ ہزار روپے ماہوار ملتے ہیں۔آپ مجھے دس ہزار روپے دے دیں میں آپ کی طرف آتا ہوں اللہ دتہ نے ایک زوردار شیطانی قہقہہ لگاتے ہوئے کہا اور مولانا محمد علی جالندھری انگشت بدنداں رہ گئے۔

......☆از علمائے دیوبند کے مناظرانہ لطائف تالیف مولانا محمد ثناء اللہ سعد شجاع آبادی☆......

ایک کے بدلے دس

ایک بار حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بیمار ہوگئیں ۔اور انہوں نے انار کھانے کی خواہش کی، حضرت علی رضی اللہ عنہ بازار تشریف لے گئے، اور چوں کہ جیب خالی تھی اس لیے ایک درہم کسی سے قرض لے کر انار خریدا، واپسی پر راستے میں ایک بیمار پڑا دیکھا اس سے پوچھا کوئی چیز کھانے کو تیرا دل چاہتا ہے، اس نے کہا انار کھانے کو دل چاہتا ہے ۔آپ رضی اللہ عنہ نے انار اسے دے دیا، اور خود خالی ہاتھ گھر واپس آئے تو کچھ شرمندہ سے تھے ۔حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا آپ (رضی اللہ عنہ) شرمندہ نہ ہوں میں اللہ کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ آپ (رضی اللہ عنہ) نے جس وقت اس بیمار کو انار کھلایا اسی وقت میرا دل انار سے بھر گیا اور مجھے صحت بھی ہوگئی ۔حضرت علی رضی اللہ عنہ خوش ہو گئے ۔اتنے میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ایک سینی لیے حاضر ہوئے اور کہا کہ رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کیلئے ہدیہ بھیجا ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب اس کو کھولا تو اس میں نو انار تھے، دیکھ کر فرمایا کہ اگر میرے لیے آتے تو دس آتے (کیونکہ اللہ کا ایک پر دس دینے کا وعدہ ہے) تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ مسکرائے اور ایک انار اپنی آستین سے نکال کر دیا اور کہا میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں اس میں دس انار تھے فقط آپ کو آزمانے کیلئے میں نے ایک انار نکال لیا تھا۔(از: ندائے منبر ومحراب)

تین بدری فرشتے

فرشتوں کا جہاد وقتال میں شریک ہونا آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے پہلے معلوم ہو چکا ہے لیکن روایات حدیث سے صرف تین فرشتوں کے نام معلوم ہوسکے ہیں جو ہدیہ ناظرین ہیں:......

(۱)......افضل الملائکہ سیدنا جبرائیل علیہ السلام

(۲)......سیدنا میکائیل علیہ الصلاۃ والسلام

(۳)......سیدنا اسرافیل علیہ الصلاۃ والسلام

......☆(از سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم، مؤلف فقیہ العصر مفتی عبدالستار رحمۃ اللہ علیہ)☆......

’عیسائی خاتون‘‘

70 سال پہلے ایک عیسائی خاتون ہندوستان آئی۔ وہ پیدائشی طور پر عیسائی تھی۔ اس نے اپنے مذہت کا خوب مطالعہ کیا تھا لیکن اس نے کبھی روحانی سکون محسوس نہیں کیا تھا۔ یہی بے سکونی آخرا سے ہندوستان لے آئی۔ ہندوستان میں آکر اس نے ہندوؤں کے مذہب کا مطالعہ کیا مگر اس نے بالکل اطمینان محسوس نہ کیا۔ آخر قرآن کریم کی طرف متوجہ ہوئی۔ قرآن میں اسے صرطِ مستقیم نظر آیا روح کو سکون ہو گیا، اور زیادہ تحقیق کے لئے دارالعلوم گئی۔ وہاں مولانا سید حسین احمد مدنی سے ملاقات ہوئی اور ایک ہی ملاقات میں دل سے اسلام قبول کرلیا۔ مولانا کے ساتھی مولانا عزیزگل سے قرآن کریم کی تعلیم حاصل کی۔ انہی دنوں مولانا عزیزگل کی اہلیہ محترمہ انتقال کرگئیں۔ یہ خاتون ان کے نکاح میں آگئیں اور پورے تیس سال تک ایک سچے مسلمان کی طرح بسر کیے۔ تمام شرعی حدود کا خیال رکھتی تھی۔ 16 دسمبر 1966 کو انتقال کرگئیں۔

آپ کی سخا کوٹ ضلع مردان کے قریب ’’میاں کلے‘‘ میں ہے چونکہ محترمہ کو قرآن سے نورِ ہدایت ملا تھا۔ لہٰذا دونوں میاں بیوی نے تیس سال کی سخت محنت سے قرآن کا انگریزی میں ترجمہ بھی کیا۔ ان کا یہ ترجمہ دوسرے انگریزی ترجموں میں نمایاں مقام رکھتا ہے۔ (تذکرۃ المفسرین)

کورونا وائرس کی وبا

خبر ہے کہ وزیر اعظم عمران خان کی زیر صدارت قومی رابطہ کمیٹی کا اجلاس پیر 1 جون 2020 قومی رابطہ کمیٹی کا صرف ہفتہ اور اتوار کو لاک ڈاؤن کا فیصلہ قومی رابطہ کمیٹی نے ملک میں ہفتہ اور اتوار کو لاک ڈاؤن کا فیصلہ کرلیا، جمعہ کو بھی دکانیں کھلی رکھی جائیں گی، مارکیٹیں اور دکانیں کھولنے سے متعلق اوقات کار میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی۔ وزیر اعظم عمران خان کی زیر صدارت قومی رابطہ کمیٹی کا اجلاس ہوا، جس میں لاک ڈاؤن میں نرمی اور پبلک ٹرانسپورٹ اور دکانیں کھولنے سے متعلق تجاویز کا جائزہ لیا گیا۔ اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ جمعہ کو بھی دکانیں کھلی رکھی جائیں، جبکہ لاک ڈاؤن صرف ہفتہ اور اتوار کو ہوا کرے گا۔ یعنی ہفتہ اور اتوار کو دکانیں اور مارکیٹس بند رکھی جائیں۔ مارکیٹیں اور دکانیں کھولنے سے متعلق اوقات کار میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی۔

کورونا وائرس کی وبا پوری دنیا میں پھیلی ہوئی ہے۔ یہ شدید متعدی مرض ملنے جلنے، ہاتھ لگانے اور چھونے سے پھیلتا ہے۔ لاکھوں افراد اس سے متاثر ہیں اور ہزاروں اس میں مبتلا ہو کر ہلاک ہو چکے ہیں۔ اس وبا کے نتیجے میں لوگ بہت سے مسائل کا سامنا کر رہے ہے کورونا وائرس کی وبا کی مزید روک تھام کے لیے اسفار پر پابندی، قرنطینہ، کرفیو، تالا بندی، اجتماعات اور تقریبوں کا التوا یا منسوخی، عبادت گاہوں اور سیاحتی مقامات کو مقفل کر دینے جیسے اقدامات کیے جا رہے ہیں۔ اس وبا نے عالمی سطح پر معاشرتی اور معاشی صورت حال کو سخت مضطرب کر رکھا ہے ضروری اشیا کی قلت کے خوف سے خریدار بدحواس ہیں اور دیہاڑی مزدوروں کی روزی چھن چکی ہے۔ علاوہ ازیں وائرس کے متعلق سازشی نظریوں اور گمراہ کن معلومات کی آن لائن اشاعت زوروں پر ہے، کورونا وائرس کو کچھ لوگ دنیا کی سب سے بڑی تباہی کا پیش خیمہ سمجھتے ہیں بلکہ اس کو قرب قیامت کی دستک تک قرار دے رہے ہیں۔ اس کے برعکس ایسے لوگ بھی ہیں جو مختلف بنیادوں پر اس طرز فکر کی

مخالفت کر رہے ہیں مثلاً ان میں سے کسی کی دلیل یہ ہے کہ یہ چینی مصنوعات کو بدنام کر کے اپنے سب سے بڑے معاشی حریف کو میدان سے باہر کرنے کی امریکی سازش ہے۔کوئی کہہ رہا ہے کہ یہ ویکسین بیچ کر کروڑوں روپئے کمانے کی خاطر کھڑا کیا جانے والا ہے،اس لیے کہ اس بیماری سے ابھی تک جتنے لوگ مرے ہیں ان سے بھی زیادہ لوگ تو ہر روز انفلوئنزا وغیرہ کے سبب ہلاک ہوجاتے ہیں وغیرہ۔خیر گوناگوں اسباب کی بنا پر کورونا وائرس نے دنیا کو دو بڑے طبقات میں تقسیم کر دیا ہے۔ایک اس کے منکرین اور دوسرے اس پر یقین کرنے والے۔

امریکہ سمیت کسی ملک کی ہمت نہیں ہے کہ اس کی جانب آنکھ اٹھا کر دیکھے۔ہر کس و ناکس کو اس کے آگے سجدہ ریز ہونے کے لیے مجبور کر دیا گیا ہے۔کورونا وائرس جیسے نظر نہ آنے والے جرثومے نے عالمی معیشت کے تار و پود تاش کے پتوں کی مانند بکھیر دیئے۔ساری دنیا کے حصص بازار کو دیکھتے دیکھتے ایسے اڈھیر دیا کہ انسانی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ہر روز شیئر بازار کے سرمایہ کار ہزاروں کروڑ سے ہاتھ دھو رہے ہیں اور سارے ماہرین معاشیات اس ریت کی گرتی ہوئی دیوار کو سنبھالنے کے لیے مصروفِ عمل ہیں لیکن ان کی ایک نہیں چلتی۔عالمی معیشت کے تارِ عنکبوت کو ایک معمولی سے وائرس نے تہس نہس کر دیا اور اس کے آگے ہر کوئی بے یار و مددگار ہو گیا۔اس سے ظاہر ہو گیا کہ قدرت کے مسلط کردہ ایک ہوا کے جھونکے نے بظاہر لہلہاتے شجرِ سایہ دار کو یکلخت سوکھا اور کھوکھلا کر دیا اور دولت و حشمت کی بنیاد پر خدائی کا دعویٰ کرنے والے اوندھے منہ ڈھیر ہو گئے۔

☆ :......کورونا وائرس کی وبا کی صورت میں ہم گناہوں میں لتھڑے ہوئے انسانوں کیلئے تنبیہات اور ہم ناشکروں کے لئے کئی سبق ہیں کہ لوگ جب اللہ تعالیٰ کی بعض نعمتوں سے محروم ہوتے ہیں تب انھیں ان کی قدر معلوم ہوتی ہے۔صحت کی قدر صحیح معنیٰ میں وہی شخص کرے گا جو کسی مرض میں مبتلا ہو گیا ہو۔امن کی نعمت کو وہی شخص پہچان سکتا ہے جو کچھ عرصہ خوف میں جیے۔انسان اکثر ان بہت سی ظاہری و باطنی نعمتوں سے غافل ہو جاتا ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے اسے نوازا ہے۔اسے جب اللہ کی نعمتوں کا احساس ہوتا ہے تو اس کی شکر گزاری

بڑھ جاتی ہے اور جو کچھ اسے حاصل ہے اس پر قانع ہو جاتا ہے۔

☆:......اس کے ذریعے بندے کو تنبیہ کی جاتی ہے کہ ہمیشہ اللہ کی پناہ میں جائے اور اسی سے تحفظ اور مدد طلب کرے۔ انسان جب مصیبتوں اور تکالیف میں مبتلا ہوتا ہے تو اسے تلاش کرتا ہے جو اس کی مدد کرے اور نجات دے۔ جب اسے احساس ہوگا کہ مصیبت کی اس گھڑی میں صرف اللہ ہی اس کا مددگار اور کارساز ہے تو اسے اطمینان و سکون حاصل ہوگا۔

☆:......کورونا کی وبا کا مقابلہ کرنے کے لیے اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ اہلِ ایمان حفظانِ صحت کی ان ہدایات کی پابندی کریں جو سرکاری محکموں کی جانب سے جاری کی جاتی ہیں، تاکہ وہ خود بھی محفوظ رہیں اور دوسروں کی بھی حفاظت ہو۔

☆:...... مصیبتیں اور آزمائشیں اس لیے بھی آتی ہیں کہ بندوں کو معاصی اور گناہوں میں پڑنے سے بچائیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ وہ انھیں متنبہ اور ہوشیار کرتا ہے، تاکہ وہ غلط کاموں سے بچیں، جن کا ضرر خود ان کی ذات کو اور سماج کو پہنچتا ہے۔ یہ تنبیہ مومن اور غیر مومن سب کے لیے ہوتی ہے۔

علمائے کرام کی عزت وتوقیر کریں

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد دین وایمان کی یہ ذمہ داری ایسے افراد کے ہاتھ آئی جنہیں حدیث کی روشنی میں "علماء" کہا جاتا ہے، یہ وہ پاک طینت افراد ہیں جنہوں نے دین کی حفاظت کا بیڑہ اٹھایا، دین اسلام پر وارد ہونے والے ہر اعتراض کا قرآن وحدیث کی روشنی میں دفاع کیا، اس کے لیے ہر طرح کی قربانی انہوں نے پیش کی اور کبھی بھی دین کی حفاظت واشاعت سے غفلت و سستی نہیں برتی۔ انھوں نے دین اسلام کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے سینہ بسینہ محفوظ کر کے ہم تک پہنچایا، جان ومال تک کی پرواہ نہیں کی، لذتِ عیش کو خیرباد کہا، راتوں کو بیداری میں گذارا، سفر کی مشقتوں کو برداشت کیا، تاکہ خاتم الرسل محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی بات صحیح سالم ہم تک پہنچ سکے۔ آج بھی علمائے کرام اسی تگ ودو میں لگے ہوئے ہیں کہ دین اسلام کا جو درخت آپ صلی اللہ علیہ وسلم چھوڑ کر گئے ہیں وہ تروتاہ اور باقی رہے یہی وجہ ہے کہ قرآن وحدیث میں علمائے کرام کی خوب ستائش کی گئی اور ان کے مقام ومرتبہ کو بتلایا گیا اور انہیں عزت وتکریم کی نگاہ سے دیکھا گیا اور ان کی اہمیت وفضیلت کو اجاگر کیا گیا۔ احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح انداز میں علماء کی فضیلت کو بیان کیا ہے اور ان کی ناقدری کرنے والوں، ان کی توہین کرنے والوں اور ان سے بغض رکھنے والوں کے بارے میں بڑی سخت وعیدیں ذکر کی ہیں، چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہی ہے جیسے میری فضیلت تم میں کے ادنی پر، پھر فرمایا: اللہ تعالی اس کے فرشتے، آسمان وزمین والے، حتی کہ چیونٹیاں اپنے بلوں میں اور مچھلیاں پانی میں عالم کے لیے خیر اور بھلائی کی دعا کرتی ہیں۔ (ترمذی حدیث نمبر: 2685) ایک حدیث میں فرمایا عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہی

ہے جیسے چاند کی فضیلت سارے ستاروں پر، بے شک علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء نے کسی کو دینار و درہم کا وارث نہیں بنایا، بلکہ انہوں نے علم کا وارث بنایا ہے، اس لیے جس نے اس علم کو حاصل کر لیا، اس نے (علم نبوی) پورا پورا حصہ لیا۔ (ابو داود، باب الحث علی طلب العلم، حدیث نمبر :2685)

با قاعدہ منظم سازشوں کے ذریعہ علمائے امت پر سے اعتماد ختم کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں ،دشمنانِ اسلام طویل تجربہ کے بعد اس نتیجہ کو پہنچے ہیں کہ مسلمانوں میں فکری الحاد پھیلانا ہو اور ان کو اپنے لحاظ سے مفلوج اور ناکارہ کرنا ہو تو ان کا رشتہ علماء سے توڑنا ضروری ہے، کیوں کہ جب تک ان کا رشتہ علماء سے جڑا رہے گا اس وقت تک ان کے اندر دینی حمیت اور ایمانی جوش منتقل ہوتا رہے گا، اس لیے اب ان کی پوری توجہ اس بات پر ہے کہ عام مسلمان علماء سے بدظن ہو جائیں اور ان سے اپنا ناطہ توڑ لیں، اس کے لیے علماء کو بدنام کرنے کے لیے منصوبے بنائے جارہے ہیں اور ان کی حیثیت کو کم کرنے کے لیے سازشیں کی جارہی ہیں اور عام مسلمانوں کو ان سے بدظن کیا جارہا ہے، جس کا اثر یہ ہوا کہ لوگوں میں علماء کی عزت و توقیر نہ ہونے کے برابر ہے، چند دینی معلومات کی بنیاد پر علماء سے بحثیں کرنا روز کا معمول بن چکا ہے، ان کی شان میں توہین آمیز کلمات کہنا بعض کا محبوب مشغلہ بن گیا ہے، علماء کی توہین کرنے اور انہیں حقارت کی نگاہ سے دیکھنے اور اذیت و تکلیف پہنچانے والوں کے بارے میں رسول اللہ علیہ وسلم نے بڑی سخت وعیدیں ذکر کی ہے، چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ہمارے بڑوں کی تعظیم نہ کرے اور ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے علماء کی عزت نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ۔یعنی ہمارا اور اس کا کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ (مستدرک حاکم حدیث نمبر 421) حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب میری امت اپنے علماء سے بغض رکھنے لگے گی تو اللہ تعالیٰ ان پر چار قسم کے عذاب مسلط دیں گے، 1..قحط سالی 2..بادشاہ کی جانب سے مظالم 3..حکام کی خیانت 4..دشمنوں کے مسلسل حملے۔ (مستدرحاکم) ان روایات کی روشنی میں آج کے معاشرہ کا جائزہ لیں کہ آج لوگوں نے کس جرأت کے ساتھ علماء کی توہین اور ان پر بے جا تنقید کرنے کو اپنے شیوہ بنالیا ہے، جب کہ انہیں خود اپنے اعمال و کردار کی فکر نہیں۔

اور علمائے کرام کی خاصیت یہ ہے کہ وہ دین اسلام پر استقامت کے ساتھ عمل پیرا ہوتے ہیں، حق بات کہنے میں تامل سے کام نہیں لیتے ،شرعی مسائل کی وضاحت میں کسی ملامت کو خاطر میں نہیں لاتے ،قرآنی آیات اور اقوال رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو باطل کی ملمع سازی، جاہل کی بیجا تاویل اور غلو پسند حضرات کی تحریف سے بچاتے ہیں، ان کی ان حرکتوں کو بلاخوف وخطر لوگوں کے سامنے لا کر ان کے ناپاک عزائم کا قلع قمع کرتے ہیں ۔علمائے کرام کی صحبت، ان سے تعلق خاطر ہماری دینی و دنیاوی زندگی کے لیے مفید ہے، ان کی معیت سے علم زیادہ ہوتا ہے، آداب واخلاق سیکھنے کا موقع ملتا ہے ۔اور علمائے دین روشنی کا مینار ہوتے ہیں، علمائے رشد و ہدایت کا منبع ہوتے ہیں، علماء صلح وامن کا پیغام ہوتے ہیں، علماء شرافت ومتانت کا عنوان ہوتے ہیں، علماء معاشرے کی خوش نصیبی ہوتے ہیں، علماء اللہ تعالیٰ کی رحمت کی دلیل ہوتے ہیں، علماء انسانیت کے لئے مربی ہوتے ہیں، علماء آداب انسانیت کی مثال ہوتے ہیں ۔شریعت میں علماء کا مقام نہایت بلند و برتر ہے، عوام پر ان کی تعظیم ضروری ہے، علماء کو برا بھلا کہنا ان کو گالیاں دینا، ان کی توہین کرنا جائز نہیں، بلکہ بسا اوقات اس سے سلب ایمان کا بھی خطرہ ہے، علماء نے صراحت کی ہے اگر عالم کی اہانت بمقابلہ امر دین وحکم شرع کے ہو تو اس سے آدمی کافر ہو جاتا ہے، ایسے شخص کو چاہیے کہ صدق دل سے توبہ واستغفار کرے اور تجدید ایمان کر لے ۔نیز جو شخص کسی عالم سے بغیر کسی ظاہری سبب کے بغض رکھے اس پر کفر کا اندیشہ ہے ۔(فتاوی عالمگیری)اس لئے علمائے کرام کی تضحیک ان کے منصب کی تضحیک ہے اور ان کے عہدے کی تضحیک اس وراثت اور علم کی تضحیک ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انہیں ملا ہے، ان کے عہدے، منصب، علم اور ان پر اسلام اور امت کی بہتری کی ذمہ داری کی وجہ سے مسلمانوں پر ان کا احترام فرض ہے ۔علماء نے لکھا ہے کہ گم راہ ہونے کی وجوہات میں سے ایک علماء کی توہین کرنا ہے ۔نیز جو لوگ اپنے بڑوں اور بزرگوں کی جائز باتوں اور مبنی برحکمت اقوال وافعال پر تنقید برائے تنقید کرتے ہیں، ان کو دنیا میں نقد یہ سزا دی جائے گی کہ ان کی اولاد بے دین اور ملحد پیدا ہوگی ۔(ماہنامہ بینات اکتوبر 2009)

آج کل علمائے کرام کی جو ناقدری، ان کے ساتھ بے ادبی وگستاخی اور انہیں برا بھلا کہنے کا جو رواج بنتا

جارہا ہے اس پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہے، غیر تو غیر، اپنوں نے بھی علماء کو تنقید کا نشانہ بنالیا ہے، جس کسی مجلس میں بیٹھیں گے جب تک کسی عالم کے خلاف اپنے دل کی بھڑاس نہ نکالیں گے انہیں چین وسکون میسر نہیں آتا، ایسے قبیح فعل سے اہل علم کی شان میں کوئی کمی نہیں آئے گی، البتہ اپنا ہی خسارہ اور نقصان ہے۔علماء پر بہتان لگانا اور سنی سنائی باتوں کو ان کی طرف منسوب کرنا اور ہر محفل میں زبان درازی کرکے اپنی علمی شان اور رفعتِ مکانی ظاہر کرنا جہالت کے سوا کچھ نہیں، ہم سب پر لازم ہے کہ علمائے کرام کا احترام کریں، انھیں ان کا مقام دیں، ان پر طعن و تشنیع نہ کریں، ان کی عزت سے نہ کھیلیں، اگر کوئی غلطی سرزد ہو تو ان کے لیے ہدایت کی دعا کریں۔لہذا، ان کی تنقیص انتہائی سنگین جرم اور گناہ کا باعث ہے۔ہمیں چاہئے کہ ہم علمائے کرام کی عزت وتوقیر کریں اور ان کی اہانت کرکے گناہ میں مبتلا ہونے سے بچیں۔آئیے عہد کریں کہ طاغوتی طاقتوں اور ان سے متاثرہ نام نہاد اہل فکرو دانش کی علماء مخالف تحریروں اور بیانات کو یکسر نظرانداز کرکے اللہ اور رسول کے متعین کردہ مقام ومرتبہ کو علمائے کرام کے سر کا تاج بنائیں گے اور اللہ اور رسول سے محبت والفت کے ساتھ عمومی طور پر تمام مسلمانوں سے اور خصوصی طور پر علمائے کرام سے محبت والفت رکھیں گے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں 3 بیٹے اور 4 بیٹیاں ہیں جن میں سب سے پہلے حضرت زینبؓ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب سے بڑی صاجزادی ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر جب 30 سال کی تھی، یہ پیدا ہوئیں۔ ان کے شوہر حضرت ابو العاص بن ربیعؓ تھے۔ ان سے دو بچے علیؓ اور امامہؓ پیدا ہوئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ منورہ ہجرت کرنے کے بعد حضرت زینبؓ اپنے شوہر کے ساتھ کافی دنوں تک مکہ مکرمہ ہی میں مقیم رہیں۔

پھر حضرت قاسم رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ میں نبوت سے قبل پیدا ہوئے۔ دو سال چھ ماہ کے ہوئے تو ان کا انتقال ہوگیا۔ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ حضرت قاسم 7 ماہ کی عمر میں ہی اللہ کو پیارے ہو گئے تھے۔ مکہ مکرمہ میں مدفون ہیں۔ انہیں کی طرف نسبت کر کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ابو القاسم کہا جاتا ہے۔ پھر ان کے بعد حضرت رقیہ، پھر ام کلثوم اور پھر فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہن ہیں، اور ہر ایک کے بارہ میں کہا گیا ہے کہ وہ اپنی دوسری بہنوں سے بڑی تھی۔ اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ میں نبوت کے بعد پیدا ہوئے۔ 2 سال سے کم عمر ہی میں ان کا انتقال ہوگیا۔ مکہ مکرمہ میں مدفون ہیں۔ ان کو طیب وطاہر بھی کہا جاتا ہے۔ ان ہی کی موت پر کسی شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ابتر کہا (وہ شخص جسکی کوئی اولاد نہ ہو)، تو سورہ الکوثر نازل ہوئی، جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تیرا دشمن ہی بے اولاد رہے گا۔ اور یہ سب کے سب حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا کی اولاد ہیں، اور کسی دوسری بیوی سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں ان کی لونڈی حضرت

ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا سے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے ان کی پیدائش مدینہ منورہ میں 8 ہجری میں ہوئی۔حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی پیدائش پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام بہت خوش ہوئے۔سات دن کے ہونے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا عقیقہ کیا، بال منڈوائے، بالوں کے وزن کے برابر مسکینوں کو صدقہ دیا، اور بالوں کو دفن کر دیا۔10 ہجری میں 16 یا 18 ماہ کی عمر میں بیماری کی وجہ سے ابراہیمؓ کا انتقال ہوگیا۔ابراہیم رضی اللہ عنہ کے انتقال پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کافی رنجیدہ و مغموم ہوئے۔مدینہ منورہ کے مشہور قبرستان (البقیع) میں مدفون ہیں۔زاد المعاد (103/1) حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دوسری صاحبزادی ہیں۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر جب 33 سال کی تھی، یہ پیدا ہوئیں۔اسلام سے پہلے ان کا نکاح ابولہب کے بیٹے عتبہ سے ہوا تھا۔جب سورہ تبت نازل ہوئی تو باپ کے کہنے پر عتبہ نے حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دیدی۔پھر ان کی شادی حضرت عثمانؓ بن عفان سے ہوئی۔ان سے ایک بیٹا عبداللہؓ پیدا ہوا جو بچپن میں ہی انتقال فرما گیا۔حضرت رقیہؓ 2 ہجری میں انتقال فرما گئیں۔انتقال کے وقت حضرت رقیہؓ کی عمر تقریباً 20 سال تھی۔حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تیسری صاحبزادی ہیں۔اسلام سے پہلے ان کا نکاح ابولہب کے دوسرے بیٹے عتیبہ کے ساتھ ہوا تھا۔جب سورہ تبت نازل ہوئی تو ابولہب کے کہنے پر اس بیٹے نے بھی حضرت ام کلثومؓ کو طلاق دیدی۔حضرت رقیہؓ کے انتقال کے بعد، ان کی شادی حضرت عثمانؓ بن عفان سے ہوئی۔9 ہجری میں انتقال فرما گئیں۔انتقال کے وقت حضرت ام کلثومؓ کی عمر تقریباً 25 سال تھی۔حضرت ام کلثومؓ کے انتقال کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اگر میرے پاس کوئی دوسری لڑکی (غیر شادی شدہ) ہوتی تو میں اسکا نکاح بھی حضرت عثمان غنیؓ سے کر دیتا حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب سے چھوٹی صاحبزادی ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت فاطمہؓ سے بہت محبت فرماتے تھے۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر جب 35 یا 41 سال تھی، یہ پیدا ہوئیں۔ان کا

نکاح مدینہ منورہ میں حضرت علیؓ بن طالب کے ساتھ ہوا۔ سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر کی تسبیحات، حضرت فاطمہؓ کی دن بھر کی تھکان کو دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت جبرئیل علیہ السلام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس لے کر آئے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے انتقال کے چھ ماہ بعد حضرت فاطمہؓ 23 یا 29 سال کی عمر میں انتقال فرما گئیں۔

حضرت فاطمہؓ بنت النبی کی اولاد: حضرت حسنؓ، حسینؓ، زینبؓ، اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں۔ تو اس طرح صحیح یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کی تعداد سات جن میں تین بیٹے اور چار بیٹیاں ہیں جن کے نام ذیل میں دیے جاتے ہیں:

بیٹے: (1) حضرت قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ (2) -حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (3) -حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بیٹیاں: (1) -حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا (2) حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (3) حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا (4) حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

اللہ کریم اپنے محبوبِ کریم صلّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلّم کی محبت اہل بیت، صحابہ کرام کی محبت میں جینا اور مرنا نصیب فرمائے۔ اٰمِین بِجَاہِ النَّبِیِّ الْاَمِین صلّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلّم

اردو لکھنے میں کی جانے والی 12 غلطیاں

انتخاب:......قاری محمد اکرام

پہلی غلطی:.......

اردو کے مرکب الفاظ الگ الگ کر کے لکھنا چاہئیں، کیوں کہ عام طور پر کوئی بھی لفظ لکھتے ہوئے ہر لفظ کے بعد ایک وقفہ (اسپیس) چھوڑی جاتی ہے،اس لیے یہ خود بخود الگ الگ ہو جاتے ہیں۔ دراصل تحریری اردو طویل عرصے تک 'کاتبوں' کے سپرد رہی، جو جگہ بچانے کی خاطر اور کچھ اپنی بے علمی کے سبب بہت سے لفظ ملا ملا کر لکھتے رہے۔جس کی انتہائی شکل 'ہم آہنگی' کی صورت میں دیکھ سکتے ہیں۔بہت سے ماہرِ لسانیات کی کوششوں سے اب الفاظ الگ الگ کر کے لکھے تو جانے لگے ہیں، لیکن آج بھی بہت سے لوگ انہیں بدستور جوڑ کر لکھ رہے ہیں۔بات یہ ہے کہ جب یہ اردو کے الگ الگ الفاظ ہیں،تو مرکب الفاظ کی صورت میں جب انہیں ملا کر لکھا جاتا ہے،تو نہ صرف پڑھنا دشوار ہوتا ہے،بلکہ ان کی 'شکل' بھی بگڑ جاتی ہے۔

مندرجہ ذیل میں ان الفاظ کی 12 اقسام یا 'طرز' الگ الگ کر کے بتائی جا رہی ہیں، جو دو الگ الگ الفاظ ہیں یا ان کی صوتیات کو سامنے رکھتے ہوئے انہیں الگ الگ کر کے لکھنا ضروری ہے۔

☆......جب کہ، چوں کہ، چناں چہ، کیوں کہ، حالاں کہ ☆......کے لئے، اس لئے، اس کو، آپ کو، آپ کی، ان کو، ان کی ☆......طاقت وَر، دانش وَر، نام وَر ☆......کام یاب، کم یاب، فتح یاب، صحت یاب ☆......گم نام، گم شدہ ☆......خوش گوار، خوش شکل ☆......الم ناک، وحشت ناک، خوف ناک، دہشت ناک، کرب ناک ☆......صحت مند، عقل مند، دانش مند، ☆......شان دار، جان دار، کاٹ دار، ☆......اَن مول، اَن جانا، اَن مٹ، اَن دیکھا، اَن چُھوا ☆...☆ بے وقوف، بے جان، بے کار،

بے خیال، بے فکر، بے ہودہ، بے دل، بے شرم، بے نام،☆...☆ امرت سر،کتاب چہ☆...☆خوب صورت،خوب سیرت وغیرہ

دوسری غلطی:.......

اردو لکھتے ہوئے ہمیں یک ساں آواز مگر مختلف املے کے الفاظ کا خیال رکھنا چاہئے، جیسے کہ ُکے اور کہ،سہی اور صحیح ،صدا اور سدا، نذر اور نظر، ہامی اور حامی ،سورت اور صورت ،معرکہ اور مارکہ، قاری اور کاری، جانا اور جاناں وغیرہ

تیسری غلطی:.......

اردو کا اہم ذخیرہ الفاظ فارسی کے علاوہ عربی کے الفاظ پر بھی مشتمل ہے، جس میں بہت سی تراکیب بھی عربی کی ہیں، ان کو لکھتے ہوئے ان کے املے کا خیال رکھنا چاہئے، جس میں بعض اوقات الف خاموش (سائلنٹ) ہوتا ہے جیسے بالکل، بالخصوص، بالفرض، بالغرض وغیرہ ۔جب کہ کہیں چھوٹی ’ی‘ یا کسی اور لفظ پر کھڑی زبر ہوتی ہے، جو الف کی آواز دیتی ہے، جیسے وزیر اعلیٰ، رحمٰن اور اسحٰق وغیرہ، اسی طرح بہت سی عربی تراکیب میں ’ل‘ ساکت ہوتا ہے جیسے’السلام علیکم‘ اسے ’ل‘ کے بغیر لکھنا فاش غلطی ہے۔

چوتھی غلطی:.......

زیر والے مرکب الفاظ جیسے جانِ من (نہ کہ جانے من) جانِ جاں (نہ کہ جانے جاں) شانِ کراچی (نہ کہ شانے کراچی) فخرِ پنجاب (نہ کہ فخرے پنجاب) اہلِ محلہ (نہ کہ اہلے محلہ) وغیرہ کی غلطی بھی درست کرنا ضروری ہے۔

پانچویں غلطی:.......

اپنے جملوں میں مستقبل کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے ’کردینا ہے‘ نہیں بلکہ ’کردیں گے‘ لکھنا چاہئے، جیسے اب تم آ گئے ہو تو تم بول بول کے میرے سر میں درد کردو گے (نہ کہ کر دینا ہے) اب

ٹیچر آ گئے ہیں تو تم کتاب کھول کر پڑھنے کی اداکاری شروع کردوگے (نہ کہ کردینی ہے) لکھنا چاہئے۔

چھٹی غلطی:......

اردو کے 'مہمل الفاظ' میں 'ش' کا نہیں بلکہ 'و' کا استعمال کیا جاتا ہے، جیسے کتاب وتاب، کلاس ولاس، اسکول وسکول، پڑھائی وڑھائی، عادت وادت وغیرہ۔ انہیں کتاب شتاب، کلاس شلاس لکھنا غلط ہے۔

ساتویں غلطی:......

اردو میں دوزبر یعنی 'تنوین' والے لفظوں کو درست لکھنا چاہئے، اس میں دوزبر مل کر 'ن' کی آواز دیتے ہیں جیسے تقریباً، اندازاً، عادتاً، اصلاً، نسلاً، ظاہراً، مزاجاً وغیرہ۔

آٹھویں غلطی:......

کسی بھی لفظ کے ملنے میں 'ن' اور 'ب' جہاں ملتے ہیں وہاں 'م' کی آواز آتی ہے، اس کا بالخصوص خیال رکھنا چاہے 'ن' اور 'ب' ہی لکھا جائے 'م' نہ لکھا جائے، جیسے انبار، منبر، انبوہ، انبالہ، استنبول، انبیا، سنبھل، سنبھال، اچنبھا، عنبرین، سنبل وغیرہ

نویں غلطی:......

اردو کے ان الفاظ کی درستی ملحوظ رکھنا چاہیے جو الف کی آواز دیتے ہیں لیکن کسی کے آخر میں 'ہ' ہے اور کسی کے آخر میں الف۔ انہیں لکھتے ہوئے غلطی کی جائے، تو اس کے معانی میں زمین آسمان کا فرق پیدا ہوجاتا ہے۔ جیسے گلہ اور گلا، پیسہ اور پیسا، زن اور ظن، دانہ اور دانا وغیرہ وغیرہ۔

دسویں غلطی:......

الف کی آواز پر ختم ہونے والے الفاظ چاہے وہ گول 'ہ' پر ختم ہوں یا 'الف' پر، انہیں جملے میں استعمال کرتے ہوئے بعض اوقات جملے کی ضرورت کے تحت 'جمع' کے طور پر لکھا جاتا ہے، حالاں کہ وہ واحد ہی ہوتے ہیں۔ ایسے میں جملے کا پچھلا حصہ یا اس سے پہلے والا جملہ یہ بتا رہا ہوتا ہے کہ یہ دراصل

'ایک' ہی چیز کاذ کر ہے۔ جیسے: ☆......میرے پاس ایک 'بکرا' تھا، اس 'بکرے' کا رنگ کالا تھا۔☆......میرے پاس ایک 'چوزا' تھا، 'چوزے' کے پر بہت خوب صورت تھے۔☆......ہمارا 'نظریہ' امن ہے اور اس 'نظریے' کے تحت ہم محبتوں کو پھیلانا چاہتے ہیں۔☆......جلسے میں ایک پر جوش 'نعرہ' لگایا گیا اور اس 'نعرے' کے بعد لوگوں میں جوش وخروش پیدا ہوگیا۔ 'کوا' چونچ میں روٹی کا ٹکڑا پکڑا ہوا تھا، جوں ہی 'کوّے' سے روٹی کا ٹکڑا چھوٹا، توں ہی وہ کائیں کائیں کرنے لگا۔☆......ایک 'کوا' پیاسا تھا، اس 'کوے' نے پانی کی تلاش میں اڑنا شروع کیا۔

گیارہویں غلطی:......

انگریزی الفاظ لکھتے ہوئے خیال رکھنا چاہئے کہ جو الفاظ یا اصطلاحات (ٹرمز) رائج ہو چکی ہیں، یا جن کا کوئی ترجمہ نہیں ہے یا ترجمہ ہے تو وہ عام طور پر استعمال نہیں ہوتا، اس لئے انہیں ترجمہ نہ کیا جائے بلکہ انگریزی میں ہی لکھ دیا جائے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جن انگریزی الفاظ کو اردو میں لکھا جائے گا، ان کی جمع اردو کی طرز پر بنائی جائے گی، نہ کہ انگریزی کی طرز پر، جیسے اسکول کی اسکولوں، کلاس کی کلاسوں، یونیورسٹی کی یونیورسٹیوں، اسٹاپ کی اسٹاپوں وغیرہ۔ تیسری بات یہ ہے کہ انگریزی کے بہت سے ایسے الفاظ جو 'ایس' سے شروع ہوتے ہیں، لیکن ان کے شروع میں 'الف' کی آواز ہوتی ہے، انہیں اردو میں لازمی طور پر الف کے ساتھ لکھا جائے گا۔ جیسے اسکول، اسٹاپ، اسٹاف، اسٹیشن، اسمال، اسٹائل، اسٹوری، اسٹار وغیرہ۔ لیکن ایسے الفاظ جو شروع تو 'ایس' سے ہوتے ہیں لیکن ان کے شروع میں الف کی آواز نہیں ہے انہیں الف سے نہیں لکھا جائے گا، جیسے سچویشن، سورس، سینڈیکیٹ، سیمسٹر، سائن اپسس وغیرہ۔

بارہویں:

ہندوستانی فلموں نے اردو پر جو بھدا اثر ڈالا ہے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہاں لفظ 'اپنا' کی جگہ میرا بولا جاتا ہے۔ ہمیں اردو لکھتے ہوئے اسے ٹھیک کرنا چاہئے۔ اس لیے 'میں میرے نہیں'، بلکہ 'میں

اپنے لکھا جائے، جیسا کہ میں میرے گھر میں میرے بھائی کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ یہ بالکل غلط ہوگا، درست جملہ یوں ہوگا کہ میں اپنے گھر میں اپنے بھائی کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔

تحریر: رضوان طاہر مبین ۔۔۔۔۔۔ مفتی رضوان صاحب، دارالعلوم کراچی کے فاضل ہیں، جید عالم دین ہیں، فقہی جزئیات پر اچھی دست رس ہے۔

مندرجہ بالا تحریر چوں کہ پڑوس ملک کے تناظر میں لکھی گئی ہے، اس لئے پانچویں اور چھٹی شق کا قابل اصلاح ہونا ان کے یہاں واقعی ضروری ہے، مفتی ابولبابہ شاہ منصور صاحب نے بھی ان باتوں کی طرف نشان دہی کی تھی۔

ہمارے یہاں یہ دونوں شقیں عدیم الوقوع ہیں۔ دسویں شق کی مثال میں "کوا روٹی کا ٹکڑا پکڑا ہوا تھا"، غیر مانوس اور غیر مستعمل ہے۔ صحیح "کوا روٹی کا ٹکڑا پکڑے ہوئے تھا، یا پکڑے ہوا تھا"، ہے۔ پڑوس میں اسکول کو سکول، اسٹیشن کو سٹیشن، اسٹاپ کو سٹاپ بولنے کا غلط رواج ہے، الحمد للہ یہ المیہ ہمارے یہاں انتہائی کم ہے۔

اس میں اگر دو چشمی "ھ" اور یک چشمی ہ جیسے "مہر" کا فرق بھی شامل ہے.

html.12/06/saagartimes.blogspot.com/2020//:https

مذاق اور مزاح کی شرعی حیثیت

ایک مومن پر جس طرح دوسرے مسلمان کی جان اور اس کے مال کو نقصان پہنچانا حرام ہے۔اسی طرح اس کی عزت اور آبرو پر حملہ کرنا بھی قطعاناجائز ہے۔عزت وآبرو کو نقصان پہنچانے کے کئی طریقے ہیں۔ ان میں ایک طریقہ کسی کا مذاق اڑانا ہے۔مذاق اڑانے کا عمل دراصل اپنے بھائی کی عزت وآبرو پر براہ راست حملہ اور اسے نفسیاتی طور پر مضطرب کرنے کا ایک اقدام ہے۔مذاق اڑانا ایک شخص کی تحقیر کرنا اور اسے بے عزت کرنا ہے۔مذاق اڑانے کا عمومی مقصد کسی مخصوص شخص کی تحقیر کرنا اور اسے کمتر مشہور کرنا ہوتا ہے مذاق اڑانے کا منطقی نتیجہ کسی شخص کی دل آزاری کی شکل میں نکلتا ہے۔اس ایذارسانی کی ان الفاظ میں مذمت کی گئی ہے۔حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان ایذاء نہ پائیں۔(صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 9)

اہل علم نے مزاح کرنے کے کئی اسباب بیان کیئے ہیں۔مثلاً ایک سبب برتری کا احساس ہے چنانچہ اس احساس کے تحت ہم جسے کم تر، بے ڈھنگا، بدصورت، غلط، احمق یا کسی اور پہلو سے کمتر سمجھتے ہیں تو اس پر ہنستے اور اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔ایک اور سبب غیر مطابقت ہے یعنی جب نتائج مروجہ توقعات کے مطابق نہیں ہوتے تو ہم ہنس پڑتے ہیں جیسے ایک غیر اہل زبان اردو کا کوئی لفظ ادا نہ کر پائے تو لوگ ہنستے ہیں۔اسی طرح ایک اور سبب دباؤ کی تخفیف ہے یعنی لوگ اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے لئے یا ہلکا پھلکا ہونے کے لئے بھی مزاح کرتے ہیں۔

اگر مذاق میں کوئی جھوٹ شامل ہے تو وہ جائز نہیں۔اسی طرح اگر کسی مذاق میں فحاشی کا عنصر ہو یا

کوئی گالی ہوتو یہ بھی ناجائز ہے۔اس کے علاوہ مذاق میں کسی بدتمیزی، بدتہذیبی یا کوئی اور غیر اخلاقی حرکت ہو رہی ہو تو یہ بھی ناجائز حدود ہیں۔کسی شرعی مسلے کی خلاف ورزی بھی ناجائز ہے جیسے نماز یا روزے کا مذاق اڑانا یا کسی شرعی حکم کی تحقیر کرنا۔اس ضمن میں ایک جملہ معترضہ کے طور پر یہ سمجھ لیں کہ کچھ محاورے بھی ایسے ہیں جن میں دین کا مذاق اڑایا جاتا ہے جیسے" نماز بخشوانے گئے تھے، روزے گلے پڑ گئے۔" اس قسم کے محاورے یا ضرب الامثال مناسب نہیں۔ یوں تو ہم سب جانتے ہیں کہ مذاق اڑانے میں کن کن باتوں کو عام طور پر بیان کیا جاتا ہے مثال کے طور پر☆......جسمانی ساخت کی تحقیر جیسے کالی رنگت، پست قامتی، بدصورتی، گنج پن، ناک، کان یا دیگر اعضاء کی ساخت، کوئی جسمانی معذوری۔☆......حرکات و سکنات کا مذاق اڑانا مثلاً چلنے، اٹھنے بیٹھنے یا بولنے کا انداز۔☆......پیشے کا مذاق جیسے کسی کو حقارت سے موچی کا طعنہ دینا۔☆......حسب نسب یا ذات پات کا مذاق اڑانا۔☆......لسانی بنیادوں پر مذاق اڑانا مثال کے طور پر پشتو بولنے والوں کی تحقیر یا اردو بولنے والوں پر جملے بازی۔☆......برے ناموں سے پکارنا جیسے کسی کو تحقیر کی نیت سے چاچا، کالو، لمبو، موٹے وغیرہ کہنا۔☆......دین کا مذاق اڑانا یا دین پر عمل کرنے والوں کا مذاق اڑانا☆......اللہ کا یا اللہ کی آیات کا مذاق اڑانا۔☆......رسولوں کا مذاق اڑانا۔اسی لئے روایات میں کسی کی آبرو کو نقصان پہنچانے کی واضح الفاظ میں مذمت کی گئی ہے۔حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے۔سرورعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو کوئی کسی مسلمان کی آبروریزی کرے گا تو اس پر اللہ فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہوتی ہے اس کی نفل اور فرض عبادت قبول نہیں ہوگی.(صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 440)۔

اگر آپ اس گناہ کے مرتکب ہو رہے ہیں تو درج ذیل ہدایات پر عمل کریں: ☆......اگر آپ تکبر کی وجہ سے مذاق اڑاتے ہیں تو تکبر کا علاج کریں اور اپنا مسئلہ اہل علم حضرات سے مشورہ کر کے حل کریں۔ اس کے ساتھ ہمیں یہ جان لینا چاہئے کہ تکبر حرام ہے اور متکبر شخص جنت میں نہیں جائے گا۔ ۲۔عام طور پر لوگ کمزوروں کا ہی مذاق اڑاتے ہیں جو غربت، جسمانی کمزوری یا احساس کمتری کی بنا پر کسی فوری ردعمل کا

اظہار نہیں کر سکتے۔اگر آپ بھی ایسا کرتے ہیں تو وہی مذاق کسی صاحب حیثیت شخص کے سامنے کریں تو انشاء اللہ طبیعت راہ راست پر آجائے گی۔☆......بولنے سے پہلے دوسروں کے جذبات کا خیال کیا جائے ۔خود کو اس شخص کی جگہ پر رکھ کر سوچیں کہ اگر آپ اس کی جگہ ہوتے تو آپ پر کیا بیتتی ۔☆......اگر بعد میں یہ احساس ہو جائے کہ کسی کے ساتھ زیادتی ہوگئی ہے تو اس شخص سے برملا اپنی غلطی کا اعتراف کیا جائے اور معافی مانگی جائے ۔اس کے علاوہ اس کے ساتھ خصوصی برتاؤ کیا جائے مثلاً اس شخص کو تحفہ دینا، اس کی دعوت کرنا، اس کے ساتھ کوئی خصوصی رویہ اختیار کرنا۔کم ازکم اس کیلئے دعا کرنا وغیرہ ۔☆......اسی طرح ایس ایم ایس، یا فیس بک اور سوشل میڈیا پر ایسے ناجائز مذاق کو ہرگز آگے فارورڈ نہ کریں اور ایسا کرنے والوں کی اصلاح کی کوشش کریں☆......ایسی محفلوں میں چوکنے بیٹھیں جہاں لوگوں کی تضحیک کی جاتی ہو۔اگر اس کو روکنا ممکن نہ ہو تو اس کا حصہ نہ بنیں اور اس سے اجتناب کریں ۔☆......اگر پھر بھی اس عادت پر قابو نہ ہو تو اپنے لیے جرمانے کا نظام نافذ کرلیں ۔یعنی کسی کا مذاق اڑانے کی صورت میں آپ یا تو ایک مخصوص رقم اللہ کی راہ میں صدقہ کریں، یا روزہ رکھیں یا مخصوص تعداد میں نوافل ادا کریں ۔لیکن جرمانہ نہ تو اتنا سخت ہو کہ اس پر عمل ہی نہ ہو سکتا ہو اور نہ ہی اتنا نرم ہو کہ طبیعت کو بالکل بار محسوس نہ ہو ۔

لاک ڈاؤن اور پرائیویٹ تعلیمی ادارے

ہمارے مذہب میں آدمی کی خود اپنے ہاتھ کی کمائی یعنی محنت مزدوری اور حرفت وصناعت کو سب سے پاکیزہ عمل قرار دیا گیا ہے،اللہ تعالی نے اپنے چہیتے بندوں انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام سے محنت ومزدوری کرواکے پیشہ محنت واجرت کی فضیلت اور عملی مثال بھی بیان کردی ۔ یہ اللہ کا کتنا بڑا اکرم واحسان ہے کہ بعض بندوں،مزدوروں، جفاکشوں اور محنت کشوں کو بعضوں کے ماتحت کر کے اس کا غلام،نوکر، خادم یا مزدور بنادیا، تاکہ وہ ازخود محنت مزدوری کرنے سے بچا رہے۔جس کو کسی کے کام پہ لگایا جائے خواہ جسمانی کام ہو یا ذہنی ۔سرکاری اور نجی اداروں، تعلیم گاہوں اساتذہ جن کے کام اور ذمہ داری کے اوقات متعین ہوں۔ یہ لوگ اجرت ومزدوری کے مستحق ہوجاتے ہیں۔کسب معاش کے تین ذرائع: تجارت، زراعت اور اجارہ ومزدوری میں سے تیسرا ذریعہ معاش "محنت ومزدوری" ہے۔ ہر مخلوق کا اصل رازق تو اللہ تعالی ہے؛لیکن سبب وذریعہ کے درجے میں اللہ تعالی نے دونوں طبقوں مالک ومزدور کی روزی روٹی ایکدوسرے سے مربوط کردی ہے۔اگر مالک، زمیندار وصنعت کار مزدوروں وملازموں کے محتاج ہیں تو وہیں محنت کش مالکان کے محتاج ہیں.دونوں کے باہمی احتیاج،ارتباط وانضباط سے سماج کا اقتصادی نظام رواں دواں ہے۔

دنیوی زندگی میں ہم نے ان کی روزی تقسیم کر رکھی ہے اور ہم نے ایک کو دوسرے پر رفعت دے رکھی ہے، تاکہ ایک دوسرے سے کام لیتا رہے۔(سورۃالزخرف:32)

سرمایہ دارانہ نظام کی طرح مالک ومزدور کا یہ رشتہ خودغرضی،مفاد پرستی، جبر وتشدد، بدعہدی پر مبنی

نہیں ہے؛ بلکہ مالک ومزدور کے مابین محنت واجرت کا یہ رشتہ اخوت، بھائی چارہ، جذبہ خیر خواہی، وفاداری، نفع رسانی، ترحم، تعاون باہمی، ہمدردی وغمگساری اور مساوات پہ مبنی ہے۔ مذاہب عالم کے نظامہائے اقتصاد ومزدور میں یہ صرف اسلامی قانون محنت واجرت کا امتیاز ہے کہ اس نے مالک ومزدور کو بنیادی انسانی حقوق میں یکسر برابر قرار دیا، اونچ نیچ، اعلی وادنی، ارفع وکمتر کے فرق کو مٹایا، مالک کو بالادستی کے خبط اور مزدور کو حقیر وکمتر جیسے احساس کمتری سے یکسر پاک کیا۔ دونوں کے درمیان خوشگوار تعلقات کی استواری کی یہی اساس وبنیاد ہے۔ اس میں کمی ہونے سے ہی دونوں طبقوں میں تصادم واحتجاج کی راہ ہموار ہوتی ہے۔ اپنے حقوق کے مطالبہ کے لئے دونوں ایک دوسرے کے مدمقابل آتے، صف آراء ہوتے اور اس کے نتیجے میں احتجاج ومظاہرے ہوتے ہیں۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے: تمہارے خادم ومحتاج تمہارے بھائی ہیں، جس شخص کے بھائی کو اللہ اس کا ماتحت ومحتاج بنائے یعنی جو شخص کسی غلام کا مالک بنے تو اس کو چاہئے کہ وہ جو خود کھائے وہی اس کو بھی کھلائے اور جو خود پہنے وہی اس کو بھی پہنائے نیز اس سے کوئی ایسا کام نہ لے جو اس کی طاقت سے باہر ہو اور اگر کوئی ایسا کام اس سے لئے جائے جو اس کی طاقت سے باہر ہو تو اس کام میں خود بھی اس کی مدد کرے)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مزدور کو اس کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے قبل دے دو)

”آدم خور“ کورونا کی تباہ کاری وقیامت خیزی سے ایک بھی شعبہ زندگی بچ نہیں سکا، تادم تحریر یعنی اس وباء نے قریب آٹھ ملین صحت مند افراد کو بیمار کر دیا وہیں دنیا کی بڑی بڑی اقتصادی منڈیوں کی کمر بھی توڑ دی اور کاروبار زندگی کا پہیہ جام کر دیا ہے، لاک ڈاؤن کی وجہ سے فیکٹریاں، سرکاری وپرائیویٹ سکولز ودیگر ادارے، ملازمتی مراکز، مدارس وجامعات بالکل بند ہوگئے، معاشی سرگرمیاں معطل ہوگئیں، معاشی بحران کی وجہ سے برسرروزگار کروڑوں واربوں افراد ملازمت سے فارغ یا بغیر تنخواہ چھٹی پہ بھیجے جا رہے ہیں،

لاکھوں دیہاڑی دار افراد فاقہ کشی پہ مجبور ہیں ۔کورونا خدائی قہر اور آسمانی عذاب ووباء ہے، یہ مزدوری اور محنت کشوں کی طرف سے پیدا کردہ صورت حال نہیں ہے بلکہ ایک مجبوری کی حالت ہے ۔جس طرح ان دنوں میں اپنے اہل وعیال اور گھر والوں کا خیال رکھ رہے ہیں اسی طرح اپنے ملازمین کا بھی خیال رکھیں، جس طرح وہ کھا رہے ہیں اپنے ملازمین کے چولہا چکی گرم رکھنے کا بھی نظم فرمائیں۔" لاضرر ولاضرار" " لایظلمون ولایظلمون" اور" الضرریزال" یعنی حتی الامکان نقصان کی تلافی کی جائے گی) جیسے اصول وضوابط کا تقاضہ ہے کہ ملازمین کو فارغ کرنا یا بغیر تنخواہ چھٹی پہ بھیج دینا شرعا واخلاقا جائز نہیں، بلکہ وحشیانہ عمل ۔

یہ اعلان بعض اداروں کی طرف سے کہ کورونا لاک ڈاؤن کی وجہ سے اگست تک اسکولز کھلیں گے نہ تعلیمی سلسلہ جاری ہوسکے گا؛ لہذا ٹیچرز ادھر کا رخ نہ کریں، اپنی ملازمت کہیں اور دیکھ لیں، جبکہ بعض ٹیچرز کو بلاتنخواہ چھٹی کردی گئی ہے یہ حد درجہ شرمناک، المناک، افسوسناک، غیر انسانی اور مفاد پرستانہ حرکت ہے، معمولی تنخواہوں پہ اخلاص، کفایت شعاری، محنت، جدوجہد، لگن، دل جمعی اور بشاشت قلبی سے جو ٹیچرز آپ کے اسکولز میں کام کرتے رہے ہیں، آج برے وقت میں انہیں یوں بے یارومددگار چھوڑ دینا کوئی انسانی کام ہے؟ بھلا اس وقت انہیں کون کام پہ رکھے گا؟ موجودہ اضطرابی حالات میں اپنے ٹیچرز کی تنخواہوں کی کٹوتی کرنا، انہیں بلاتنخواہ گھر بٹادینا یا ملازمت سے سبکدوش کردینا شرعا واخلاقا جائز نہیں ہے ۔

حضرت جی مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی منتخب نصیحتیں

انتخاب:......قاری محمد اکرام

☆......فرمایا:......کہ جب تک تمہاری راتیں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی راتوں کے مشابہ ہو کر اس کے ساتھ ضم نہ ہوں تمہارا دنوں کا پھرنا رنگ نہیں لائے گا۔ اور فرمایا کہ مذہب پر چلنا اسباب کی خاصیتوں کو بدل دیتا ہے۔☆......فرمایا:......کہ لا الہ الا اللہ کے اقرار کا مطلب یہ ہے کہ اغراض کے ماتحت کس چیز میں نہیں لگیں گے اور امر کے تحت جان اور عزت کی پروانہ کریں گے۔☆......فرمایا:......کہ اغراض پروری رزق تک پہنچاتی ہے دین پروری رزاق تک پہنچاتی ہے یہ کہنا ضعیف الایمانی کی بات ہے کہ یہ کام تو ٹھیک ہے مگر ہمیں یہ کام ہے وہ کام ہے۔☆...... فرمایا: امارت کی برکتیں احاطہ سے باہر ہیں ہمیں حکم ہے کہ اگر دو بھی باہر نکلیں تو ایک کو امیر بنا لو۔☆...... فرمایا: چوبیس گھنٹے میں ذکر اور علم کے لئے وقت متعین کرو اس کو خاص مناسبت ہے اس کام سے۔☆......فرمایا: جان قربان ہو جائے دین زندہ ہو جائے یہ جہاد ہے۔☆......فرمایا: اس گاڑی کے دو پہیے ہیں اپنی برائی اور دوسروں کی خوبی تلاش کرو شکایت کا دروازہ بند کردو نہ افراد کی ندامت کی۔☆......فرمایا: تعلیم کے لئے صبح کا آدھ گھنٹہ گھر گھر میں ہو جاوے گویا ہر ایک گھر ایک حجرہ ہے اور تمام گاؤں ایک مدرسہ ہے۔☆......فرمایا: خدا اور خدا کے حکموں کو اونچا کرو جس کا ذکر ہو گا اس کا اثر ہو گا ہر وقت تبلیغ کا ذکر اور مشورے کرو۔☆......فرمایا بغیر ذکر کے عبادت دشوار ہیں اور بے لذت اس واسطے سب سے اول ذکر کی مقدار زیادہ کرنی چاہیے کیونکہ جب محبوب کا ذکر کیا جاوے گا تب ہی اس کو مانا جاوے گا اس واسطے اللہ تعالیٰ کا ذکر مع فکر کے کثرت سے کرنا چاہئے۔☆......فرمایا: مسلمانوں میں اول تو کسل ہے اور

پھر اٹھنے کے بعد خود رائی ہے اپنے بڑوں کے فرمودہ کے مطابق چلنا چاہیے خود رائی سے چلنے میں محنت زیادہ منافع تھوڑا ماتحتی میں چلنے میں محنت کم منافع بے شمار۔☆......فرمایا: جو شخص اپنے دین کے بڑوں کے پیچھے نہیں چلتا وہ کفار کے بڑوں کے پاؤں کے تلے اور پنجے میں دے دیا جاتا ہے۔☆...... فرمایا: زبان کو میٹھا کرنے کی کوشش کیجئے یہ بڑی سے بڑی عبادت سے بہتر ہے یہ وہ زندگی ہے جو اسوہ حسنہ ہے یہ وہ زندگی ہے جو بلاؤں کا علاج ہے یہ وہ زندگی ہے جو اللہ کے خوش کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پاک کو خوش کرنا ہے۔☆......فرمایا: اس کام کا مزاج اپنوں اور غیروں کی جھیلنا ہے۔☆......فرمایا: کہ ہم غلطی کے نہ ہوتے ہوئے بھی اعتراف کرلیں یہ کام اس مزاج کو چاہتا ہے۔☆......فرمایا: چھوٹوں سے بڑوں کی عزت ہے اور بڑوں سے چھوٹوں کی ترقی وتربیت چھوٹے جتنے بڑوں کے محتاج ہیں اس سے زیادہ بڑے چھوٹوں کے محتاج ہیں۔☆......فرمایا: جماعت ہمیشہ ایک جگہ ٹھہرے اور ایک امیر بنالو جو وہ کہے اس پر عمل کرو امیر کو بدلتے رہو آج یہ ہے کل وہ ہو امیر مامور ہونے کے احکامات کو خوب حفظ اپنے دل میں رکھیں اپنے منصب کو ملحوظ رکھیں مامور ہونے کے وقت اطاعت کو معہ حقوق مشورے کے امیر اپنی جماعت کے طبائع سے واقف رہے اگر واقف نہ ہو تو مشورے کے بعد ہر تجویز کو تجویز کرے جن لوگوں کے خلاف طبع ہو اول ان کے ذہن نشین کرنے کی کوشش کرے ورنہ مراعات دلداری سے انہیں بدل کرتا رہے بوقت امیر ہونے کے جس سے مشورہ مناسب سمجھے مشورہ لیوے اور بوقت مامور ہونے کے جب امیر مشورہ لیوے تو کھل کر مشورہ دیوے۔☆......فرمایا: مشورہ سے الفتیں محبتیں پیدا ہوتی ہیں مشورہ کو رواج دینا ہے مشورہ ایک مستقل چیز ہے۔☆......فرمایا: تبلیغ میں مومن کی زیارت آنکھ کا ذکر ہے، چلنا پاوں کا ذکر۔فرمایا: جب مسلمانوں کی طرف نگاہ کیا کرو تو اس کی طرف وقار کے ساتھ نظر کیا کرو کہ یہ خدا پر ایمان لایا ہوا ہے میرا خدا اس کو پیار کرتا ہے پھر میں کیوں اس کو غیر نظر سے دیکھوں۔☆......فرمایا: جب تک انسان اپنے کو مخلوق کا خادم اور چھوٹا سمجھتا رہے گا اس وقت تک اللہ تعالٰی کے یہاں مقرب اور محبوب رہے گا.☆......فرمایا: ہدیہ کا ثواب

صدقہ سے بہت اونچا ہے۔☆......فرمایا: غیبت کرنے والوں کا اللہ ارادہ کر لیتے ہیں کہ ان کو بغیر ذلیل کیئے ہوئے نہیں رکھوں گا۔☆...... فرمایا: چلوں کے لئے نکلو سالوں کا ارادہ رکھو عمریں صرف کرنے کے لئے دعائیں مانگو۔☆...... فرمایا: کام کرنے کے بعد شکر کرے ندامت سے سر جھکائے اس سے نفس مرجائے گا۔☆...... فرمایا: تبلیغ کا کام کرتے ہوئے تمہاری دنیا بھی دین ہو جاوے گی برخلاف اس کے اگر اس کو نہ کیا تو تمہارا دین بھی دنیا ہو کر برباد ہوتا چلا جاوے گا۔☆...... فرمایا: اللہ کا حکم سمجھ کر، بے چینی کے ساتھ کرنا یہ ہے تبلیغ کا خلاصہ۔☆......فرمایا: میرے رب کا حکم ہے اس نیت سے مشقیں کرو جس وقت جی نہ چاہتا ہو اس وقت زیادہ کرو۔☆......فرمایا: دین کا کام جی لگنے کیوجہ سے کرنا دنیا ہے۔ ☆...... فرمایا: دین کا کام چھوڑنا خیانت ہے۔☆...... فرمایا: دین کے پھیلانے کے لئے ترک وطن سنت طریقہ ہے۔☆...... فرمایا: مذہب کی رونق سے تمہاری رونق ہوگی۔☆......فرمایا: ایمان روح ہے اور اسلام اس کا وجود۔☆...... فرمایا: جو اعلیٰ مرتبہ چاہتا ہے رات کی بیداری اختیار کرے۔☆...... فرمایا: قرآن پڑھنے میں خدا کی آواز سنائی دینے لگے ایسا پڑھو۔☆...... فرمایا: کلمہ کے نور سے دل کو تنہائیوں میں روشن کرو تو نفس کے عیب معلوم ہوتے رہیں گے اور دین میں ترقی کرتے رہو گے۔☆...... فرمایا: جب تک چوبیس گھنٹے میں کوئی وقت ذکر کا مقرر نہیں کرو گے یہ تبلیغ جڑ نہیں پکڑ سکتی۔☆...... فرمایا: زندگی اللہ کی یاد سے ہے اللہ اللہ کرنے میں چین آنے لگے اس کا نام حیات طیبہ ہے۔☆...... فرمایا: عمل اور علم کی پونجی کو چور چرا کر لے جاوے گا جب تک ذکر کے چراغ سے اس کو محفوظ نہ رکھا جاوے۔

☆......فرمایا: ذکر کو لے کر جاؤ گے تو ہر فاسق و فاجر سے نفع اٹھاؤ گے اور اگر اغراض لے کر جاؤ گے تو کفر لے کر آؤ گے۔☆......فرمایا: اغراض کو قربان نہیں کیا تو علماء کا علم بھی جہنم میں لے جائے گا۔ ☆......فرمایا: علم ہو اور نفس قابو میں ہو یہ باعث رحمت ہے ورنہ وہ علم شیطان ہے۔☆......فرمایا: دن میں ظاہر کی تبلیغ ہے اور راتوں میں باطن کی تبلیغ ہے دونوں قسموں کے ماہرین کا ادب کرنا اور ان کی صحبت

اختیار کرنا۔☆......فرمایا: عمل بلاصحبت اور صحبت بلاعمل خطرے سے خالی نہیں ۔☆......فرمایا: علم ماتحت ہو فکر کے ۔☆......فرمایا: علم بذریعہ دل کے عمل بذریعہ جوارح کے دھیان بذریعہ دماغ کے جہد مشترک سب کے ذریعہ سے ۔☆......فرمایا: مراقبہ اور قوت فکریہ سے کام میں مضبوطی ہوتی ہے ۔☆...... فرمایا جیسے دنیاوی مشاغل بھلا رہے ہیں دین کو اسی طرح دینی مشاغل کی طاقت ایسی ہو جاوے کہ دنیاوی مشاغل کو بھلانے لگیں ۔☆......فرمایا: اکرام مسلم کے لئے تین باتوں کی ضرورت ہے توقیر کے ذریعہ یا تعظیم کے یا ترحم کے ان تینوں میں سے ہر موقہ کے مناسب مسلم کا اکرام کرنا۔☆......فرمایا: ان باتوں سے دین آوے گا قرآن نماز تبلیغ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات جمالیہ و جلالیہ کا نور بھر دیا ہے اور نماز کے ذریعہ سے انسان میں چونکہ نور لینے کا مادہ رکھ دیا ہے اور کسی مخلوق میں یہ بات نہیں رکھی نماز کے ذریعہ نور آوے گا ہر ہر عضو میں اور تبلیغ سے اس کی صیقل ہوگی ۔☆......فرمایا: سب سے بڑا ذکر اللہ کی باتوں کا تذکرہ مجمعوں میں کرنا ہے گھروں سے نکل نکل کر ۔☆......فرمایا: تبلیغ کرنے میں تھوڑی نفع میں بڑی مگر یہ تبھی معلوم ہوسکتا ہے کہ یا تو گرہ کی عقل رکھتا ہو یا دوسروں پر اعتماد کرے یہ میرا دعوٰی ہے کہ اس کے کرنے میں 99 حصہ نفع ہے ۔ ☆......فرمایا: یہ تحریک ہے قدم اٹھانے کی جس قدر اس میں قدم اٹھے اسی قدر اس میں رحمت برکت اور نفع ہے ۔☆......فرمایا: تبلیغ کی منفعت یہ ہے کہ ہر کام اتنے حصے بڑھ جاوے گا کہ جتنا صاحب تبلیغ دوسروں کو اس کام پر لگاوے گا ۔☆......فرمایا: تبلیغ کی جڑ اللہ کے خوف اور جنت کی طمع میں ذکر کی کثرت ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے شوق میں اور پھیلانے کا چاؤ ہے اس چاؤ سے جب تبلیغ کی جاوے تو بڑی برکت ہوگی ۔☆......فرمایا: مسلمانوں کی عادت ہو جاوے کہ پیٹھ پیچھے مسلمانوں کی تعریف کریں بس یہ ہزاروں عبادتوں سے اللہ کے نزدیک بہتر ہے اور وہ شخص اللہ کا محبوب ہے فرشتے اس کے لئے دعائیں کرتے ہیں ۔☆......فرمایا: حکم کے پہنچانے میں یہ دیکھے کہ کس کا حکم ہے اور میں کس ادب سے اس کو پہنچاؤں ۔☆......فرمایا: ☆......فرمایا: اسلام کی ایک ایک چیز میں اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا بھر دی ہے اب جس جس قدر کی جو چیز ہے اتنی ہی قدر کی اس میں رضا ہے خیال

کرنے کی بات ہے کہ یہ تبلیغ کتنے بڑے درجہ کی چیز ہے۔☆......فرمایا: ہمارے بزرگ تو یہ فرمایا کرتے تھے کہ جب نیک کام کرنے سے خوشی اور گناہ کرنے سے ندامت ہو جاوے امتی کی یہی ولایت ہے۔☆......فرمایا: ملنے کے وقت نری خوبیوں کو دیکھو ورنہ اس کے برعکس خدا تعالیٰ ہمارے عیوب دیکھیں گے۔☆......فرمایا: اصل یہ ہے کہ بصیرت ایسی ہو جاوے کہ دوسروں کے عیوب نظر سے غائب ہو جاویں اور دوسروں کی صفات اور خوبیاں نظر آنے لگیں اور ان کی خدمت کے لئے دل خوشی خوشی اللہ کی رضا کے لئے جس میں اغراض شامل نہ ہوں آمادہ ہو۔ یہ خدمت خلق انبیاء علیہم السلام کا پیشہ ہے۔☆...... فرمایا: اللہ تعالیٰ کے امر کو زندہ کرنے میں جان دے دو ورنہ اغراض کی وجہ سے روٹیوں کی خاطر مخلوق جان دے رہی ہے۔☆......فرمایا: جہلا کو علماء سے ملاؤ جہلاء ان کی تعظیم کریں اور علماء ان پر پیار کریں یہ گر کی بات ہے۔ بجائے خود کرنے کے علماء کو لگا دو علماء میں جہلاء اپنی جہالت کے حالات سنادیں ان کو ان پر رحم آوے گا یہ ان کی خوشامد کریں گے تا کہ علوم سے آشنا کریں دراصل کام بننے گا علماء ہی سے۔☆...... فرمایا: حق تعالیٰ سے لگاؤ کا رواج مٹ گیا، علم کا ڈھنگ غلط، تقوی کا ڈھنگ غلط، یہ طلب علم نہیں، علم کی لذت سے ناواقف ہو چکے ہیں اصل اللہ کے امروں کی قدردانی ہے۔☆......فرمایا: کلمہ کی دعوت کے ذریعے سے اپنے کلمے کو نورانی کرو پھر نماز میں نور آوے گا اور پھر نماز دیگر اعمال میں نور لاوے گی۔☆...... فرمایا: مجھے دو خطرے ہیں ایک یہ اسباب ہوتے ہوئے اسباب پر نظر نہ ہو یہ مشکل ہے مجھے اپنے اوپر بھی خطرہ ہے اسباب پر نظر ہو جانے سے اللہ کی نصرت ختم ہو جاتی ہے استدلال میں لقد نصرکم اللہ فی مواطن کثیرۃ کو پیش کیا۔ اسباب نعم ہیں اسباب کا تلبس استعمال نعمت کے درجے میں ہو نہ کہ ان پر نظر جم کر خالق کی بجائے ان سے جی لگ جائے دوسرا خطرہ یہ ہے کہ ہم کام نہ کر رہے ہوں اور سمجھیں کہ کر رہے ہیں کام کے اثرات کو کام سمجھیں کام تو چھ نمبروں کی پابندی ہے۔☆......فرمایا: اسباب ختم ہونے کے بعد یاس نہ آنے پائے اللہ سے مایوس نہ ہونا چاہئے بس اس وقت اللہ تعالیٰ سے مانگو اضطراری حالت کی دعاء مقبول ہے۔☆......فرمایا: اسباب کی کمی پر نظر ڈال کر مایوس ہو جانا اس بات کی نشانی ہے کہ تم اسباب پرست ہو

اور اللہ کے وعدوں اور اس کی غیبی طاقتوں پر تمہارا یقین بہت کم ہے اللہ پر اعتماد کر کے اور ہمت کر کے اٹھو تو اللہ ہی اسباب مہیا کر دیتا ہے ورنہ آدمی خود کیا کر سکتا ہے مگر ہمت اور استطاعت بھر جہد شرط ہے۔☆......فرمایا: دہریت کیا ہے مال روپے پیسے پر بھروسہ کرنا اس واسطے قوت یقین کو اللہ نے جو اپنے اوامر کے ذریعہ بتلایا ہے اس کو مضبوط کرنا اسباب کو اوامر کے ماتحت برتو نہ کہ اسباب کو یقین کا درجہ دے دو۔

☆......فرمایا: آج کل مخلوق اسباب پر نظر جما کر سارے کاموں کی ترقی کا باعث سمجھ رہی ہے حالانکہ اسباب اوامر کے بعد مرتب ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ نے کن کہا تب زمین و آسمان بنے یہ فرق اسباب و اوامر کا ہے۔☆......فرمایا: مخلوق سے امید باندھنا، اللہ کو جتنا غضب میں لاتا ہے اسی طرح اللہ سے امید نہ باندھنا غضب میں لاتا ہے۔☆......فرمایا:
یقین اور وہم کا فرق یہ ہے یقین تو یہ ہے کہ یہ ہوگا اور پھر ہوگا اور وہم یہ ہے کہ شاید ہو جاوے گا اور نہ ہونے پر ڈگمگا جانا۔☆......فرمایا: اصل یقین یہ ہے کہ ایسا یقین ہو کہ اسباب کے خراب ہوتے ہوئے یقین کو ترقی دینا اور اللہ کے فرمودہ کی قدر اور وقعت کرنا اور اس پر جمے رہنا۔☆......فرمایا: اعمال کو اللہ کی رضا کے لئے کرنا یہ درجہ اول ہے، اور طمع وخوف کے ذریعہ کرنا یہ درجہ دوم ہے۔☆......فرمایا: یہ تحریک دیگر اعمال کے مقابلے میں ایسی ہے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیگر مخلوق پر فضیلت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ تلے ہر شخص محفوظ رہ سکتا ہے اسی طرح یہ عمل دیگر اعمال کے مقابلے میں ایسا ہی ہے اس کے سایہ بغیر کسی عمل میں پرورش اور بقا نہیں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام آویں تو ان کو بھی میری اتباع بغیر چارہ نہیں، اسی طرح دیگر اعمال بغیر اس عمل کے بے رونق ہیں۔☆......
فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اس زمانے میں یہ نعمت عجیبہ عنایت فرمائی ہے اس کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے کیونکہ ہر نعمت شکریہ پر ہے اس نعمت کا شکریہ مسلمانوں مؤمنوں کے سامنے تواضع ہے۔☆......☆......
فرمایا: صفت عبدیت بڑھائے یہاں تک کہ اپنے آپ کو راستہ کی خاک سے بھی کم سمجھے جیسا کہ وہ پیروں

میں روندی جاتی ہے اسی طرح دین کے کاموں کے کارن مخلوق کے پیروں میں رندنے کو فخر سمجھنا۔ ☆......فرمایا: دین کے کارن جو انسان کو تکالیف آتی ہیں وہ اللہ کو بہت پسند ہیں۔☆......فرمایا: راتوں کو ذکر سے اور دن میں تبلیغ سے اور باقی وقت ضروریات سے فارغ ہوتے ہوئے علوم کے سیکھنے میں اپنے آپ کو مشغول رکھے. کچھ وقت ان علوم میں صرف کرے جس سے جذبات پیدا ہوں اور باقی کو مسائل وغیرہ کے سیکھنے میں خرچ کرے۔ ☆......فرمایا: صحبت بڑی چیز ہے جو علوم صحبت کے ذریعہ سے آویں گے وہ ہرگز کتابوں کے ذریعہ نہیں آویں گے۔☆......فرمایا: جب تک علاقہ نائبان رسول سے نہ ہوگا گویا اس نے رسالت کا اقرار نہیں کیا اور وہ شیطان کے پنجے میں آجاوے گا۔☆......فرمایا: زمانہ تبلیغ میں خدمت گزاری اور حفظان صحت کے بعد تبلیغ تعلیم اور تذکیر ہے۔☆......فرمایا:
طبیعت مایوسی کی طرف زیادہ چلتی ہے کیونکہ مایوس ہوجانے کے بعد آدمی اپنے کو ذمہ دار نہیں سمجھتا اور پھر اسے کچھ کرنا نہیں پڑتا خوب سمجھ لو یہ نفس اور شیطان کا بڑا کید ہے۔ ☆......فرمایا: حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اس دور کے قطب ارشاد اور مجدد تھے لیکن مجدد کے لئے ضروری نہیں ہے کہ سارا تجدیدی کام اسی کے ہاتھ پر ظاہر ہو بلکہ اس کے آدمیوں کے ذریعہ جو کام ہو وہ سب بھی بالواسطہ اسی کا ہے جس طرح خلفائے راشدین بالخصوص حضرات شیخین کا کام فی الحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا کام ہے۔☆......
فرمایا: اس طریقہ سے چند روز میں وہ بات حاصل ہوسکتی ہے جو دوسرے طریقوں سے پچیس سال میں بھی حاصل نہیں ہوتی۔☆......فرمایا: میں مستورات سے کہتا ہوں کہ دینی کام میں تم اپنے گھر والوں کی مددگار بن جاؤ انہیں اطمینان کے ساتھ دین کے کاموں میں لگنے کا موقع دے دو اور گھریلو کاموں میں ان کا بوجھ ہلکا کردو تاکہ وہ بے فکر ہوکر دین کا کام کریں اگر مستورات ایسا نہ کریں گی تو حبالۃ الشیطان ہوجائیں گی یعنی شیطان کا پھندہ۔☆......فرمایا: میں اب تک اس کو پسند نہیں کرتا تھا کہ اس تبلیغی کام کے سلسلہ میں کچھ زیادہ لکھا پڑھا جائے اور تحریر کے ذریعہ اس کی دعوت دی جائے بلکہ میں اس کو منع کرتا رہا لیکن اب میں کہتا ہوں کہ لکھا جائے اور تم بھی لکھو...اب ان حالات میں بھی کس مپرسی

والے ابتدائی زمانہ ہی کے طریقہ کار کے ہر ہر جز جز پر جمے رہنا ٹھیک نہیں ہے اس لئے میں کہتا ہوں کہ تحریر کے ذریعہ بھی دعوت دینی چاہیئے ۔☆......فرمایا: اب یہ کہنا چھوڑ دو کہ تین دن دو یا پانچ دن دو یا سات دن دو بس یہ کہو کہ راستہ یہ ہے جو جتنا کرے گا اتنا پاوے گا اس کی کوئی حد اور کوئی سرا نہیں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام سب نبیوں سے آگے ہے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی ایک رات اور ایک دن کے کام کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نہیں پا سکے پھر اس کی غایت ہی کیا ہے یہ تو سونے چاندی کی کان ہے جتنا کھودو گے اتنا نکالو گے ۔☆......فرمایا: دین کی نعمت جن وساطت سے ہم تک پہنچی ہے ان کا شکر و اعتراف اور ان کی محبت نہ کرنا محرومی ہے ۔ من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ اور اسی طرح ان ہی کو اصل کی جگہ سمجھ لینا بھی شرک اور مردودیت کا سبب ہے وہ تفریط ہے اور یہ افراط ہے اور صراط مستقیم ان دونوں کے درمیان ہے ۔☆......فرمایا: مسجدیں مسجد نبوی کی بیٹیاں ہیں اس لئے ان میں وہ سب کام ہونے چاہئیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں ہوتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں نماز کے علاوہ تعلیم و تربیت کا کام بھی ہوتا تھا اور دین کی دعوت کے سلسلہ کے سب کام بھی مسجد ہی سے ہوتے تھے دین کی تبلیغ یا تعلیم کے لئے وفود کی روانگی بھی مسجد ہی سے ہوتی تھی یہاں تک کہ عساکر کا نظم بھی مسجد ہی سے ہوتا تھا ہم چاہتے ہیں کہ ہماری مسجدوں میں بھی اس طریقہ پر یہ سب کام ہونے لگیں ۔اس کام پر جب بھی کوئی خطرہ یا رکاوٹ آئے گی وہ کام کرنے والوں کی غلطی سے آئے گی ۔اس میں جماعتی عصبیت، غرور اور افتراق زہر کے مانند ہے ۔تمام طبقات کا جوڑ خصوصا علماء کرام اور دینی طبقات سے اس کام کی روح ہے ۔ تمت بحمد اللہ و منہ ۔

سورج گرہن کی حقیقت

دِین اِسلام نے ہمیں زندگی میں ہونے والے ہر کام کے متعلق ایسی تعلیمات مہیا کر دی ہیں جو ہمارے لیے دِین، دنیا اور آخرت کی خیر کا سبب ہیں، حتیٰ کہ ایسے کام بھی جو بظاہر ہماری زندگیوں کے معاملات سے بہت دور دِکھائی دیتے ہیں۔ ایسے ہی کاموں میں سے دو کام، سُورج گرہن اور چاند گرہن بھی ہیں۔ اِن دونوں کاموں کے بارے میں، ہمارے محبوب رسول اللہ محمد صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم نے قولی اور عملی طور پر ہمیں یہ سِکھایا کہ اِس کا سبب کیا ہے؟ اور اگر ہماری زندگیوں میں یہ کام ظاہر ہوں تو ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ فرمایا یہ اللہ تعالی کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے، یہ ظاہر کرنے کے لیے جو قادِر مطلق اللہ تعالی سورج سے روشنی دیتا ہے اور چاند سے چاندنی دیتا ہے، وہی اللہ تعالی ان کو ماند کر دینے پر بھی قادر ہے۔ دنیا میں ایسا عظیم الشان نظام ہے کہ وقت پر سورج کا طلوع ہونا، غروب ہونا، چاند اور کروڑوں ستاروں کا خلا میں موجود ہونا، ہواؤں کا چلنا، سورج اور چاند سے روشنی کا ملنا، زمین کے اندر بے شمار خزانے اور زمین میں بڑے بڑے پہاڑوں کا موجود ہونا، بادلوں سے بارش کا ہونا۔ سورج و چاند کا کیسا عجیب وغریب نظام ہے کہ ہزاروں سال گزرنے کے باوجود ایک سیکنڈ کا بھی فرق نہیں آیا۔ جس طرح وقتی طور پر اللہ کے حکم سے سورج یا چاند کو گرہن لگتا ہے، ایک دن ایسا ضرور آئے گا کہ یہ سورج اللہ کے حکم سے مشرق کے بجائے مغرب سے طلوع ہوگا جیسا کہ آج کے سائنس دانوں نے بھی اس کے امکان کو تسلیم کرلیا ہے، حالانکہ شریعت اسلامیہ نے 1400 سال قبل ہی اس کو بتا دیا تھا۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ پوری دنیا ختم ہو جائے گی اور پھر دنیا کے وجود سے لے کر تمام انسانوں کو ان کے کئے ہوئے اعمال پر جزا یا سزا دی جائے گی۔ گرہن کا معنی ہیں (گ کی زیر کے ساتھ) کے معنی ہیں: داغ لگنا، سیاہ

ہو جانا، چنانچہ جب سورج یا چاند گرہن لگتا ہے تو اندھیرا چھا جاتا ہے۔ غرضیکہ سورج یا چاند کے گرہن لگنے میں کسی مخلوق کا نہ دخل ہے اور نہ ہی پوری کائنات مل کر سورج یا چاند کے گرہن کو روک سکتی ہیں۔ اس لیے سورج یا چاند کے گرہن کے وقت صرف اللہ تعالیٰ کی ہی پناہ مانگی جائے، اسی کے سامنے جھکا جائے اور اسی کے در پر جا کر پیشانی ٹیکی جائے کیونکہ وہی اس کائنات کا خالق بھی ہے اور مالک و رازق بھی۔ نبی اکرم ﷺ سورج گرہن لگنے پر مسجد میں داخل ہو کر نماز میں مصروف ہو جاتے تھے، اس لیے اگر ایسے موقع پر باہر نکلنے سے بچا جائے اور براہ راست سورج کو نہ دیکھا جائے تو یہ عمل احتیاط پر مبنی ہوگا، کیونکہ سائنسی اعتبار سے بھی اس نوعیت کی احتیاط مطلوب ہے، لیکن گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ہمارا تو ایمان ہے کہ جو تکلیف یا آسانی اللہ تعالیٰ کی جانب سے مقدر میں ہے وہ مل کر ہی رہے گی، اگرچہ تکلیف سے بچنے اور آسانی کے حصول کے لیے تدابیر و اسباب ضرور اختیار کرنے چاہئیں۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں آپ ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد سورج گرہن ہو گیا، اس زمانے میں لوگوں کا خیال یہ تھا کہ سورج گرہن کسی بڑے آدمی کی وفات یا پیدائش کی وجہ سے ہوتا ہے، جیسا کہ ابھی آپ ﷺ کے بیٹے کی وفات پر ہوا تو آپ ﷺ نے اس عقیدے کی نفی فرمائی۔ " بخاری شریف" میں ہے: "حضرت ابو بردہ، حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ سورج گرہن ہوا تو نبی ﷺ اس طرح گھبرائے ہوئے کھڑے ہوئے جیسے قیامت آ گئی ہو، آپ ﷺ مسجد میں آئے اور طویل ترین قیام و رکوع اور سجود کے ساتھ نماز پڑھی کہ اس سے پہلے آپ ﷺ کو ایسا کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ نشانیاں ہیں جو اللہ بزرگ و برتر بھیجتا ہے، یہ کسی کی موت اور حیات کے سبب سے نہیں ہوتا ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے، جب تم اس کو دیکھو تو ذکر الٰہی اور دعا و استغفار کی طرف دوڑو"۔ لہٰذا چاند گرہن اور سورج گرہن کے وقت ہمیں تعلیماتِ نبویہ علی صاحبہا الصلوات والتسلیمات کے مطابق اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر نماز، دعا اور استغفار میں مشغول ہونا چاہیے۔ صحيح البخاري (2/39) نبی اکرم ﷺ نے اس موقع پر لمبی نماز پڑھی۔ نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات کے مطابق آج تک پوری امت مسلمہ کا یہی معمول ہے کہ اس موقع پر نماز پڑھی جائے،

اللہ کا ذکر کیا جائے اور دعا کی جائے۔حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں سورج گرہن ہوا۔آپ ﷺ اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے (تیزی سے) مسجد پہنچے۔صحابہ کرام آپ کے پاس جمع ہو گئے۔آپ ﷺ نے انھیں دو رکعت نماز پڑھائی اور گرہن بھی ختم ہو گیا۔

سورج گرہن کی نماز کو "کسوف" کہتے ہیں، اور چاند گرہن کی نماز کو خسوف۔سورج گرہن کے وقت دو رکعت نماز پڑھنا مسنون ہے، ہاں اگر تنہا پڑھ رہا ہو تو دو سے زیادہ بھی (چار، چھ) جتنی چاہیں پڑھ سکتے ہیں۔اس کی نماز کا بھی وہی طریقہ ہے جو عام نوافل کا ہے، اگر حاضرین میں جامع مسجد کا امام موجود ہو تو "کسوف" یعنی سورج گرہن کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنی چاہیے، اور اس نماز کے لیے اذان اور اقامت نہیں ہے، اگر لوگوں کو جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے لیے جمع کرنا مقصود ہو تو اعلان کر دیا جائے، نیز اس نماز میں سورۂ بقرہ یا اس جیسی بڑی سورتیں پڑھنا یعنی طویل قراءت اور لمبے لمبے رکوع اور سجدے کرنا مسنون ہے، اور اس نماز میں قراءت آہستہ آواز سے کی جائے گی، نماز کے بعد امام دعا میں مصروف ہو جائے اور سب مقتدی مناسب آواز میں آمین کہیں، یہاں تک سورج گرہن ختم ہو جائے۔مسنون یہ ہے کہ نماز کسوف با جماعت ادا کی جائے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا تھا۔اگرچہ یہ نماز بھی (دیگر نوافل کی طرح) فرداً فرداً جائز ہے لیکن با جماعت ادا کرنا افضل ہے۔نماز کسوف ادا کر لینے کے بعد امام کو چاہیے کہ وہ لوگوں کو وعظ و نصیحت کرے۔ان کی غفلت اور لاپرواہی پر تنبیہ کرے۔دعا و استغفار کا حکم دے۔اسی طرح مکروہ اوقات میں سورج گرہن ہو جائے تو یہ نماز نہیں پڑھی جائے گی، بلکہ صرف دعا کر لی جائے۔اللہ تعالیٰ ہمارے نیک اعمال قبول فرمائے اور غلطیوں، کوتاہیوں اور گناہوں سے درگزر فرمائے۔آمین

مثالی طالب علم کیسے بنیں؟

ازقلم:......قاری محمد اکرام اوڈھروال ضلع چکوال

وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے امتحانات اور مدارس کھولنے کے اعلانات کے موقع پر عزیز

طلبائے کرام کے لئے چند ہدایات پیش خدمت ہیں، اللہ سبحانہ ہمیں عمل کی توفیق عنایت فرمائیں۔آمین یا رب العٰلمین۔تعلیم کی وجہ سے ہی انسان کو اشرف المخلوقات کی دستار فضیلت سے سرفراز کیا گیا ہے۔جب طلبہ اپنے طالب علمی کے دور کو اصولوں اور آداب کے مطابق گزارتے ہیں تب اللہ رب العزت ان سے دوسروں کی ہدایت و رہبری اور انسانیت کی فلاح و کامرانی کے کام لیتا ہے۔یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اصول و آداب کی اگر پابندی نہ کی جائے تب بڑے سے بڑے کام بھی مفید نتائج فراہم نہیں کر پاتے۔

☆......حصول علم کا مقصد حضرت عبداللہ بن مبارکؒ ایک جگہ سے گزر رہے تھے تب ان کی ایک لڑکے پر نظر پڑی جس کے چہرے سے ذہانت مترشح تھی۔آپؒ نے لڑکے سے پوچھا" کچھ پڑھا بھی ہے یا یوں ہی اپنا وقت اور عمر برباد کر رہے ہو؟" لڑکے نے جواب دیا" کچھ زیادہ تو نہیں پڑھا ہے بس چار باتیں سیکھی ہیں۔" آپؒ نے پوچھا" کونسی" کہنے لگا" سر کا علم، کانوں کا علم، زبان کا علم اور دل کا علم حاصل ہے۔" آپؒ نے کہا مجھے بھی کچھ بتاؤ۔لڑکے نے کہا" سر اللہ تعالی کے سامنے جھکانے کے لئے ہے، کان اللہ کا کلام سننے کے لئے ہیں، زبان اس کے ذکر کے لئے ہے اور دل اللہ کی یاد بسانے کے لئے۔" حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ لڑکے کے حکمت آمیز کلام سے اس قدر متاثر ہوئے کہ اس سے نصیحت کے لئے کہا۔لڑکے نے آپؒ سے کہا آپ مجھے شکل سے عالم معلوم ہوتے ہیں اگر علم اللہ تعالی کے لئے پڑھا ہے تو پھر اللہ تعالی کے علاوہ کسی سے کبھی امید نہ رکھنا۔" اس واقعہ سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ علم کا حصول ایک عبادت ہے اور اس کی قبولیت کا دارومدار اخلاص وللہیت پر منحصر ہے۔حصول علم کا مقصد خود آگہی اور خدا آگہی ہونا چاہیئے نہ کہ دنیا کے حقیر مقاصد کا حصول۔☆......طالب علم کے دل میں ہمیشہ جذبہ حصول علم کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا ہو، اور دل ہمیشہ اسی ادھیڑ بن میں مبتلا رہے کہ جب تک اسے اپنے مقصد میں کامیابی حاصل نہ ہو وہ بیکل اور مضطرب رہے اور اپنے مقصد کے حصول تک مسلسل تگ و دو کرتا رہے۔☆......نہ صرف طلباء کے لئے بلکہ ہر انسان کے لئے وقت ایک عظیم نعمت ہے۔طلباء اپنے وقت کی حفاظت کریں

اور اسے بیکار اور فضول کاموں میں برباد نہ کریں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ لایعنی کو چھوڑ دے۔ طالب علموں کے لئے فضول اور لایعنی امور سے پرہیز لازمی ہے تاکہ ان کی قابلیت اور لیاقت میں اضافہ ہو سکے۔☆......اللہ تعالی انسان کو اسی محنت اور لگن کے بقدر عطا فرماتے ہیں۔ کسی کام کو خوب اچھا کرنے کے لئے جدو جہد، سعی عمل، شغل تمام ضروری ہوتے ہیں۔ شرعی اصطلاح میں احسان اخلاص اور للہیت کو کہتے ہیں۔ جو طلباء جتنی محنت کریں گے اللہ تعالی ان کو اتنا ہی علم کی دولت سے مالا مال کر دیں گے۔ طلبہ میں اخلاص اور للہیت کا فقدان علم نافع کے حصول میں بہت بڑی رکاوٹ ہے۔ محنت کے ساتھ طلباء کے لئے مطلوبہ صفات اخلاص، تواضع، ادب، حسن اخلاق، معصیت سے دوری حصول علم کے لئے ضروری گردانے گئے ہیں۔ حصول علم کے معاملے میں ہمارے اسلاف کی محنت ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔ تساہل، کاہلی، بزدلی جیسے منفی صفات جب ایک مثالی طالب علم کے آگے سر اٹھاتے ہیں تب وہ اپنی اولوالعزمی سے ان تمام منفی جذبوں کو کچل دیتا ہے۔ طالب علم حرکت اور تحریک کا ایک مثالی نمونہ ہوتا ہے۔ یاوہ گوئی، فضول اور لایعنی کاموں سے ایک مثالی طالب علم ہمیشہ خود کو دور رکھتا ہے۔☆......اولعزمی، بلند ہمتی، حوصلہ، امنگیں، امید اور خود اعتمادی ایک مثالی طالب علم کے ہتھیار ہوتے ہیں۔ مذکورہ صفات کی کمی طلبہ میں احساس کمتری کا باعث ہوتی ہے۔ ایک مثالی طالب علم کے لئے مسلسل جدو جہد اور محنت کے ساتھ بلند ہمتی (اولعزمی) نہایت ضروری ہے۔ اگر طالب علم خوب محنت کرے لیکن اس میں بلند ہمتی نہ ہو، تب بھی وہ زیادہ علم حاصل نہیں کر سکتا ہے۔ اس کے علاوہ طالب علم میں ہمت اور بلند حوصلگی ہو اور محنت کا فقدان پایا جائے تب بھی وہ علم حاصل کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ علم ایک قیمتی شئے ہے اور ہر قیمتی شئے کے حصول میں محنت اور بلند ہمت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ مسلسل محنت، راحتوں اور لذتوں کو چھوڑنے سے ہی علم حاصل ہوتا ہے۔☆......روزانہ باقاعدہ مطالعہ کی عادت سے علم میں اضافہ کے ساتھ پختگی پیدا ہوتی ہے۔ جماعت میں سبق کی تدریس سے قبل سبق کے مطالعہ سے نہایت فائدہ ہوتا ہے۔ روزانہ اسباق کے مطالعہ کا بلاناغہ اہتمام کرنے سے سبق اچھی طرح ذہن نشین اور

محفوظ ہوجائے مشہور مقولہ ہے کہ "علم اس وقت تک اپنا تھوڑا سا حصہ بھی نہیں دیتا ہے جب تک کہ طالب علم اپنے آپ کو پورے کا پورا علم کے حوالہ نہ کر دے۔" کتابوں کے انتخاب کرنے کے لئے طلباء اساتذہ سے رہنمائی حاصل کریں۔تن آسانی، سہل پسندی، اور آرام طلبی نہ صرف زمانہ طالب علمی بلکہ زندگی کے ہر موڑ پر نقصان دہ ثابت ہوتی ہے۔☆......مثالی طالب علم کے لئے استاد اور علم سے متعلق تمام اشیاء کا ادب و احترام لازم ہوتا ہے۔تحصیل علم میں جب تک تین آداب (1) استاذ کا ادب (2) درس گاہ اور مسجد کا ادب (3) کتاب کے ادب کو ملحوظ نہ رکھا جائے تب تک طالب علم کی نہ صلاحیتیں نکھرتی ہیں، نہ استعداد جلا پاتی ہے اور نہ ہی اس کو روحانی ترقی حاصل ہوتی ہے۔طلبہ استاذ سے مقابلہ مناظرہ، مکابرہ اور مجادلہ سے ہر وقت بچیں۔طالب علم سے اگر کوئی خطا، بے ادبی اور غلطی واقع ہوجائے تب وہ فوری استاذ سے عاجزی، انکساری ندامت اور لجاجت سے معافی چاہے۔☆......طالب علم محنتی ہو خوب مطالعہ کرنے والا ہو، اس کے پاس معلومات کا انبار ہو لیکن جب اس کے اخلاق و کردار خراب ہوں تب یہ تمام اوصاف بے سود ثابت ہوتے ہیں۔ایک مثالی طالب علم پڑھائی میں دلچسپی رکھنے کے ساتھ ساتھ، زندہ دل، وسیع النظر، کشادہ دل، مثبت نظریات کا حامل، ملنسار اور سب کا بھلا چاہنے والا ہوتا ہے۔

(1) ایک مثالی طالب علم نماز پنجگانہ کا پابند ہوتا ہے کیونکہ نماز مومن کا ہتھیار ہے۔نماز اور وضو طالب علم کو ہر پل تازہ دم رکھتے ہیں۔(2) اکثر طلباء رات دیر تک پڑھنے کو ترجیح دیتے ہیں جو حفظان صحت کے اصولوں کے خلاف ہے۔طلبہ رات دس بجے تک سو جائیں۔چھ گھنٹے کی نیند لینے کے بعد علی الصبح چار ساڑھے چار بجے بیدار ہوجائیں کیونکہ سحر خیزی فطرت کے عین مطابق ہے۔حوائج ضروریہ سے فارغ ہونے کے بعد تہجد کی نماز ادا کرنے کے بعد پڑھائی کریں۔فجر کی نماز کے بعد مطالعہ کریں۔صبح کا وقت مطالعہ کے لئے بہت ہی بہتر ہوتا ہے۔(3) دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد قیلولہ کی عادت ڈالیں۔تاکہ صحت کے اصولوں کے مطابق آٹھ گھنٹے کی نیند پوری ہوجائے اور طالب علم تروتازہ ہوجائے۔(4) عصر تا مغرب کوئی کھیل یا چہل قدمی صحت، ذہن و دل کے لئے مفید ہوتی ہے۔لغو تفریحات سے گریز لازمی ہے۔مثالی

طالب علم کی تفریح بھی مثبت تعمیری اور بامقصد ہوتی ہے۔خاص طور پر ایک مسلم طالب علم کی زندگی میں فضول چیزوں کے لئے کوئی وقت نہیں ہوتا ہے۔(5 عشاء کی نماز کے بعد دو تا ڈھائی گھنٹے پڑھائی میں لگائیں۔رات میں جلد سونا صحت کے لئے بہتر ہوتا ہے۔(6) طلبہ اپنے معمولات کو میکانکی انداز سے انجام دینے کے بجائے انسانی فطرت کے مطابق بنائیں۔باجماعت نماز کا اہتمام کریں۔کوئی ایسی سرگرمی اور عادت سے گریز کریں جو کہ صحت کے لئے مضر ہو۔مذکورہ بالا اوصاف کے علاوہ ایک مثالی طالب علم میں خوف خدا، نبی اکرم ﷺ سے غایت درجہ محبت، اطاعت اور عظمت کا جذبہ، دین شریعت کے احکام کی پابندی، انسانیت کی خدمت کا جذبہ، پاکی اور صفائی، اساتذہ کی تفویض کردہ ذمہ داریوں کی احسن طریقہ سے انجام دہی جیسے اوصاف پائے جاتے ہیں۔ایک مثالی طالب علم بلا اجازت جماعت اور درس گاہ میں داخل ہوتا ہے نہ باہر جاتا ہے۔اپنے خاندان ماں باپ، اساتذہ، اپنے کردار اور تعلیمی ادارے کی نیک نامی کو ہر حال میں برقرار رکھنا ایک مثالی طالب علم کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ایک مثالی طالب علم کی یہ نشانی ہوتی ہے کہ وہ تحصیل علم کے سفر کو پر کیف بنانے کے لئے اچھے ساتھیوں کا انتخاب کرے تاکہ اس کے اساتذہ، والدین اور خاندان کے افراد کی امیدوں، آرزوؤں اور ارمانوں کا خون نہ ہونے پائے۔مذکورہ بالا صفات کو اپنے آپ میں پیدا کرتے ہوئے ایک طالب علم خود کو نہ صرف مثالی بنا دیتا ہے بلکہ دنیا و آخرت میں عزت اور رضائے الٰہی کا حقدار ہو جاتا ہے۔

میرے شیخ حضرت ہزاروی رحمہ اللہ تعالیٰ

عربی کا مقولہ ہے "موت العالِم موت العالَم" یعنی عالم دین کی موت دنیا کی موت کے برابر ہے، بظاہر یہ مقولہ حقیقت کے منافی معلوم ہوتا ہے، مگر مقصد یہی ہے کہ ایک عالم دین کا دنیا سے اٹھ جانا دنیا کے باقی لوگوں کو دینی علوم سے محروم کرنے کے مترادف ہے، موت ایک ایسی اٹل حقیقت ہے جس سے کسی دور میں انکار نہیں کیا گیا۔ جنازے روز اٹھتے ہیں، قبرستانوں کی آبادی میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے، موت سے کسی کو مفر نہیں، کیا امیر اور کیا غریب، کیا بادشاہ اور کیا فقیر، کیا علماء اور کیا جہلاء، اس دنیا میں جو بھی آیا ہے جانے کے لیے آیا ہے، دیوانے ہیں جو اسی دنیا کو اپنی حقیقی منزل اور اپنی علمی اور عملی کاوشوں کا منتہیٰ سمجھ لیتے ہیں مگر بعض جانے والے دنیا سے اس شان سے جاتے ہیں کہ بڑے بڑے ان کے جانے سے رشک کرتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کا جینا اور مرنا محبت اور دشمنی، وصل اور ہجر، سب کچھ اللہ کے لیے ہوتا ہے، وہ درختوں کی طرح خود گرم سرد موسموں کا سامنا کرتے ہیں مگر دوسروں کو راحت بخش سایہ عطا کرتے ہیں، شمع کی مانند خود پگھلتے ہیں مگر انسانیت کے لیے تاریک راہوں کو روشن کر دیتے ہیں۔ اور بے شمار لوگ اپنا وقتی اور معمولی نوعیت کا کردار دکھا کر ذہنوں سے جلد محو ہو جاتے ہیں اور کچھ افراد اپنے غیر معمولی کردار کے انمٹ نقوش چھوڑ کر امر ہو جاتے ہیں، اس دنیائے فانی پر ایسے بھی کچھ خوش بخت لوگ بستے ہیں جو اپنی قابل رشک کارکردگی کی بدولت گمنامی کی زندگی سے شہرت کی رفعتوں کو چھوتے ہیں، وہ اپنی ہر دلعزیز شخصیت کی وجہ سے نظروں کو بھاتے، دلوں میں سماتے اور ذہنوں پر چھا جاتے ہیں، ان کی دل نشیں یادوں سے تصورات کی حسین دنیا درخشاں، آباد اور شاد رہتی ہے، وہ خود تو اس جہان بے ثبات سے کوچ کر جاتے ہیں مگر زمانہ

انہیں صدیوں تک یاد رکھتا ہے، وہ اپنے عظیم کردار ونظریات کی صالح باقیات اور ایسی روشن یادگاریں چھوڑ جاتے ہیں، دنیا جن سے رہنمائی پاتی اور سدا، ان کا تذکرۂ خیر کرتی رہتی ہے، یہی وہ لوگ ہوتے ہیں جو اپنے درخشاں کردار کی بدولت تاریخ کے ماتھے کا جھومر بن جاتے ہیں، ایسی ہی قابل قدر شخصیات میں سے ایک عظیم شخصیت ولیٔ کامل پیر حضرت مولانا عزیز الرحمان رحمہ اللہ تعالیٰ اللہ خلیفہ مجاز شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہٗ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ان حضرات کی قبور پر اپنی رحمتوں کی بارش برسائے۔

بندۂ ناچیز ان کے بارے میں کچھ لکھنے کے قابل تو نہیں لیکن اپنے پیر ومرشد کے بارے میں اپنے آپ کو لکھنے سے روک نہیں پا رہا، اگر کچھ صحیح لکھ سکا تو وہ میرے رب کی عنایت ہے اور اگر حضرت جی کی شان کے مطابق نہ تحریر ہوسکا تو وہ سراسر راقم کی کوتاہی اور نالائقی ہے۔ بہرکیف یکم ذی القعدہ 1441ھ بمطابق 23 جون 2020ء منگل صبح پونے سات بجے حضرت جی کے بارے میں معلوم ہوا کہ دار الفنا سے دار البقاء کی طرف تشریف لے گئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن۔ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت جی رحمہ اللہ کی جملہ مساعی جمیلہ کو شرف قبولیت سے نوازتے ہوئے انہیں جنت الفردوس میں جگہ نصیب فرمائے۔ وہ بحیثیت انسان بیک وقت بے مثال خطیب، بے لوث ومخلص راہنماء، بلند پایہ مصنف، اعلیٰ درجہ کے منتظم، دینی افکار ونظریات کے عظیم مبلغ اور اس کے ساتھ ساتھ خدا ترس، زاہد، متقی، متوکل اور پرہیزگار تھے، جنہوں نے حیات مستعار کا راحت وسکون، آسائش وآرام امت مسلمہ کے واسطے ترک کر دیا تھا اسی لئے علماء وصلحاء نے انہیں شفیق الامۃ کے خطاب سے نوازا ہوا تھا جس کی ساری زندگی دین حق کی سربلندی اور سرفرازی کے لئے وقف ہو، مندرجہ بالا صفات وخصوصیات کے انسانوں کو اگر شمار کیا جائے تو زمانۂ موجودہ میں پہلی صف میں میرے شیخ اور میرے حضرت کا اسم گرامی ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ۔

☆......حضرت ہزاروی رحمہ اللہ تعالیٰ کا آبائی تعلق صوبہ خیبر پختونخواہ کے ضلع بٹ گرام کے گاؤں چھپل گرام سے تھا، آپ نے ابتدائی دینی تعلیم جامعہ فرقانیہ راولپنڈی، جامعہ انوار العلوم سے حاصل کی جبکہ 1974ء میں جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک سے سند فراغت حاصل کی۔ ☆......حضرت جی بعد ازاں جامع مسجد

صدیق اکبرؓ اللہ آباد راولپنڈی میں امام وخطیب مقرر ہوئے جہاں انہوں نے ایک دینی ادارہ قائم کیا پھر کچھ عرصہ بعد دارالعلوم زکریا ترنول کی بنیاد رکھی جو بعد میں ایک مرکزی حیثیت اختیار کرگیا، ان کا قائم کردہ دارالعلوم زکریا خدا تعالیٰ اسے آباد وشاد رکھے۔ جس کی تعمیر وترقی میں انہوں نے اپنی جسم کی توانائیوں کے ساتھ جان بھی گھلا دی تھی۔☆......آپ درس وتدریس کے علاوہ خانقاہ کے ساتھ ساتھ عملی سیاست سے بھی وابستہ رہے، آپ نے امام سیاست حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی رحمۃ اللہ کی 14 سال تک خدمت کی، اسی خدمت کا فیض تھا کہ جو سادگی، عاجزی اور انکساری مولانا غلام غوث ہزاروی رحمہ اللہ میں تھیں، وہی آپ کی سیرت وکردار میں بھی جھلکتا تھا۔

1970 کے الیکشن میں حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی رحمہ اللہ تعالیٰ کے الیکشن مہم میں بھرپور حصہ لیا اور آپ مولانا غلام غوث ہزاری کے خادم خاص تھے اور ان کی سیاسی سرگرمیوں میں بھی ان کے معاون خصوصی تھے۔ جمیعت علمائے اسلام کے ترجمان ماہنامہ الجمیعت کے چیف ایڈیٹر بھی رہے۔☆......آپ نے زندگی کے ہر موڑ پر رسم ورواج سے روگردانی کرتے ہوئے سنت رسول ﷺ کو ترجیح دی، اپنے محبوب ﷺ کی ہر ہر ادا پر عمل کرکے اپنے متعلقین کو عمل کرکے دکھایا اور بتایا، اور آقائے دو جہاں ﷺ پر درود وسلام پڑھنے پڑھانے اور پھیلانے کا ذریعہ بنیں۔ اس وقت دنیا بھر میں حضرت والا کے لیے دعائیں ہو رہی ہیں...اوراد واذکار اور درود شریف پڑھے جارہے ہیں....مجھے اور بہت سوں کو درود شریف پڑھنا سکھایا ہی حضرت جی نے ہے....درود شریف پڑھنے کا ذوق ہی ان سے ملا...اس لیے ان کا یہ حق ہے کہ ان کے ایصال ثواب کے لیے بہت درود شریف پڑھا اور پڑھایا جائے۔☆......اور فرمایا کرتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت وعقیدت دین وایمان کا جز ہے، دنیوی واخروی فلاح وکامیابی کا ضامن ہے، جہنم اور اس کے دردناک عذاب سے گلوخلاصی کے لیے اولین شرط ہے، اور فرمایا اپنی ساری زندگی کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کے سانچے میں ڈھال دینا ہی اصل محبت ہے۔ اگر ہم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سچی محبت کے دعوے دار ہیں تو ہمیں اپنے قول وفعل سے اور اپنے

عمل سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کو لوگوں تک پہنچانا ہوگا۔ یہی اصل حب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ ہم محمدی نظر آئیں ۔ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق نظر آئیں اور زندگی کے ہر قدم پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کریں ۔ ہم اپنی تمام تر زندگی میں بغیر کسی حیل وحجت کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کریں ۔ یہی محبوبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پہچان ہے ۔☆......حضرت استاد جی میں بھی خشیت الٰہی کا غلبہ رہتا تھا بالخصوص قرآن کریم کی تلاوت کے وقت حضرت والا پر عجیب کیفیت طاری ہو جاتی اور تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ کا عملی نمونہ ہوتا تھا یعنی قرآن کریم کی تلاوت کے وقت اپنے رب سے ڈرنے والوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں،☆......قرآن سے شغف تو ان کو پالنے میں ملا تھا، ان کے شب بیدار ہونے کی گواہیوں سے تو ان کا سارا اہل چمن معمور تھا۔ آپ کو قرآن کریم سے اس قدر عشق وشغف تھا جب تک صحت نے وفا کی رمضان المبارک میں ساری ساری رات قرآن کریم سنتے سناتے رہتے تھے دعوت وتبلیغ کے اسفار میں رات کو جس پہر بھی واپسی ہوئی مسجد میں اللہ کے حضور نماز میں کھڑے ہو جاتے اور قرآن کی تلاوت کرتے رہتے تھے☆......آپ بہترین مدرس، عمدہ خطیب ہونے کے ساتھ ساتھ کئی کتب کے مصنف بھی تھے، انتظامی امور کے باوجود آپ کے قلم سے ایسی فقید المثال تصانیف منصہ شہود پر آئیں جو بلاشبہ امت مسلمہ کے لئے گراں قدر و بیش بہا علمی ذخیرہ ہیں ۔☆......عملی اعتبار سے ان کے تقویٰ وطہارت اور شرم وحیاء کا یہ حال تھا کہ ان کی نگاہیں ہمیشہ نیچی رہتی تھیں، حتیٰ کہ درس گاہ میں بھی ان کا یہی معمول ہوتا، دوران درس نہایت متانت وسنجیدگی کا مظاہرہ فرماتے اپنے اساتذہ ومشائخ کے ذوق ومزاج کے خوگر تھے، تاہم اگر خلاف اسلام یا اکابر علماء کی اہانت وتوہین کا کوئی پہلو محسوس فرماتے تو جلال میں آجاتے ۔☆......ان کا ہر روز بلکہ زندگی بھر کا معمول تھا کہ وہ نماز کے وقت سے پہلے نماز کے لیے تیار ہو جاتے تھے، رمضان المبارک میں تو بارہا دیکھا مغرب کی اذان خود دیتے ”بلاشبہ ہمارے اکابر واسلاف صحابہؓ وتابعینؒ کے سچے عاشق، شیدائی اور فرمانبردار تھے، جس طرح ان حضرات کا مسجد کے ساتھ رشتہ مضبوط و مستحکم تھا ٹھیک اسی طرح ان حضرات کو بھی مسجد کے علاوہ کہیں چین و

سکون نہیں ملتا تھا، یہی وجہ ہے کہ وہ نماز سے پہلے مسجد میں نماز کا انتظار فرمایا کرتے تھے۔☆......حضرت جی انتہائی مہمان نواز بھی تھے جب مہمان آتے تو ان کی حیثیت کے مطابق مہمانی کا انتظام ہوتا تھا، بعض مہمانوں کو جاتے وقت بالخصوص آئمہ و مدرسین اور غریب طلباء کو نقد رقم بھی عطا فرماتے تھے،☆......اپنے دوست احباب سے ایسے گھل مل جاتے جیسے ان کے برابر کے فرد ہی ہیں، اپنی علیحدہ ممتاز حیثیت قائم رکھنے کی کوشش نہیں فرماتے تھے، مدرسہ کے چھوٹوں اور بڑوں، سب میں استاد جی کے نام سے مشہور تھے ان کی بزرگانہ شفقت سے ہر شخص اپنا حصہ پاتا تھا اور میری طرح غالباً ہر شخص یہ محسوس کرتا تھا کہ اسے ان کی خاص توجہ اور عنایت حاصل ہے، اُن سے زیادہ ہمارا لحاظ کرتے ہیں، ان سے زیادہ ہمارا خیال رکھتے ہیں، یہ صرف میری بات نہیں آپ کو بہت سے حضرات ایسے ملیں گے جو یہی دعوی کر رہے ہوں گے کیوں کہ حضرت رحمہ اللہ سنت کے مطابق ہر کسی کو ایسے ہی توجہ دیتے، ایسی ہی شفقت فرماتے تھے ایسا ہی اکرام کرتے تھے، حضرت جی عجیب انسان تھے، کیا سادگی اور کیا درویشی تھی کہ انہیں دیکھ کر زہد کا مفہوم سمجھ آتا تھا...ان کی باتیں سن کر ایمان تازہ ہو جاتا.... عشق رسالت کا ایسا جذبہ کہ ان کی صحبت میں بیٹھ کر پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستگی میں تجدید کا احساس ہوتا تھا۔☆......وہ ایک بلند پایہ عالم دین اور عمر رسیدہ بزرگ ہونے کے باوجود ہم چھوٹوں کے ساتھ ایسے پیش آتے تھے جیسے وہ ایک دوست ہوں، ان سے ہر ایک بات ہم بغیر کسی ڈر، خوف اور جھجک کے کرلیا کرتا تھا جس پر انہوں نے کبھی بھی برا نہیں منایا بلکہ ہر بات میں مفید مشورہ دیتے نصیحت فرماتے اور حوصلہ افزائی کرتے، وہ اپنے سالکین اور اپنے سے تعلق رکھنے والوں کا بہت ہی زیادہ خیال رکھتے تھے۔حضرت کے مزاج میں خوش طبعی تھی اور کبھی کبھی خوش طبعی میں مزاح بھی فرمالیا کرتے تھے، اپنے مزاج کے لحاظ سے تواضع اور انکسار کا پیکر تھے۔☆......اپنی تمام زندگی علم دین کی خدمت کرنے میں گزار دی، آپ رحمہ اللہ ایک معمولی وظیفہ پر اپنا گزارا کرتے رہے، طبیعت بے انتہا غیور تھی کبھی کسی کے سامنے اپنی ضرورت یا اپنی کسی تکلیف کا اظہار نہیں کیا،☆......جید عالم دین جامع مسجد زکریا کے خطیب اور بہت بڑے دارالعلوم زکریا کے مہتمم ہونے کے باوجود انتہائی

سادگی میں زندگی گزار دی، باہر سے آنے والوں کو جب یہ بتایا جاتا کہ وہ مدرسہ کے مہتمم اور ہمارے پیر صاحب ہیں تو پہلی نظر دیکھنے پر اس کو یقین ہی نہ آتا تھا مگر ملاقات کرنے اور گفتگو کرنے سے اس کا سارا تردد دور ہو جاتا، وہ اپنے تلامذہ اور سالکین کو بھی ہمیشہ سادگی اپنانے کی ترغیب دیا کرتے تھے۔☆......دروس وتقاریر میں حضرت کی جرأت و بے باکی پر زمانہ گواہ ہے، خلاف شرع عمل کو دیکھ کر اس کی اصلاح کرنے میں کسی بڑے سے بڑے کا لحاظ کئے بغیر تنبیہ کرنا ان کا مشن تھا۔☆......آپ بہت ہی نرم مزاج، رحم دل اور شگفتہ طبیعت کے مالک تھے، بڑے بڑے مشکل معاملات کو انتہائی خوش اسلوبی سے حل کر دینے والے، بڑی بڑی آزمائشوں کو صبر سے برداشت کرنے والے اور مشکل سے مشکل تکالیف کا ہمت سے مردانہ وار مقابلہ کرنے والے انسان تھے، ان کی ہر بات، ان کا ہر کام اور ان کی ہر عادت ہی سنت کے مطابق اور قابل رشک تھی۔☆......حضرت کی طبیعت میں خوش طبعی کے ساتھ ساتھ جلال بھی تھا کئی بار کسی خلاف شرع بات حضرت کو غصہ کی حالت میں دیکھا گیا تو ڈر لگنے لگتا تھا جب کچھ دیر بعد غصہ کی کیفیت ختم ہو جاتی تو کہتے ناراض نہ ہونا آپ کے بھلے کیلئے غصہ کرتا ہوں اگر مجھ میں بھی کوئی خلاف سنت کام پاؤ تو مجھے بتاؤ میں آپ کا شکریہ ادا کروں گا۔ اور کبھی یہ بھی کہتے کہ مٹھائی بھی پیش کروں گا☆......زندگی میں کئی بار خوشی کے لمحات بھی آتے رہتے لیکن زیادہ خوشی اپنے کسی عزیز کے قرآن کریم حفظ مکمل کر لینے کے موقع پر فرماتے، اس دن بار بار حضرت فرماتے رہتے کہ بھئی الحمد للہ میں آج بہت خوش ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس چھوٹی سی عمر میں میرے (فلاں) بیٹے یا پوتے کو حافظ بنا دیا ہے اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے اس کو حفظ مکمل کرنے کی توفیق دی، حفاظ کی دستار بندی پر بھی حافظ بچوں سے، ان کے والدین سے بلکہ پورے مجمع سے بار بار الحمدللہ، الحمد للہ، الحمدللہ کہلواتے اور فرماتے کہ اس نعمت پر جتنا شکر ادا کیا جائے وہ کم ہے☆......بیان کے بعد مجلس ذکر سے پہلے حضرت جی کا منفرد اور نمایاں معمول یہ تھا تقریباً ہر اجتماع میں تمام حاضرین کو غلافِ کعبہ کے ٹکڑے کی زیارت کراتے اور نوجوانوں سے ایک عہد لیتے کہ جو بھی آئیندہ داڑھی سنت کے مطابق رکھنے کا وعدہ کرے اور نہ کٹانے کا عزم کرے اس کے چہرے پر اس غلافِ

کعبہ کو ملوں گا بھی اور اس کے لئے دعا بھی کروں اور روضۂ رسول ﷺ کے خادم کو فون کے ذریعہ توبہ کرنے والوں کا سلام عرض کریگا حضرت اقدس ہزاروی رحمہ اللہ کی یہ ادا دل کو چھونے والی تھی کہ جب بھی کوئی نوجوان ڈاڑھی رکھنے کا انکے ہاتھ پر توبہ کرکے وعدہ کرتا تو حضرت فوراً موبائل فون نکال کر روضۂ رسول کے خادم کو فون کرکے اس نوجوان کا سلام اور توبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش فرماتے کہ آج آپ کے فلاں امتی نے توبہ کی۔ معلوم نہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سے کتنے خوش ہوتے لیکن اب یہ سلسلہ ہمیشہ کے لیے بند ہوگیا کیونکہ آج ایک سچے عاشق رسول حضرت مولانا پیر عزیز الرحمان ہزاروی صاحب ہمیں داغ مفارقت دے کر اپنے لاکھوں علماء کرام مریدین کو یتیم کرکے ہم سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہوگیے۔ اس طرح ہر اجتماع میں سینکڑوں نوجوان کھڑے ہوجاتے اور داڑھی رکھنے کا عزم مصمم کرتے حضرت کے اس عمل سے لاکھوں نوجوانوں کو اس سنت پر عمل کرنے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے توفیق دی۔ ☆......انھیں اکابر دیوبند کے ساتھ بے پناہ محبت تھی اور وہ موقع بہ موقع ان بزرگوں بالخصوص اپنے شیخ ومرشد شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ ان سے تعلق یافتہ حضرت سے اور اپنے اساتذہ اور بڑوں کا از حد احترام کرتے تھے، حضرت کے سامنے اکابر میں سے کوئی آجاتا تو حضرت کو باوجود شدید تکلیف کے دوزانو ہوکر بیٹھے ہی دیکھا گیا۔ کبھی اپنے بڑوں کے ساتھ انتہائی درجہ کی بے تکلفی کے باوجود کبھی بے ادبی کا انداز اختیار کرتے نہیں دیکھا گیا، حضرت کی شخصیت کو ان کے اقرباء تلامذہ اور تمام متعلقین کبھی بھول نہ سکیں گے۔ ☆......آپ نے فرمایا اللہ رب العزت کی محبت اور اللہ تعالیٰ کے لیے کسی سے محبت، ایک ایسی نعمت ہے جو دین ودنیا ہر جگہ فلاح ونجات کے لیے کافی ہے۔ ☆......آپ نہایت راسخ العقیدہ عالم دین تھے، ان کا دل عشق رسول ﷺ دینی اور ملی حمیت سے معمور تھا اسلام اور مسلمانوں کے خلاف، خاتم النبیین ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے خلاف کوئی بات برداشت نہ کرسکتے تھے۔ ☆......ایک دفعہ فرمایا اہل سنت والجماعت کے نزدیک حضور علیہ السلام کے چاروں خلفاء حضرت ابوبکر صدیق ؓ، حضرت عمر فاروق ؓ، حضرت عثمان غنی ؓ اور حضرت علی مرتضیٰ ؓ خلفاء راشدین رضوان اللہ

علیہم اجمعین ہدایت یافتہ ہیں، اور ہمارے لئے ان کی اقتداء ضروری ہے، ☆...... باطل فتنوں کا تعاقب بھی حضرت والا کا ایک خاص وصف تھا، ہر دور میں جس چیز کو شریعت کی رو سے غلط پایا، اس پر بڑی جرات مندی سے تنقید کی اس میدان میں بھی لا یخافون لومۃ لائم کا مصداق تھے۔☆......ایک مرتبہ حضرت نے اپنی کتاب دو بھائی مجھے دی اور فرمایا کہ حضرت جی وکیل صحابہ مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمہ اللہ کو میری طرف سے سلام عرض کرنا اور یہ کتاب ہدیہ کر دینا، میں نے ڈرتے ڈرتے عرض کیا حضرت یہ کس موضوع پر ہے، انہوں نے فرمایا اسے لے کر پڑھو، یہ مودودی صاحب کے نظریات وعقائد پر ہے اس کا نظریہ ہے کہ رسولِ خدا کے سوا کسی انسان کو معیار حق نہ بنایا جائے، اور کسی کو تنقید سے بالا تر نہ سمجھا جائے، کسی کی ذہنی غلامی میں مبتلا نہ ہوں، اس شر انگیز اصول سے پہلے تو حضور ﷺ کے علاوہ باقی انبیاء علیہم السلام کا معیار حق ہونا بھی ساقط ہو جاتا ہے......اور پھر صحابہ کرام ؓ کا معیار حق ہونا بھی۔ اور مودودی صاحب کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام فریضہ رسالت کی ادائیگی میں کوتاہی کرتے تھے۔ اور یہ رافضیت کا دوسرا نام ہے ،اس کتاب (دو بھائی) میں خمینی اور مودودی کا تذکرہ ہے، مودودی صاحب نے صحابہ کرام ؓ کے معیار حق ہونے سے انکار کیا تو اکابرین اہل سنت کے نزدیک گمراہ ٹھہرے۔☆......اور فرمایا کہ ہمارے حضرات پڑھتے نہیں ہیں اپنے بزرگوں کی کتابوں کا مطالعہ کیا کرو، اپنے عقائد ونظریات کو پختہ کرو۔

☆......آپ ناموس رسالت، عظمت صحابہ ؓ واہل بیت ؓ، عقیدہ ختم نبوت کے لیے ہمیشہ سر بکف رہے۔ آپ کی تمام زندگی عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ، تزکیہ نفس، اصلاح معاشرہ، مساجد ومدارس اور خانقاہوں کے قیام ودفاع، دینی ومذہبی جماعتوں کی سرپرستی میں گزری۔ آپ ملک میں نظام مصطفیٰ ؐ کے عملی نفاذ اور ناموس صحابہ ؓ واہل بیت ؓ کے تحفظ کے لیے عملی طور پر سرگرم رہے۔ پاکستان بھر کی دینی جماعتیں، قائدین، علماء ومشائخ سبھی آپ کا بے حد احترام کرتے تھے بلکہ آپ پر مکمل اعتماد بھی تھا۔☆......ایک بیان میں فرمایا کہ آج ایک نہایت ہی دردناک خبر سننے کو ملی قادیانیوں کو اقلیتی رکن کی حیثیت سے نامزد کیا جائے گا اس ضمن میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں قادیانیوں نے مفکر پاکستان حضرت علامہ اقبال رحمہ اللہ کو ملک وملت

کاغدارقرار دیا تھا،اور یہ وہی قادیانی ہیں جنہوں نے بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح مرحوم کا جنازہ اس وقت کے وزیر خارجہ سرظفراللہ نے یہ کہہ کر پڑھنے سے انکار کیا کہ مجھے مسلمان حکومت کا کافر وزیر سمجھو یا کافر حکومت کا مسلمان وزیر۔اور اب تک انہوں نے ہر موقع پر ملک پاکستان سے بے وفائی ہی کی ہے اور ہمیں افسوس ہے کہ موجودہ حکومت نے آتے ہی قادیانیوں کیلئے راستے کھولے ہیں، یہ فیصلہ انتہائی تشویس ناک ہے، پورے ملک اور پوری دنیا کے مسلمانوں پر تشویش کی لہر ہے اور اگر ایسا کرنا ہی تھا پہلے ان کو منو او، قادیانی یہ تسلیم کریں کہ ہم غیر مسلم اقلیت ہیں، انہوں نے اس آئین کو تسلیم نہیں کیا اور وہ اپنے آپ کو پوری دنیا میں مسلمان شو کر رہے ہیں، اسلام کا نام استعمال کر رہے ہیں اور متفقہ آئین پاکستان کا جو فیصلہ ہے اس کے وہ منکر ہیں، اور تم ان پر یہ نوازشات کر رہے ہو، ان نازک حالات میں جب ملک ہر طرح معاشی لحاظ سے بھی انتشار وخلفشار کا شکار ہے یہ فیصلہ ملک وملت کے لئے اور عوام کیلئے بالکل مفید نہیں ہے فوری طور سے یہ فیصلہ واپس لیا جائے ختم نبوت کے تمام علمائے کرام نے بھی اس کو رد کیا ہے۔اس سے پہلے ان سے یہ لکھوائیں، آمادہ کریں وہ اپنے آپ کو غیر مسلم اقلیت تسلیم کریں، جیسے ہندو، سکھ، عیسائی وغیرہ برادری ہے کسی کے ساتھ یہ معاملہ نہیں کیونکہ وہ اپنے آپ کو غیر مسلم سمجھتے ہیں، اور یہ حقوق اسلام کے استعمال کرتے ہیں، اسلام کے نام سے یہ کام کر رہے ہیں اوپر سے یہ نوازشات یہ حرکتیں ٹھیک نہیں ہیں اللہ کے غضب کو دعوت دینے کے مترادف ہیں یاد رکھو! انشاء اللہ یہ کامیاب نہیں ہوں گے اور نہ ہم ہونے دیں گے، یہ آئین پاکستان سے وفاداری کریں اور اپنے آپ کو غیر مسلم تسلیم کریں، میں یہ بات وضاحت سے کہنا چاہتا ہو ل یہ کھیل مت کھیلو یہ قادیانی آئین پاکستان اور اسلام کے ہمیشہ سے غدار رہیں ہیں ان کو اقلیتی کمیشن میں ہرگز شامل نہ کریں اور یہ فیصلہ فوراً واپس لیں۔☆......فرمایا" جائز فروعی اختلاف تو باعث رحمت ہیں مگر بعض ضدی اور متعصب قسم کے لوگ کسی معمولی اختلاف کو بنیاد بنا کر آپس میں بحث ومناظرہ کرتے ہیں اور پھر ہٹ دھرمی کی وجہ سے کسی نتیجے پر نہیں پہنچ پاتے تو آپس میں سر پھٹول کرتے ہیں، بعض اوقات ایسے اختلاف قتال تک پہنچ جاتے ہیں۔

☆......کروناوائرس کی وباشروع سے قبل حضرت نے مسلم سربراہان مملکت کے نام ایک کھلے خط میں دردمندانہ اپیل کرتے ہوئے کہا تھا کہ''ہمارا قرآن وسنت پر ایمان ہے، اس وقت ساری دنیا کے انسان جس کرب وابتلاء سے دوچار ہیں، تمام ترقوتیں اور تدبیریں فیل ہو چکی ہیں، قوم سخت خوف وہراس میں ہے، اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتے ہیں ۔(ترجمہ)''تم اپنے رب سے معافی مانگو، پھر اسی کی طرف رجوع کرو، یقین رکھو کہ میرا رب بڑا مہربان، بہت محبت کرنے والا ہے''(سورہ ھود آیت نمبر 90) ہمارے نبی حضرت محمد کریم ﷺ خاتم النبین ہیں، آپ ﷺ کا پیغام امت کے نام آیا تھا،'' آپ ﷺ نے قبل از وقت تنبیہ فرمادی کہ امت کے ہر فرد کو توبہ واستغفار، درود شریف کی کثرت، دعاؤں کا اہتمام، صدقہ وخیرات، مساجد کو نمازوں سے آباد کریں، تاجر حلال کمائیں، منافع کم کریں، یتیموں، مسکینوں، غریبوں اور حیوانات کی بھی مدد کریں، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچیں اور اتباع سنت کا اہتمام کریں حضرت جی نے مسلم سربراہان کے نام لکھے ہوئے اپنے خط میں فرماتے ہیں کہ مسلم سربراہان! آپ کو اللہ نے اختیار دیا ہے، جلد سے جلد مندرجہ بالا ارشادات پر خود بھی فوری عمل کریں، اور اپنے ہاں عوام کو بھی عمل کی تربیت دیں۔حضرت اقدس نے اپنے مکتوب میں مزید لکھا تھا کہ تاجر حلال کھائیں' حرام سے پرہیز کریں' یتیموں' مسکینوں اور چرند' پرند کی مدد کریں۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنے کی کوشش کریں اور اتباع سنت کا خوب اہتمام کریں' اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر اپنے لئے' اپنے وطن کے لئے' پوری انسانیت کی ہدایت کیلئے خوب دعاؤں کا اہتمام کریں۔''

☆......طالبان حکومت میں آپ افغانستان دورے پر تشریف لے گئے وہاں مختلف جگہوں کی زیارت کی اور طالبان کے فتح کئے ہوئے علاقوں کو دیکھا۔اتفاق سے ایک دن افغانستان میں آباد سکھوں کے بستی میں جانا ہوا، (یہ کہتے ہوئے) حضرت مسکرائے اور فرمایا میری لمبی داڑھی ہے اور پنجابی زبان پر مہارت حاصل ہے، میں وہاں سکھوں کے قریب گیا اور انکو متعجبانہ انداز میں کہا کہ آج کل تو بڑے طالبان وغیرہ ہیں ہر طرف، آپ لوگوں کو تکلیف تو پہنچاتے ہونگے.فرمایا ان سکھوں نے اپنے روایتی لہجے میں کہا: نہیں جی،

ہمارے تو کتنے بھی اب رات کو سکون سے سوتے ہیں۔☆......ایک دفعہ ملا محمد عمر رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ میں افغانستان بازار میں چکر لگا رہا تھا تو باقی تو کوئی مسئلہ مجھے نظر نہیں آیا لیکن دکانوں میں جو صابن اور صرف بک رہا تھا، اس پر تصاویر بنی ہوئیں تھیں۔حضرت نے فرمایا: میں نے ملا محمد عمر رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ حضرت یہ تصاویر ہٹا دیں۔کہتے ہیں میں کچھ دن کے بعد پاکستان چلا آیا، کچھ دن کے بعد مجھے خبر بھیجی گئی کہ ملا محمد عمر رحمۃ اللہ علیہ نے پورے افغانستان میں حکم صادر فرمایا ہے کہ کسی بھی ساشے پر کوئی بھی تصویر نہ لگائی جائے۔

☆......اللہ والوں کا سایہ ہمارے سروں سے اٹھ جانا کسی قیامت سے کم نہیں،لوگ مٹی سے سونا نکالتے ہیں اور ہم اپنے ہاتھوں سے سونے جیسی شخصیات مٹی میں دفن کر آئے ہیں،یہی حکم خداوندی تھا،اسی کی رضا میں ہمیں راضی رہنا ہے،ہمیں اس بات کا یقین ہے کہ اللہ پاک نے اپنے اس نیک بندے کو ان کے شایان شان زندگی عطا کی ہوگی،وہ زندگی جو دائمی ہے،ہر ذی نفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے اور اس دائمی زندگی کی جانب بڑھنا ہے۔کوئی مانے یا نہ مانے،اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ یہ دائمی زندگی ہی ایک حقیقت ہے۔ہم جس زندگی کو زندگی سمجھ کر اسے سنوارنے کے لیے دن رات ایک کر رہے ہیں،یہ سب سے بڑا دھوکہ ہے۔☆......حضرت کی وصیت کے مطابق مفتی سید مختار الدین شاہ صاحب کو ان کی خانقاہ مدرسہ و مسجد کا سرپرست قرار دیا گیا بعد ازاں مفتی مختار الدین شاہ صاحب نے حضرت والا کے بڑے صاحبزادے مولانا عتیق الرحمان صاحب کو جانشین مدرسہ خانقاہ کا مہتمم،جبکہ صاحبزادہ مفتی محمد اویس عزیز صاحب کو نائب مہتمم بنا کر دستار بندی کی گئی۔☆......حضرت والا دل کے عارضے میں مبتلا تھے اور گزشتہ چند روز سے طبیعت ناساز تھی ان کی نماز جنازہ آپ کی وصیت کے مطابق مفتی سید مختار الدین شاہ صاحب کی اقتداء میں ادا کی گئی جو شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کے خلفاء میں سے ہیں۔پنڈی اسلام آباد کی تاریخ کے سب سے بڑے جنازوں میں سے ایک جنازہ پیر جی حضرت پیر عزیز الرحمن ہزاروی صاحب رحمہ اللہ کا ہوا،سخت گرمی اور حبس میں جنازہ سے قبل خوب گرج چمک کر بارش ہوئی،جس کی برکت سے موسم ٹھنڈا ہوا

اور آسمان پر انتہائی خوبصورت دھنک رنگ نمودار ہو گئے۔

نماز جنازہ کی ادائیگی کے بعد حضرت والا کے جسد خاکی کی تدفین دار العلوم زکریا سے متصل قبرستان میں کی گئی۔ ہزاروں افراد اپنے اس محبوب استاذ اور مربی کو رخصت کرنے کے لیے ساتھ ساتھ تھے جبکہ نماز جنازہ میں مشائخ عظام اور ہزاروں دیگر جید علماء کرام اور دینی کارکنوں تاحد نگاہ ایک جم غفیر تھا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے حضرت کے نقش قدم پر چلائے اور ان کے درجات بلند فرمائے، ان کے لگائے ہوئے پودے کو شاداب رکھے اور ان کے مشن کو اللہ تعالیٰ تاقیامت جاری وساری رکھے، اور ہمیں اس مشن کو استقامت اور خلوص کے ساتھ آگے بڑھانے کی توفیق دے، اللہ تعالیٰ حضرت کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازیں اور ہم سب کو ان کی حسنات کا سلسلہ جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائیں، ان کے الطاف وعنایات کی یاد اس دنیا میں بھی سرمایہ حیات ہے اور یقین ہے کہ جب وہ جنت الفردوس کے بلند وبالا مقامات میں اپنے رب کی نعمتوں کے حق دار قرار دیے جائیں گے تو ہم جیسے کوتاہ عمل وہاں بھی ان شاء اللہ اس نسبت کی برکات سے محروم نہیں رہیں گے: وَالَّذِيْنَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُم بِإِيْمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلَتْنَاهُم مِّنْ عَمَلِهِم مِّن شَيْءٍ (الطور ۲۱)

توبہ کیسے کریں؟

انسان کی پریشانیوں کا سبب وہ بداعمالیاں ہیں جن سے اس کی زندگی مرقع ہے۔ان میں سے کچھ بداعمالیاں تو شاید اسے یاد بھی ہوں۔لیکن ان گنت ایسی بھی بداعمالیاں ہونگی جن کا اسے احساس تک نہ ہوگا۔اور جب ان اعمال بد کے نتیجے میں اسے پریشانی ومصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو وہ انتہائی بے بسی اور حسرت سے سوچتا ہے کہ کاش وہ ماضی میں ان بداعمالیوں کا ارتکاب نہ کرتا تو آج اسے نہ یہ دن دیکھنا پڑتا اور نہ ہی اس قدر پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا۔حالانکہ ابھی وہ زندہ ہے اور ان سانسوں کی ڈور کے قائم ہونے کی وجہ سے اس کے لئے توبہ کے دروازے کھلے ہیں۔اگر یہ قیامت کا دن ہوتا، روزحشر ہوتا، اعمال تولے جانے والے ہوتے، تو اس شخص کی کیا حالت ہوتی؟

اس دنیا میں تو انسان ہلکی سی سزا، ناگوار بات، حتیٰ کہ کسی کی طرف سے کی گئی ہلکی سی تنقید برداشت نہیں کرتا جب تک اس کے منہ پر جوتا نہ مارلے یا اینٹ کا جواب پتھر سے نہ دے، روزمحشر وہ کیا کرے گا جب دوسرے افراد اس سے اپنے حق کا تقاضہ کریں گے اور حق ثابت ہونے پر، بدلے میں اس کی نیکیاں لے اڑیں گے یا پھر اپنے گناہوں کا ٹوکرا اس کے سر منڈھ دیں گے۔اور اس سبب وہ مجرمین میں شامل کر دیا جائے گا۔لیکن اس صورتحال پر مایوس و ناامید ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔اللہ رب العزت اپنے ان بندوں سے جنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا فرماتا ہے:

آپ (ﷺ) ان سے فرما دیجئے کہ اے میرے بندو تم نے اپنی جانوں پر (کتنے ہی) ظلم کئے ہوں، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جانا یقیناً اللہ تعالیٰ سارے گناہ بخش دے گا۔وہ تو غفور الرّحیم ہے۔

(الزمر:53) اے اللہ! دنیا اور آخرت دونوں جہانوں میں تو ہمیں معاف فرما۔آمین!

گناہ و معصیت کیا ہے؟ گناہ رب کے احکامات سے روگردانی کرنا ہے۔ یہ رب کی رحمت سے انسان کو دور کر دیتا ہے۔گناہ و معصیت کو فسق و ظلم ،کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔فسق کے معنی ہیں احکام کو چھوڑنا اور منع کردہ افعال کا ارتکاب کرنا۔نیز بعض اوقات نیکی و بھلائی کے کام بھی برائی میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔نیکی رب کی رضا ہے۔وہ نیکی جو انسان کی خودنمائی کو پروان چڑھائے وہ نیکی نہیں اپنی خواہشات کی تکمیل ہے۔رب کی خاطر نیک کام کرنے والا دوسروں کو حقیر نہ سمجھے گا۔لیکن جب انسان اپنی خواہشات، شہرت، خودنمائی کی خاطر نیکی کرے وہ دوسروں کو حقیر سمجھنے کے ساتھ ساتھ خود پرستی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ پھر آہستہ آہستہ اس کی خود پرستی اس کی خدا (معبود) بن جاتی ہے۔

گناہ کیوں ہو جاتا ہے!: انسان پر بعض اوقات غفلت طاری ہو جاتی ہے۔وہ خواہش نفس کا غلام بن جاتا ہے اور اللہ رب العزت کی موجودگی کے احساس کو کھو دیتا ہے۔وہ اس حالت میں رب کی نافرمانی کر بیٹھتا ہے۔گناہ میں بھی اسے اک لذت سی محسوس ہوتی ہے،خواہ عارضی اور شیطان کی طرف سے ہی کیوں نہ ہو۔کچھ اس قسم کی کشش و مقناطیست کا سحر اسے جکڑ لیتا ہے کہ باجود وعید و سزا کے اعلان کے انسان وقتی طور پر اسے کر گزرتا ہے۔گناہ کی منصوبہ بندی کرنے والے انسان کی آنکھوں پر پردہ پڑ جاتا ہے وہ سوچتا ہے کہ بعد کی بعد میں دیکھی جائے گی ابھی تو میں یہ کر گزروں۔لیکن وہ بھول جاتا ہے کہ وقتی جذبات میں آ کر بہکنے والا انسان اپنے پیچھے صرف پچھتاوے کی راکھ چھوڑ جاتا ہے۔کیونکہ بظاہر جس کام کی جانب اس کا دل مائل ہے اور وہ وقتی لذت و خوشی محسوس کر رہا ہے اس کام کے نتائج بہت ہی بھیانک ظاہر ہوں گے۔اسی طرح انسان جب گناہوں کو حقیر سمجھنے لگتا ہے تو ان میں اس کے مبتلا ہونے کا اندیشہ بڑھ جاتا ہے۔جب رب کی نافرمانی، سرکشی اور عصیان کا معاملہ ہو،غلطی پر غلطی، ڈھٹائی، اصرار کرتا ہے اور اس گناہ کے انجام کو اتنی اہمیت بھی نہیں دیتا جتنی مکھی کے ناک پر بیٹھنے کو کیونکہ مکھی کے ناک پر بیٹھنے سے ظاہری و مادی دنیا میں کچھ تو تکلیف ہوتی ہے لیکن نادان کو گناہ سے بظاہر کوئی تکلیف ہوتی محسوس نہیں ہوتی۔یہی وہ عمل ہے جو

اسے بے باک اور جری کر دیتا ہے اور آہستہ آہستہ وہ سیاہ قلب والا بن جاتا ہے۔

گناہوں کے سلسلہ میں ایک اور قابل ذکر نکتہ یہ ہے کہ انسان اپنے گناہوں پر کسی کو آگاہ نہ کرے۔ وہ اس طرح وہ خود اپنے گناہوں پر لوگوں کو گواہ بنا دے گا۔ جب اللہ رب العزت نے پردہ رکھا اس پردہ کا کھولنا بیوقوفی ہے۔ ہمارے معاشرے کا المیہ یہ ہے کہ دوستوں کی محفل میں بیٹھ کر اپنے سیاہ کارناموں کا چرچا کرتے ہیں، گپیں ہانکتے ہیں بلکہ بعض اوقات اپنے گناہ بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں جتنا گناہ نہ کیا ہو ،شاید ایسا وہ بڑائی بیان کرنے کے لئے کرتے ہیں حالانکہ یہ شرم سے پانی پانی ہونے کا مقام ہے۔ الامان والحفیظ

ایسا نہیں کہ اللہ رب العزت انسان کو پہلی بار ہی گناہ کرنے پر دنیا میں عذاب یا انتقام کا نشانہ بنا دیتا ہے۔ بلکہ وہ انسان کو بار بار مہلت دیتا ہے۔ ابتداء میں تو اس کے گناہ کا پردہ رکھتا ہے۔ ہاں اگر انسان ہی اپنا پردہ فاش کر دے یا گناہوں میں بے باک ہو جائے تو پھر دنیا میں بھی اسے رسوائی و ہزیمت سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ گناہ کرنے والے شخص دو رویہ ہوتے ہیں۔ ایک رویہ ان افراد کا ہے جن کے اندر اچھائی برائی کی کشمکش ہو۔ ایسا انسان جب کسی غلط کام کا ارادہ کرے یا وہ کوئی غلط کام کر رہا ہو تو اس کے چہرے پر خوف کی لہریں دیکھی جا سکتی ہیں۔ آواز کا گلے میں پھنسنا، جسم میں کپکپاہٹ کا طاری ہونا ،گھبراہٹ، اضطراب پریشانی کا ہونا، دل کی دھڑکن کا بے قابو ہونا، وغیرہ وغیرہ۔ نیز وہ گناہ کرنے سے پہلے ادھر ادھر دیکھتا ہے۔ یہ وہ علامات ہیں جن سے وہ شخص پہچان سکتا ہے یہ گناہ کا عمل ہے۔

ایک حدیث مبارکہ ہے گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکے۔ اور دوسروں کا (اس سے) مطلع ہو جانا تجھے برا لگے۔ (صحیح مسلم:2553)

دوسرا رویہ ان عادی مجرمین کا ہے جنہیں گناہ کرنے پر احساس گناہ، پشیمانی، ندامت ،خفت، شرمندگی اور افسوس نہیں ہوتا اور نہ ہی انہیں نیکی کرنے پر کوئی خوشی ہوتی ہے۔ پھر ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ انہیں گناہ کا کوئی خوف نہیں رہتا۔ ان کا دل اس قدر سخت ہو چکا ہوتا ہے کہ ان میں ایمان کی

علامتیں بھی ختم ہو جاتی ہیں۔کیونکہ نیکی پر خوشی اور بدی پر کراہت یہ تو علامات ایمان میں سے ہیں۔حضرت ابوامامہ باہلی سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ ایمان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جب تیری نیکی تجھے خوش کرے اور تیرا گناہ تجھے برا لگے تو تو مومن ہے۔(مسند احمد: رقم 22166)

گناہ کے نقصانات: گناہ اللہ کی ناراضگی کا سبب ہیں۔انسان اللہ کی رحمت سے دور ہو جاتا ہے۔گناہ کرنے سے انسان کی رزق،عمر اور علم میں برکت نہیں رہتی۔انسان کی آخرت کی تباہی کے ساتھ ساتھ دنیا بھی تنگ ہو جاتی ہے۔اور پھر یہ بھی ذہن میں رہے کہ سچی توبہ کرنے سے رب تو معاف کر دیتا ہے لیکن بسا اوقات انسان انسان کو معاف نہیں کرتے۔کتنا ہی بڑا گناہ کیوں نہ ہو خواہ سو قتل کرنے،شرک و کفر کا ہی گناہ کیوں نہ ہو اللہ رب العزت سچی توبہ کرنے سے معاف کر دیتا ہے اور بندے اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے درمیان توبہ کے معاملہ میں کوئی بھی حائل نہیں ہو سکتا۔بہر حال توبہ خلوص دل سے ہی کرنی چاہئے اور ایسی صورت میں لوگوں کی پرواہ نہیں کرنی چاہئے۔

توبہ کیا ہے؟ شریعت اسلامیہ میں اللہ تعالیٰ کی معصیت و نافرمانی ترک کر کے اس کی اطاعت اختیار کرنے کو توبہ کہتے ہیں۔لہٰذا اللہ رب العزت کی طرف لوٹنے،پلٹنے،رجوع کرنے کو توبہ کہتے ہیں۔محض گناہ چھوڑنے کو توبہ نہیں کہتے۔گناہ سے معافی مانگنا بھی توبہ نہیں یہ استغفار ہے۔گناہ چھوڑنا،اس پر اظہار ندامت کرنا اور مغفرت طلب کر کے نیکی،اطاعت اور تقویٰ کی طرف پلٹ جانے کو توبہ کہتے ہیں۔حدیث میں آیا ہے کہ: اَلنَّدَمُ تَوْبَةٌ۔(سنن ابن ماجہ: 4252) توبہ درحقیقت شرمندگی کا نام ہے۔زبان سے لاکھ توبہ واستغفار کہیں،بے سود و بے کار ہے۔خلوص نیت و تہہ دل سے شرمندگی و ندامت کے ساتھ ایک بار توبہ کی جائے اس عہد کے ساتھ کہ آئندہ اس گناہ کے قریب بھی نہ پھٹکوں گا،یقیناً اللہ رب العزت کی بارگاہ میں قبولیت کی امید ہے۔

گناہ ایک زہر ہے جس کا تریاق توبہ ہے،گناہ ایک جرم ہے جس کا کفارہ توبہ ہے،گناہ ایک بیماری

ہے جس کا علاج توبہ ہے، گناہ ایک خسارہ ہے جس کا مداوا توبہ ہے، گناہ ایک بدنما داغ ہے جس کی صفائی و دھلائی توبہ ہے، گناہ حکمی نجاست ہے اور اس نجاست سے غسل کے لئے عام پانی نہیں بلکہ آنکھ سے نکلنے والے آنسوؤں کی ضرورت ہے ۔توبہ یہ ہے کہ جب گناہ کی یاد آئے تو نفس اس میں لذت محسوس نہ کرے بلکہ ندامت، پشیمانی اور کراہت کا احساس ابھر آئے ۔ یہاں تک کہ اس کی آنکھوں میں ندامت کے آنسو امڈ آئیں ۔اور آنسوؤں کا سیلاب بہہ نکلے ۔

ایک لحاظ سے یہ بہت ہی آسان کام ہے کہ اس پر نہ کچھ خرچ ہوگا نہ کوئی جسمانی محنت ہوگی، نہ ہی کسی کی سفارش کی ضرورت ہے، نہ کوئی دماغی محنت یا منصوبہ سازی درکار ہے ۔بس دو قطرے آنسو بہانا ہے ۔۔۔لیکن ایک اعتبار سے سب سے مشکل کام ہے ۔ بہت ہی مشکل ۔اول اپنی غلطی تسلیم کرنا ہی بڑی بات ہے اس پر ندامت کرنا، عاجزی کا اظہار کرنا، جھکنا، اور آئندہ نہ کرنے کا عزم کرنا ۔توبہ کے لئے اپنے نفس کو مارنا پڑتا ہے، اپنی انا کو دبانا پڑتا ہے، کچلنا پڑتا ہے ۔ یہی وہ مقام ہے جو انسان کو شیطان سے ممتاز کرتا ہے ۔شیطان اپنی غلطی پر اکڑ گیا، اڑ گیا، اصرار کرنے لگا، تاویلات پیش کرنے لگا اور اپنی غلطی کو صحیح قرار دینے لگا ۔لیکن توبہ نہ کی اور نہ کبھی کرسکتا ہے ! اتنا بھی آسان نہیں، رب جسے توفیق عطا فرمائے ۔

جسمانی غلطی، مالی غلطی، سماجی غلطی، جذباتی غلطی میں تو شاید ایسا نہ ہو سکتا ہو لیکن روحانی غلطی (جو سب سے بڑی غلطی ہے) کے سبب پیدا ہونے والی بیماریوں کا علاج توبہ و استغفار ہے ۔حضرت ابو ذر غفاری سے مرفوعاً نقل ہے کہ بیشک ہر بیماری کی دوا موجود ہے اور بیشک گناہوں کا علاج استغفار ہے ۔یعنی توبہ و استغفار سے انسان اپنی غلطی بالکل مٹا سکتا ہے ۔ایسا کر کے انسان اپنی غلطیوں کو یکسر ختم کرنے کی یا انہیں نیکوں سے بدلنے کی خواہش پوری کرسکتا ہے ۔

ایک بات ذہن میں رہے کہ غفلت سے کئے ہوئے گناہ پر توبہ کی توفیق مل جاتی ہے لیکن تکبر سے کئے ہوئے گناہ پر توبہ کی توفیق نہیں ہوتی ۔توبہ کرتے وقت اگر دل میں برائی سے نفرت موجود نہیں یا پھر خواہش گناہ موجود ہے تو توبہ ہوئی ہی نہیں ۔وقتِ توبہ برائی سے نفرت ہونا اور دل میں عزم کہ آئندہ کبھی نہ

کروں گا توبہ کا جزو لازم ہے۔اگر بعد میں پھر غفلت وشہوت کی بنا پر گناہ میں مبتلا ہوگیا تو پھر فوراتوبہ کرلے۔ اسی طرح وہ عبادات، نمازیں، عمرہ وحج، جس میں پیش نظر حکمت یہ ہے کہ پچھلے گناہوں کوختم کرنے کے لئے کررہا ہوں آئندہ ابھی نہ توبہ ہے نہ ہی توبہ کا ارادہ ہے تو پھر جان لیں کہ ایسی عبادات سے پچھلے گناہ ختم ہوئے ہی نہیں۔

توبہ کیسے کی جاتی ہے؟ امام شرف الدین یحیٰی نووی فرماتے ہیں: اگر گناہ کا تعلق اللہ اور بندے کے درمیان ہے، کسی آدمی سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے تو توبہ کی تین شرطیں ہیں: اول: گناہ سے باز آجائے دوم: سچے دل سے اپنے فعل پر نادم ہو سوم: وہ یہ عزم کرے کہ گناہ کی طرف کبھی نہ پلٹے گا۔

اور اگر گناہ کا تعلق حقوق العباد سے ہو تو اس کی چار شرطیں ہیں: تین تو وہی جو اوپر بیان کی گئیں اور چہارم: جس کے خلاف جرم کیا ہو اس سے معاف کروائے، اگر مال لیا ہو تو اسے کو واپس کرے، اگر تہمت، بہتان اور افتراء باندھا ہو جس سے کوئی سزا اس پر واجب ہوتی ہے تو اس کو موقع دے یا معاف کرائے یا غیبت کی ہے، تو اس سے معاملہ صاف کرلے، اگر ان شرائط میں سے کوئی فوت ہوگئی تو توبہ صحیح نہیں ہے۔(ریاض الصالحین، ص:11)

توبہ واستغفار میں فرق اول استغفار کا مطلب ہے گناہ سے معافی مانگنا لیکن گناہ کو چھوڑ کر، اس پر اظہار ندامت کرکے، مغفرت طلب کرکے نیکی، اطاعت اور تقویٰ کی طرف پلٹ جانے کو توبہ کہتے ہیں۔دوم انسان مغفرت طلب کسی کے لئے بھی کرسکتا ہے لیکن توبہ صرف اپنی جانب سے ہی کرتا ہے۔سوم: استغفار کی قبولیت سے صرف گناہوں کی مغفرت ہوتی ہے لیکن توبہ کرنے والے کی توبہ قبول ہونے پر بعض اوقات اس کے سابقہ گناہ بھی نیکیوں سے بدل دیئے جاتے ہیں۔انسان گناہوں کے انبار لگادیتا ہے لیکن آخر صدق دل سے توبہ کرلے، توبہ نصوح کرلے تو اللہ اس کی توبہ کے اخلاص کو دیکھتے ہوئے اس کے گناہوں کو نیکیوں کو بدل دیتا ہے۔

امت محمدیہ ﷺ پر فضل: پہلی امتوں کے لئے توبہ کرنا بھی اس قدر آسان نہ تھا بلکہ انہیں گناہوں کی

مناسبت سے دنیا میں بھی سزا بھگتنی پڑتی ۔مثلاً خود کو قتل کرنا پڑتا، اپنی آنکھیں نکالنی پڑتی وغیرہ وغیرہ ۔ یہ تو رب ذوالجلال کا فضل عظیم ہے کہ اس امت کے لئے اس قدر آسانیاں پیدا کر دیں ۔تا کہ بندہ اپنے رب کی طرف رجوع کرنے میں کسی قسم کی دشواری نہ محسوس کرے ۔

توبہ کی برکات: توبہ کی برکت سے اللہ رب العزت انسان کے تمام گناہوں کو یکسر مٹا دیتا ہے اور وہ دوبارہ سے اس شخص کی مانند ہو جاتا ہے جس نے کبھی کوئی گناہ کیا ہی نہ ہو۔سنن ابن ماجہ کی ایک روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: التَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ، كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهُ

گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہی جیسا کہ اس کا کوئی گناہ نہ ہو۔(سنن ابن ماجہ:4250)

کیا اب بھی ہمارے لئے وقت نہیں آیا کہ ہم اپنی سیاہ کاریوں سے توبہ کریں ۔کیا ہمیں اس وقت کا انتظار ہے جب موت اچانک آن دبوچے گی پھر وہ ایک لمحہ بھی موخر نہ ہو گی اور اس کے آتے ہی توبہ کے تمام دروازے بند ہو جائیں گے ۔اس لمحہ کے آنے سے پہلے توبہ کرلو ایسا نہ ہو تاخیر ہو جائے اور کف افسوس ملنے کا بھی موقعہ نہ مل سکے ۔

نام ریاست مدینہ کا کام یہود وہنود کو خوش کرنے کا

ایک طرف سرکاری زمین الاٹ کر کے اور سرکاری وسائل عطا کر کے شرک کا اڈا، گڑھ یعنی مندر بنا یا جار ہا ہے اور دوسری طرف مسجد توحید جسمیں پانچ وقت کی نمازیں آذانیں اور قرآن کریم کی تعلیم جاری تھی اسے گرا کر حکومت نے نہ جانے کس مدینہ کی ریاست پر عمل کیا ہے، ریاست مدینہ کے دعویداروں کو شاید یہ علم نہیں ہے کہ ریاست مدینہ نے تو مساجد کی تعمیر کا آغاز کیا تھا۔لیکن ہمارے موجودہ حکمران مسجدیں گرانے پر تلے ہوئے ہیں، اگر یہ جگہ مسجد کے لئے مخصوص نہیں تھی اور دو تین دہائیاں قبل اس جگہ پر مسجد تعمیر کی گئی تو اس وقت متعلقہ ادارے سوئے ہوے تھے کیوں خاموش رہے اور اگر مسجد سرکاری یا کسی کی جگہ پر تعمیر ہو رہی تھی تو انہوں نے ذمہ داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے کیوں نہیں روکا۔جس طرح اسکول، کالجز، پارک، اسپتال اور دیگر اسی طرح کے ادارے بنانا حکومت کی ذمہ داری ہے، اسی طرح مساجد کیلئے بھی حکومت کو جگہ تعین کرنی چاہئے۔اور یہ تو سرکاری زمین پر بھی نہیں تھی 23 سالہ پرانی مسجد 1997 میں اس مسجد کی تعمیر کی گئی، اس کو صرف اور صرف اس شبہے میں گرایا جار ہا ہے کہ اس کے اندر تین فٹ جگہ نالے کی بھی شامل ہے۔اسی حکومت نے 4 کنال جگہ ہندوؤں کو دیکر اس پر مندر کے لئے سرکاری بجٹ منظور کیا۔کیا وجہ ہے کہ پانی کے نالے کے قریب کی فضول جگہ جس پر اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کا گھر بنا کر اسکو قیمتی بنایا گیا چند مرلوں کے حصول کے لئے اس مسجد کو شہید کیا جار ہا ہے۔

مسجد تو وہ مقام یا جگہ ہے جہاں مسلمان بغیر کسی رکاوٹ کے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی عبادت اور بندگی

کے لیے جاسکیں اور انفرادا ًیا اکٹھے ہو کر نماز ادا کرسکیں ۔ دنیا میں سب سے پہلی مسجد کعبہ شریف ہے جس کی بنیاد فرشتوں نے رکھی تھی ۔اس کے بعد حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی دیکھ بھال کی ۔حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو زمین پر اُتارا تو فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ ایک گھر بھی بھیج رہا ہوں جس کا طواف میرے عرش کی طرح ہوگا اور اسکے ارد گرد اسی طرح نماز پڑھی جائے گی جس طرح میرے عرش کے پاس پڑھی جاتی ہے ۔اسلام کی آمد کے بعد مدینہ منورہ میں اسلام کی اوّلین مساجد قبا اور مسجد نبوی ہیں ۔ان دونوں کی بنیاد امام کائنات خاتم الانبیاء جناب رسول اللہ ﷺ نے رکھی ، پھر مساجد کی تعمیر کا سلسلہ جاری رہا۔مسلمان دنیا میں جہاں بھی گئے ،مساجد بناتے گئے ۔مسلمان حکمرانوں نے بھی بڑی عظیم مساجد تعمیر کروائی ہیں ۔ ہر دور میں مساجد مسلمانوں کی ثقافت اور فنونِ لطیفہ کا بے مثال نمونہ دکھائی دیتی ہیں ۔اب بھی دنیا کے ہر گوشہ میں خوبصورت اور وسیع وعریض مساجد موجود ہیں ۔ دنیا کی چند مشہور مساجد یہ ہیں: 1۔مسجد الحرام 2۔مسجد نبوی ﷺ 3۔جامع مسجد اُموی ،دمشق 4۔جامع مسجد قیروان 5۔جامع مسجد استنبول ،ترکی 6۔شاہی مسجد ،لاہور 7۔فیصل مسجد ،اسلام آباد...اس کے علاوہ امریکہ اور یورپ میں بھی بڑی عالی شان مساجد ہیں ۔

اسلام میں مسجد کو عبادت ،تعلیم وتربیت ،ثقافت اور تہذیب وتمدن کے اعتبار سے مرکزی مقام حاصل رہا ہے بلکہ مسلمانوں کی تمام سرگرمیوں کا مرکز ومنبع مسجد ہی تھی ۔اسلام کی تعلیم کا آغاز مسجد سے ہوا۔ پیغمبر اسلام جناب خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ نے ہجرت فرمائی تو مدینہ سے باہر مسجد کی بنیاد رکھی جو سب سے پہلی مسجد ہے اور پھر مدینہ منورہ میں دوسری مسجد نبوی ﷺ بنائی ۔اس میں دینی اور دنیاوی تعلیمات کی شروعات کیں ۔اسی مسجد نبوی سے علم وعرفان ،تہذیب وتمدن ،اتحاد ویگانگت ،اجتماعیت ،مساوات واخوّت کے جذبات پروان چڑھے اور معاشرہ روز بروز منور ہوتا چلا گیا۔پھر ایک غیر فانی اسلامی تہذیب وجود میں آئی کہ اس کے نقوش رہتی دنیا تک باقی رہیں گے ۔موجودہ دور میں مسلمان معاشروں میں معاشرتی ،اخلاقی ،سیاسی اور انتظامی بگاڑ عام ہو چکا ہے ۔اس کی ابتدا اُس وقت ہوگئی تھی جب مسلمان کا تعلق

مسجد سے کمزور ہوا۔ آج اگر ہم آرزو مند ہیں کہ معاشرہ کی اصلاح ہو اور وہ امن و آشتی کا گہوارہ بن جائے تو ہمیں مسجد کے اس بنیادی کردار کو فعّال کرنا ہوگا۔ مسجد دعوت و تبلیغ کا مرکز اور اسلامی معاشرے کا محور رہی ہے۔ مسجد ہی مسلمانوں کی ظاہری، باطنی اور مادی آبیاری اصلاح کرتی رہی۔ نبی اکرم ﷺ کے زمانے سے لے کر خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین اور بعد کے دور میں بھی ایسا ہی کردار ادا کرتی رہی۔ دشمنوں نے اس کی اہمیت، مرکزیت اور ہمہ گیریت کو سمجھ کر اس کے خلاف گہری اور پوشیدہ سازشیں شروع کردی تاکہ اس کے کردار کو ختم یا کم از کم کمزور ضرور کردیا جائے۔ مسجد کے کردار کو مسخ کرنے والے عزائم دبیز اور رنگین پردوں میں چھپے ہوئے ہیں جن کا ادراک ضروری ہے۔ قادیانی مذہب کے پیروکاروں نے یہود و نصاریٰ کا آلہ کار بن کر مسلمانوں کے عقائد اور ایمان کو متزلزل کیا، ان کا یہی ٹارگٹ ہماری موجودہ حکومت کے پاس ہے جس نے مساجد کو گرا کر مسلمانوں کی دل آزاری کا اپنا مشن بنایا ہوا ہے جو انتہائی قابل مذمت ہے اور مسلمانوں کے ملک میں شرمناک ہے۔ بے شرموں کی حکومت ہے جو بات کرنے اور مناسب حل تلاش کرنے کی بجائے مسلمانوں کے دلوں پر آرے چلانا اور ان کی دل آزاری کرنا ہی اپنا فرض سمجھتی ہے۔

زبان اللہ کی عظیم نعمت اور اس کا صحیح استعمال

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔زندگی کے ہر موڑ پر شریعت اسلام ہماری رہنمائی و رہبری کے لئے کافی ہے۔زندگی کے تمام معاملات کی طرح اسلام گفتگو کرنے کے بھی ہمیں آداب،طور طریقے سکھاتا ہے۔سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہر گھڑی ہمیں کب،کہاں،کیا اور کیسے بات کرنا ہے،رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔گفتگو کی وجہ سے آدمی لوگوں کے دلوں میں اترتا ہے یا پھر لوگوں کے دل سے اتر جاتا ہے۔اللہ تعالی نے انسان کو زبان و بیان کی عظیم صلاحیت سے نوازا ہے۔انسان اپنی زبان کی وجہ سے جہاں کامیاب و کامران ہوتا ہے وہیں اپنی زبان کی وجہ سے ذلت و رسوائی اس کا مقدر بن جاتی ہے۔زبان اللہ تعالی کی عطا کردہ نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت ہے۔اللہ تعالیٰ جل شانہٗ ہی نے انسانوں کو بولنے اور کہنے کے سلیقے سے سرفراز فرمایا۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گفتگو کے فن کو معراج عطا کی۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جوامع الکلم سے سرفراز کیا گیا تھا۔ایمان کی دولت سے مالامال اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت سے سرشار انسانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ گفتگو کے آداب سیکھیں کیونکہ الفاظ و جملے بھی انسان کے لباس کی طرح شخصیت کے عکاس ہوتے ہیں۔الفاظ کے چناؤ اور اس کی حرمت سے واقف آدمی کو دنیا میں وقار و تمکنت حاصل ہوتا ہے۔الفاظ کا غیر مناسب استعمال انسانی کردار کو مسخ کر دیتا ہے۔انسان گفتگو کے ذریعے اپنے احساسات و جذبات کا اظہار کرتا ہے۔گفتگو کے لئے بہتر الفاظ کا استعمال آدمی کو جہاں بلند و بالا مقام و مرتبہ عطا کرتا ہے وہیں غیر مناسب الفاظ کے استعمال سے آدمی کی عزت گھٹ جاتی ہے اور معاشرے میں وہ

اپنی حیثیت گنوا بیٹھتا ہے۔حضرت لقمان سے ان کے آقا نے کہا کہ ایک بکری ذبح کرو اور اس میں سے جو سب سے اچھی چیز ہے اس کو پکا کر لاؤ۔حضرت لقمان نے بکری کو ذبح کیا اور اس کے دل اور زبان کو پکا کر اپنے آقا کو پیش کیا۔دوسرے دن بادشاہ نے پھر سے حضرت لقمان کو ایک بکری ذبح کر کے اس میں سے سب سے بدترین چیز کو پیش کرنے کو کہا۔آپ نے اپنے آقا کے حکم کے مطابق پھر ایک بکری ذبح کی اور اس میں سے پھر ایک بار دل اور زبان پکا کر پیش کی۔یہ دیکھ کر ان کا مالک انھیں تعجب سے دیکھنے لگا اور پوچھا یہ کیا ہے؟میں نے جب آپ کو ذبح کردہ بکری سے بہترین چیز پکا کر لانے کو کہا تو آپ نے دل اور زبان لا کر دی اور جب میں نے بدترین شئے کو لانے کو کہا تب بھی آپ نے دل اور زبان ہی پیش کیئے۔بھلا یہ کیا بات ہوئی؟اس پر حضرت لقمان نے فرمایا جناب اگر یہ دونوں چیزیں صحیح ہوں تو یہ بہترین چیزیں ثابت ہوتی ہیں اور اگر یہ دونوں چیزیں خراب ہوں تب ان سے بدتر کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا۔

اکثر لوگ اپنی گفتگو کی وجہ سے کرب و اذیت اور ہلاکت کا شکار ہو جاتے ہیں۔زبان کی جب حفاظت کی جاتی ہے تب انسان ناگہانی مصائب سے خود کو محفوظ رکھتا ہے۔انسانی جسم میں گوشت کا ایک ایسا لوتھڑا زبان ہی ہے جو اسے پستی سے بلندی اور بلندی سے پستی تک پہنچا دیتا ہے۔زبان کے صحیح استعمال سے انسان جہاں سرخرو اور کامیاب ہو جاتا ہے اور اس کا شمار نیکوکاروں میں ہونے لگتا ہے وہیں بدزبانی کی وجہ سے وہ معاشرے کا سب سے ناپسندیدہ شخص گردانا جاتا ہے۔اسی لئے کہا گیا ہے کہ”پہلے تولو پھر بولو“۔بالکل یہ ایک حقیقت ہے کہ زبان میں ہڈی نہیں ہوتی ہے لیکن یہ انسان کی ہڈیاں با آسانی تڑوا سکتی ہے۔انسان کی گفتگو اس کی شخصیت کی آئینہ دار ہوتی ہے۔اچھی اور پر اثر شخصیت کے لئے پر اثر انداز گفت و شنید بھی بے حد ضروری ہے۔دانشوروں کا کہنا ہے کہ پرندے جال میں دانے اور انسان اپنی زبان سے پھنس جاتے ہیں۔جو انسان اپنی زندگی خوشی و عافیت سے بسر کرنے کے متمنی ہیں ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی زبانوں پر قابو رکھیں اور گفتگو کرنے کے طور طریقوں سے خود کو متصف کریں۔

اللہ تبارک تعالی فرماتے ہیں”لوگوں سے اچھی باتیں کہو“(القرآن)۔قرآن ایمان والوں کو اپنی

آواز پست رکھنے کا حکم دیتا ہے، چیخنے چلانے سے سخت منع کرتا ہے ۔"اپنی رفتار میں میانہ روی (اعتدال) اختیار کرو اور اپنی آواز کو پست رکھو، یقیناً آوازوں میں سب سے بدتر آواز گدھوں کی آواز ہے ۔" (القرآن)

نبی اکرم ﷺ نے آج سے چودہ سو سال قبل ہم کو گفتگو کے آداب وسلیقے سے آراستہ کیا۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ "لوگوں میں سب سے محبوب اور آخرت میں مجھ سے زیادہ قریب اچھے اخلاق والے لوگ ہوں گے" (سنن الترمذی)۔ اچھے اخلاق والے افراد وہ ہوتے ہیں جن کی گفتگو فحش گوئی، جھوٹ، افترا، چغل خوری اور کذب بیانی سے پاک ہوتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ فضول گفتگو سے خاموشی بہتر ہے۔ "جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے تو اس کو چاہیئے کہ اچھی بات کہے ورنہ خاموش رہے۔" (بخاری)

اسلام گفتگو کو گالی گلوچ سے پاک رکھنے کا حکم دیتا ہے کیونکہ ایمان والے کبھی لغو اور فحش گوئی سے کام نہیں لیتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فحش اور بے ہودہ گفتگو کو سخت ناپسند فرمایا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "مسلمان کو گالی دینا بڑا گناہ ہے اور اس سے لڑائی کرنا کفر ہے۔" (بخاری)۔ رسول اکرم ﷺ کا انداز تکلم تمام انسانوں کے لئے مشعل راہ ہے آپ ﷺ کی گفتگو صاف اور واضح ہوتی تھی جسے ہر سننے والا سمجھ لیتا تھا (سنن ابو داوَد)۔ نبی اکرم ﷺ کے انداز تکلم سے ہمیں درس ملتا ہے کہ ہماری گفتگو صاف واضح ہونے کے ساتھ مختصر اور جامع ہو۔ بات کرتے وقت ہم کو ٹھہر ٹھہر کر بات کرنی چاہیئے تاکہ سننے والے ہماری بات آسانی سے سمجھ پائیں۔ طویل گفتگو سے پرہیز کی آپ ﷺ نے ہم کو تلقین فرمائی ہے۔ "مجھے حکم دیا گیا ہے کہ گفتگو میں توسط اختیار کروں کیونکہ درمیانے انداز میں ہی خیر ہے۔" (سنن ابو داوَد)۔ آپ ﷺ نے گھوما پھرا کر بات کرنے سے بھی منع فرمایا ہے۔ "لہذا انہیں اللہ سے ڈرتے رہنا چاہیئے اور جو بات کریں صاف اور سیدھی بات کریں۔" (القرآن)۔ گفتگو میں ضد، ہٹ دھرمی سے ہرگز کام نہیں لینا چاہیئے۔ بحث ومباحث کے وقت بات دلیل اور شعور سے کریں، کسی کی عزت نہ اچھالیں۔ سیرت رسول ﷺ ہم کو دوران گفتگو الجھنے سے منع کرنے کے علاوہ جہلا کو قائل کرنے کے بجائے ان سے احسن طریقے سے اعراض کرنے کی تعلیم

دیتی ہے۔’’اور خدا کے بندے تو وہ ہیں جو زمین پر آہستگی سے چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ ان سے (جاہلانہ) گفتگو کرتے ہیں تو سلام کہتے ہیں (سلام کر کے گزر جاتے ہیں)‘‘۔(القرآن)۔اس ضمن میں رسول اکرم ﷺ نے لوگوں کے عقلی معیار اور رتبے کے مطابق گفتگو کرنے کی ہم کو تعلیم دی ہے۔لوگوں کو اکتاہٹ سے محفوظ رکھنے اور اپنی گفتگو میں تاثیر پیدا کرنے کے لئے مخاطب کے معیار کا لحاظ رکھنا بے حد ضروری ہوتا ہے۔لوگوں کو اتنی ہی باتیں بتانی چاہیئے جس قدر ان کو ضرورت ہوتی ہے۔گفتگو انسان کی پہچان ہوتی ہے۔بالمشافہ گفتگو وشنید کے ذریعے پچاس فیصد سے زائد مسائل از خود ختم ہو جاتے ہیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ سچ کڑوا ہوتا ہے اور اسی مقولہ کی آڑ میں بدتمیزی اور بداخلاقی کا مظاہرہ کرنے لگتے ہیں۔اگر دیکھا جائے تو بیشتر موقعوں پر سچ کڑوا نہیں ہوتا ہے بلکہ سچ بولنے کا انداز کڑوا ہوتا ہے۔کڑوی سے کڑوی بات بھی اگر سلیقے ،تہذیب وشائستگی سے کی جائے تب یہ بھی کانوں میں شہد کھول دیتی ہے۔سلیقہ مند گفتگو کی ایک بہترین مثال خلیفہ ہارون رشید کے دیکھے گئے خواب کی تعبیر کے بیان میں دیکھنے میں آتی ہے۔خلیفہ ہارون رشید نے خواب میں دیکھا کہ اس کے تمام دانت ٹوٹ گئے ہیں اس نے تعبیر کے لئے ایک درباری کو طلب کیا جس نے کہا کہ آپ کی آنکھوں کے سامنے آپ کے تمام رشتے دار ہلاک ہو جائیں گے۔اس تعبیر سے بادشاہ بہت ملول ہوا اور ناراض ہو کر تعبیر بتانے والے کو دربار سے نکال باہر کیا۔دوسرے شخص کو تعبیر کے لئے طلب کرنے پر اس نے بتایا کہ بادشاہ کو بہت طویل عمر ملے گی اور آپ کا انتقال خاندان میں سب سے آخر میں ہوگا۔بادشاہ بہت خوش ہوا اور تعبیر بتانے والے کو انعام و اکرام سے نوازا۔اسی لئے سچ کڑوا ہوتا ہے کہنے کے بجائے ہمیں سچ کو پیش کرنے کا سلیقہ سیکھنا چاہیئے۔گفتگو کے دوران ہمیں چند باتوں کا خاص خیال رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے جیسے زبان سے خیر کا کلمہ ہی نکالیں،کسی کی غلطی کی اصلاح میں حکمت کا پہلو ہرگز نہ چھوڑیں،مخاطب کی قابلیت کا لحاظ رکھتے ہوئے بات کریں،ہمیشہ حق ،سچائی وصداقت کو اپنا شعار بنائیں،بے جا بحث سے اجتناب کریں،حق پر ہوتے ہوئے بھی جھگڑے سے اجتناب کریں،گفتگو کو تکلف وتصنع سے پاک رکھیں،درمیان میں کسی کی بات نہ کاٹیں،غیبت

وچغل خوری سے بہرصورت بچیں۔گفتگو میں تاثیر پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ گفتگو کے ماحول کا خیال رکھ کر بات کریں۔گفتگو کرنے کے لئے مناسب وموضوع وقت کاانتخاب انتظار کریں۔بات کرنے سے پہلے سننے والی کی طبیعت ومزاج یعنی موڈ کا خیال رکھیں۔بات کرتے وقت یابات کرنے سے پہلے سننے والے کو ذہنی طور پرتیار کریں۔گفتگو سلیقے سے کریں۔بے جاتنقیداورتنقید برائے تنقید سے پرہیز کریں۔ہر بار اپنے مسائل اور پریشانیوں کوموضوع گفتگو نہ بنائیں،اور ایک ہی موضوع پر بار بار بات نہ کریں۔گفتگو کو موثر بنانے کے لئے بولنے سے زیادہ سننے کی عادت ڈالیں۔الفاظ کے انتخاب میں احتیاط برتیں کیونکہ الفاظ بے جان نہیں ہوتے ہیں ان میں روح اور زندگی ہوتی ہے۔تقریر ہو یاتحریر دونوں بھی الفاظ کے محتاج ہوتے ہیں۔الفاظ شخصیت کے ہی نہیں بلکہ حالات اور روایات کے بھی آئینہ دار ہوتے ہیں۔الفاظ زندگی بناتے بھی ہیں اور زندگی برباد بھی کرتے ہیں۔جہاں الفاظ کسی کے اشتعال کو بڑھاتے ہیں وہیں غصہ کم کرنے میں کلیدی کردار انجام دیتے ہیں۔ہمارے زبان سے نکلے ہوئے لفظ کسی کے دل کو مجروح کرسکتے ہیں تو وہیں کسی کے غم کے مداوے میں نمایاں کردار ادا کرتے ہیں۔گفتگو اور الفاظ کا انتخاب انسان کے باطنی حسن کو اجاگر کرتا ہے اسی لئے گفتگو اور الفاظ کے انتخاب میں احتیاط سے کام لینے کی شدید ضرورت ہوتی ہے۔گفتگو کو نشتر نہ بنائیں کیونکہ اللہ نے ہم کو دلوں کو جوڑنے کے لئے پیدا کیا ہے نہ کہ دلوں کو توڑنے کے لئے۔

ہمارا قبلہ اول شدید خطرے میں ہے

مقبوضہ فلسطین میں اسرائیلی مظالم کے خلاف برسر پیکار اسلامی تحریک مزاحمت' حماس ' کا کہنا ہے کہ ماضی کی نسبت قبلہ اول کو شدید خطرات لاحق ہیں مسجد اقصیٰ صیہونیوں کے نرغے میں ہے اس کے تحفظ کیلئے عالم اسلام فوری حرکت میں آئے ۔شیخ ابوالبصل نے عالم اسلام پر زور دیا کہ وہ یہودیوں کی قبلہ اول اور اسلامی شعائر کے خلاف چیرہ دستیوں کی روک تھام کے لیے موثر حکمت علی وضع کریں اور القدس کو صہیونی درندوں کے ہاتھوں نقصان پہنچنے سے تحفظ دلائیں۔ فلسطین کے مفتی شیخ محمد حسین نے خبردار کیا ہے کہ اسرائیلی قابض انتظامیہ مسجد اقصیٰ کے قرب و جوار میں مسلسل کھدائی کر کے ،اصل میں مسجد اقصیٰ کو منہدم کر کے اس جگہ پر اپنی عبادت گاہ تعمیر کرنے کی سازشوں میں مصروف ہے۔مفتی حسین نے زور دے کر یہ بات کہی کہ اسرائیلی منصوبہ صرف مسجد اقصیٰ تک ہی محدود نہیں بلکہ وہ پورے بیت المقدس کو مسلمانوں سے پاک کر کے اسے یہودی شہر بنانا چاہتے ہیں اور اس سلسلے میں جتنا ممکن ہو سکے اتنے فلسطینیوں کے مکانات مسمار کئے جائیں گے۔شیخ نے عرب رہنماوں اور اسلامی سربراہوں سے اپیل کی ہے کہ وہ مسجد اقصیٰ کو بچانے اور مقدس شہر کے تشخص کو بچانے کیلئے فوری اقدامات اٹھائیں۔

مسجد اقصیٰ جو کہ عالم اسلام کے لیے نہ صرف ایک مقدس مقام کی حیثیت رکھتی ہے بلکہ مسلمانان عالم کا قبلہ اول بھی ہے جسے بیت المقدس کے نام سے جانا جاتا ہے اور آج مسلمانوں کا قبلہ اول مسجد اقصیٰ خطرے میں ہے،القدس غاصب صیہونی ریاست اسرائیل کے غاصبانہ تسلط میں ہے اور اس کو دور حاضر میں شدید

خطرات لاحق ہیں ۔صیہونی غاصبوں نے القدس میں جگہ جگہ فوجی چوکیاں قائم کر دی ہیں جہاں پر بیٹھے ان یہودی فوجیوں کا صرف یہ کام ہوتا ہے کہ وہ مسجد اقصیٰ کی طرف جانے والے مسلمان فلسطینیوں کو روک کر ان کو تنگ کرتے ہیں اور ان کو مسجد اقصیٰ کی طرف جانے سے روکتے ہیں ، اسرائیل کی جانب سے کیے جانے والے ان تمام اقدامات کا مقصد فلسطینی مسلمانوں کو مسجد اقصیٰ سے دور رکھ کر قبلہ اول پر اپنا مکمل تسلط قائم کرنا ہے ۔ اسرائیل نہ صرف فلسطینیوں کو روزمرہ کے ایام میں مسجد اقصیٰ میں داخل نہیں ہونے دے رہا ہے بلکہ مسجد اقصیٰ میں جمعہ کی نماز پر بھی پابندی عائد کر دی جاتی ہے تاکہ مسلمانوں کا بڑا اجتماع مسجد اقصیٰ میں انجام نہ پائے ۔ اور دنیا بھر کی وہ ریاستیں جو خود کو قانون کا علمبردار اور انسانی حقوق کا علمبردار قرار دیتی ہیں فلسطین میں ہونیوالی تمام ناانصافیوں پر ہمیشہ کی طرح خاموش رہتی ہیں ، مسلم امہ کے حکمران امریکا کی کاسہ لیسی میں مصروف ہیں لیکن ان کو مسجد اقصیٰ جو کہ مسلمانوں اور اسلام کے مقدسات میں سے ہے کی صیہونیوں کے ہاتھوں ہونے والی توہین نظر نہیں آتی بلکہ مسلم حکمران تو صرف اور صرف امریکا کی خوشامد میں مصروف ہیں اور اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ اسرائیل سے بہتر تعلقات قائم کر لیے جائیں ، افسوس کا مقام ہے ۔

روئے زمین پر مسجد حرام (خانہ کعبہ) کے بعد یہ دوسری قدیم ترین مسجد ہے ، اور مسجد نبوی کے بعد تیسرا مقدس ترین مقام ہے ، فلسطین کی پاک سرزمین انبیاء کرام کا مسکن رہا ہے ، اسی وجہ سے اسے سرزمین انبیاء بھی کہا جاتا ہے ۔ اس کے چپہ چپہ پر انبیاء کرام علیھم السلام کے نشانات موجود ہیں ، گزشتہ قوموں کے آثار یہاں جابجا بکھرے ہوئے ہیں ، اس خطہ کے کھنڈرات ، یہاں کی اجڑی ہوئی بستیاں ، وادیاں ، پہاڑ اور دریا ، غرض ہر شئے اپنے دامن میں ایک مکمل تاریخ چھپائے ہوئے ہے ، اس ارض مقدس (مقدّس بھی کہا گیا) کا مشہور اور قدیم شہر بیت المقدس ہے ، اس کو " اَلقُدُس " بھی کہتے ہیں ۔ بیت المقدس ، مسلمانوں کا قبلہ اول اور دنیا بھر کے فرزندان توحید کا دوسرا حرم ہے ، بیت المقدس ، ان فلسطینیوں کی اصل سرزمین ہے جسے عالمی سامراج نے آج سے ٹھیک 72 سال قبل 1948 میں غاصب یہودیوں کے تصرف میں دے دیا تھا ۔ بیت المقدس ، وہ سرزمین ہے جہاں سیکڑوں انبیاء اور اولیاء نے زندگی بسر کی ،

بیت المقدس، وہ ارض مقدس ہے جو انبیاء الٰہی کی بعثت کا مقام ہے۔ بیت المقدس، مقام معراج خاتم النبیین سید المرسلین رحمۃ للعالمین پیغمبر اعظم حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔

پوری دنیا کی مسلمان قوموں کو ان کی مدد کے لئے آگے آنا چاہئے۔ جاگ مسلم جاگ ایک سیاہ فام کے قتل پہ پورا یورپ آگ کا ایندھن بن گیا یہاں ہمارا قبلہ اول شہید ہونے کے قریب ہے اور ہم سو رہے ہیں۔ اے مسلمانو! اپنا سکوت اور خاموشی کو توڑ کر اٹھو اور عزم مصمم کرو اور فلسطینی مجاہدین کی آواز سے آواز ملاؤ بیت المقدس، ہمارا ہے، قبلہ اول ہمارا ہے ہم مسجد اقصیٰ کو آزاد کرائیں گے، ہم اس کی راہ میں اپنا سب کچھ قربان کر دیں گے لیکن قدس کو غاصب یہودیوں کے وجود سے پاک کر کے ہی دم لیں گے ان شاء اللہ!۔

واجب قربانی یا صدقہ وخیرات

کرونا وائرس کے بڑھتے اثرات اور لاک ڈاؤن کے دوران آنے والی عید قربان کو لیکر مسلمانوں میں تشویش کا ماحول بنا ہوا ہے ایک صاحب نے پوچھا کہ جن لوگوں پر قربانی واجب ہے اگر وہ واجب قربانی ادا کرنے کی بجائے رقم ضرورت مندوں کو دے دیں تو اس کا شرعی حکم کیا ہے۔علمائے کرام کے نزدیک قرآن وسنت کی روشنی میں قربانی واجب ہے اور قربانی کا کوئی بدل نہیں ہے یعنی ایام قربانی میں قربانی کرنا ہی ضروری ہے، قربانی کی جگہ صدقہ وخیرات کرنا یہ قربانی کا نہ بدل ہے اور نہ ہی اس سے قربانی کا فریضہ ساقط ہوتا ہے۔اور اصولی طور پر قربانی کی رقم صدقہ کرنے سے قربانی کرنا افضل ہے کیونکہ قربانی کرنے سے جانور ذبح کرکے اس کا گوشت صدقہ کیا جاتا ہے اور اس سے قربِ الہی تلاش کیا جاتا ہے، ہاں اگر قربانی کرنے کی تمام کوششوں کے باوجود کسی عذر کی وجہ سے قربانی کے دنوں میں قربانی نہیں کی جاسکی تو اب اس کی قضا نہیں ہے بلکہ اگر جانور زندہ ہو تو وہی جانور یا پھر جانور کی قیمت صدقہ کردی جائے۔اگر صاحب نصاب حضرات واجب قربانی کرلیں اور نفلی قربانی کو اس سال ترک کرکے اس کے پیسے غرباء ومساکین میں تقسیم کردیں اس میں بھی علمائے امت کی رائے میں بہتر یہی ہوگا کہ ایام قربانی سے پہلے یا بعد میں وہ رقم صدقہ کی جائے اس لئے کہ ایام قربانی میں سب سے افضل عمل قربانی کرنا ہی ہے۔

صاحب نصاب مسلمان مرد وعورت پر ایام النحر (10 ذوالحجہ کے طلوع صبح صادق سے بارہویں کے غروب آفتاب تک) میں جانور قربان کرنا واجب ہے۔قربانی کی قیمت صدقہ کرنے سے واجب ادا

نہیں ہوتا، اس دن کا صدقہ یہ ہے کہ جانور ذبح کر کے اس کا گوشت صدقہ دیں۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم نے دس سال مدینہ میں قیام فرمایا اور ہر سال قربانی کی۔ (ترمذی (۱۵۱۲) ۳ / ۱۲۹، مسند احمد ۳۸ / ۲) اور ایک حدیث مبارکہ میں ہے: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس دن میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک (قربانی کے جانور کا) خون بہانے سے بڑھ کر بنی آدم کا کوئی عمل پسندیدہ نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کسی کام میں مال خرچ کیا جائے تو وہ عید الاضحی کے دن قربانی میں خرچ کیے جانے والے مال سے افضل نہیں۔

بعض اسلام دشمن اور ماڈرن قسم کے دانشور حضرات جن کو مخلوق خدا کی فلاح کا بہت زیادہ ''درد ''اٹھتا ہے' وہ اس نظریاتی مملکت میں برسوں سے زہر پھیلا رہے ہیں اور خصوصیت کے ساتھ جدید تعلیم سے روشناس مسلمانوں کو دھوکہ دے رہے ہیں کہ قربانی ''مولویوں کی ایجاد ہے، کتنا بڑا ظلم ہے کہ ہزاروں لاکھوں روپے کا خون بہادیا جائے، اس میں انسانیت کی کیا خدمت ہے؟ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ تو صرف ''مکہ'' میں ہی فرض ہے اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے مدینہ منورہ میں قربانی نہیں دی۔ کوئی شخص بھی اس بات کا مجاز نہیں کہ دین متین میں ایک حرف کی بھی تبدیلی کر سکے۔ قربانی انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے اور ہر صاحب نصاب مسلمان پر واجب ہے۔ جو چودہ سو سال سے ادا کی جارہی ہے۔ خود خاتم النبیین نبی اکرم ﷺ نے اور ان کے بعد ان کے خلفائے راشدین نے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اور امت کی مسلّمہ شخصیتوں نے ادا کی اور کروائی۔ یہ کہنا کتنا بڑا دجل ہے کہ ختم المرسلین ﷺ نے صرف مکہ میں قربانی کی۔ حالانکہ احادیث صحیحہ میں اس کا ثبوت موجود ہے کہ مدینہ میں بھی قربانی ہوئی اور لاکھوں مربع میل میں پھیلی ہوئی اسلامی سلطنت میں بسنے والے مسلمانوں نے اس سنت کو ادا کیا۔

قرآن حکیم نے قربانی اور قربانی کے جانوروں کی حیثیت دین اسلام کی علامتوں میں سے دو علامتیں قرار دی ہیں۔ دین کی علامتوں کی تعظیم دلوں کے تقویٰ کی علامت ہے۔ ان شعائر کا احترام نہ

کرنے والے لوگ خلوص سے محروم ہیں ۔شعائر اللہ کی باقاعدہ و باضابطہ شرعی حیثیت وعظمت ہے ۔اس عمل کی ایک مذہبی ،شرعی اور قانونی تاریخ ہے اس کی تردید اور توہین ،احکام ومسائل اور قوانین قرآنی سے بے خبری ،لا علمی اور جہالت پر مبنی ہے ۔پھر ایسا آدمی جو قربانی جیسے عمل خیر کو روکتا ہے،اس کے خلاف ذہنوں کو ہموار کرتا ہے اور فضول قسم کی باتیں جو یاوہ گوئی اور ہرزہ سرائی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتیں ،وہ معاشرے کو باہم ایک دوسرے سے کاٹنا چاہتا ہے ۔قربانی کے عمل سے معاشرہ کے تمام طبقات باہم مربوط ہوجاتے ہیں ۔قربانی جدّ الانبیاء اور مجدّد الانبیاء سیدنا ابراہیم خلیل اللہ اور سیدنا اسماعیل ذبیح اللہ علیہم السلام اور سید الاوّلین ،قائد المرسلین ،خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ کی مقدس یادگار اور ابدی سنت ہے ۔اہل اسلام سے التماس ہے کہ وہ اس قسم کی لغویات پر دھیان نہ دیں اور دین متین کی حفاظت کرتے ہوئے اور محبت رسول اسے سرشار ہو کر اس سنت کو خوب ذوق وشوق سے ادا کریں تاکہ روزِ محشر بارگاہِ رب العزت میں نجات کا سبب اور اللہ کے محبوب نبی کریم ﷺ کی شفاعت کے مستحق بنیں ۔خداوندِ قدوس ہم سب کو سختی سے اسلام کے اصولوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے ۔آمین ثم آمین

اچھے اخلاق کی حیثیت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں اچھے اخلاق کو اُن کے اتمام تک پہنچانے کے لیے مبعوث کیا گیا ہوں۔ (احمد، رقم ۸۹۵۲)

مطلب یہ کہ ہر مسلمان سے دین کا اہم ترین مطالبہ تزکیہ اخلاق ہے۔ آخرت کی کامیابی کے لیے یہ لازم ہے کہ انسان خالق اور مخلوق دونوں کے ساتھ اپنے عمل کو پاکیزہ بنائے۔ پاکیزہ عمل ہی کو عمل صالح کہا جاتا ہے۔ تمام شریعت اسی کی فرع ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا اصل مقصد یہی تھا کہ آپ اعلیٰ اخلاق کی تکمیل کر دیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بدگوئی کرنے والے تھے نہ بدزبانی۔ آپ فرمایا کرتے تھے: تم میں سے بہترین لوگ وہی ہیں جو اپنے اخلاق میں دوسروں سے اچھے ہیں۔ (صحیح بخاری، رقم ۳۰۰۹)

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرماتا ہے، (ان ※ لعلی خلق عظیم) بے شک آپ اعلیٰ اخلاق پر فائز ہیں۔

مندرجہ بالا احادیث آپ کے انھی اخلاق عالیہ کے اس پہلو کو بیان کرتی ہیں کہ آپ تلخ و شیریں، غصہ و محبت، اچھے اور برے کسی حال میں بھی بدگوئی اور بدزبانی کرنے والے نہ تھے۔ آپ خود بھی اعلی اخلاق کے حامل تھے اور آپ کے نزدیک وہی لوگ زیادہ پسندیدہ تھے جو اخلاق میں دوسروں سے بہتر

ہوتے تھے۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میزان میں کوئی بھی ایسی چیز نہ رکھی جائے گی جو حسن خلق سے بھی زیادہ وزنی ہو۔ انسان اپنے اچھے اخلاق سے دن بھر روزے رکھنے اور رات بھر نماز پڑھنے والے شخص کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔ (ترمذی، رقم ۲۰۰۳)

اللہ کی رضا کے لیے دن بھر روزے رکھنا اور رات بھر نماز پڑھنا یقیناً یہ دونوں بہت بڑے اعمال ہیں اور انسان ان سے بہت بلند درجہ حاصل کر لیتا ہے۔ آپ نے اخلاق عالیہ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ یہی درجہ انسان اچھے اخلاق سے بھی حاصل کر سکتا ہے۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن مؤمن کی میزان میں کوئی چیز بھی اُس کے اچھے اخلاق سے زیادہ وزنی نہ ہوگی اور بے شک اللہ تعالیٰ بے حیا بدگو شخص کو دشمن رکھتا ہے۔ (ترمذی، رقم ۲۰۰۲)

مطلب یہ ہے کہ وہ بہترین عمل جس کا انسان تصور کر سکتا ہے، وہ اس کا اچھا اخلاق ہی ہے، چنانچہ یہی عمل اس کی میزان میں سب سے زیادہ وزنی ہوگا۔ بے حیائی اور بدگوئی، ان دونوں صفات کو وہی شخص اپنا سکتا ہے جو اخلاق سے اصلاً عاری ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ایسا شخص اللہ تعالیٰ کے ہاں مبغوض ہے۔

حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نیکی اور گناہ کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: نیکی حسن اخلاق ہے اور گناہ وہ ہے جو تمھارے دل میں کھٹک پیدا کر دے اور تم یہ پسند نہ کرو کہ دوسرے لوگ اُسے جانیں۔۔ (مسلم، رقم ۶۵۱۶)

دوسروں کے ساتھ نیکی اور اچھے برتاؤ ہی کا نام حسن اخلاق ہے۔ انسان نیکی اور بدی کو فطری طور پر جانتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر انسان دوسرے کی جانب سے اپنے لیے حسن اخلاق کا طالب ہوتا اور بدی یعنی برے اخلاق کو ناپسند کرتا ہے اور اگر وہ خود کسی برائی میں مبتلا ہو تو دوسروں کے سامنے اس کا افشا پسند نہیں کرتا۔

آیا صوفیا میوزیم سے مسجد تک

ترکی کی سب سے اعلیٰ انتظامی عدالت، کونسل آف سٹیٹ نے جمعے کو اپنے فیصلے میں لکھا' ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ تصفیے کی دستاویز میں اسے مسجد کے لیے مختص کیا گیا تھا۔ لہٰذا قانونی طور پر اسے کسی اور مقصد کے لیے استعمال نہیں کیا جا سکتا'۔ عدالتی فیصلے میں کہا گیا ہے 1934 کا کابینہ کا فیصلہ جس میں اس عمارت کے مسجد کے کردار کو ختم کر کے میوزیم میں تبدیل کیا گیا وہ قانون سے مطابقت نہیں رکھتا ہے۔ عدالت کونسل آف اسٹیٹ کی جانب سے آیا صوفیا کو میوزیم سے مسجد میں تبدیل کرنے کے حق میں فیصلہ آتے ہی عزت مآت ترک صدر جناب رجب طیب اردگان نے میوزیم کو مسجد میں تبدیل کرنے کے لیے صدارتی فرمان پر دستخط کر دیئے اور اس عمارت کو واپس مسجد بنانے کا اعلان کیا، اور وہاں الحمدللہ نماز بھی ادا ہوئی، یہ ایک عظیم خوشی کی خبر ہے۔ جس پر جتنا بھی شکر ادا کیا جائے وہ کم ہے اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہم مسلمانوں کو اس پر شکر ادا کرنے اور اس کی قدر کی توفیق عنایت فرما دیں۔ یہ عمارت جو ڈیڑھ ہزار سال پہلے ایک کلیسا کے طور پر تعمیر کی گئی ہے۔ سلطنت عثمانیہ کے دور میں اس عمارت کو کلیسا سے مسجد میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔ جسے فاتح سلطان محمد نے آیا صوفیہ کو اپنی ذاتی ملکیت میں لیتے ہوئے اسے عبادت کے لیے وقف کیا تھا، آج اس نے اپنے اصل فرض کو واپسی اختیار کر لی۔ اور جدید ترکی کے بانی مصطفیٰ کمال اتاترک نے 1934 میں آیا صوفیہ کو میوزیم بنانے کی منظوری دی تھی اور اس وقت سے اسے سیکولرازم کی ایک نشانی کے طور پر دیکھا جاتا رہا ہے۔

آیا صوفیہ دنیا کی مشہور ترین عمارتوں میں سے ایک اور سیاحوں کے لیے انتہائی کشش کی حامل

تاریخی عمارت ہے۔ترکی میں سیاح سب سے زیادہ اس جگہ کو دیکھنے آتے ہیں۔آیا صوفیہ کو 1500 سال پہلے بازنطینی عہد میں گرجا گھر کے طور پر تعمیر کیا گیا تھا۔ 900 سال بعد سلطنت عثمانیہ کی فوج نے استنبول پر قبضہ کیا اور اسے مسجد میں بدل دیا گیا۔ 80 سال قبل خلافت عثمانیہ ختم ہوئی تو اسے عجائب گھر بنا دیا گیا تھا۔ یہ معروف عمارت استنبول کے فیتھ ڈسٹرکٹ میں سمندر کے کنارے واقع ہے۔ مشہور عثمانی ماہرِ تعمیر سنان نے اس عمارت کے گنبد کے ساتھ چار مینار تعمیر کیے اور مسجد کے اندر تصاویر ہٹا کر ان کی جگہ اسلامی خطاطی کی تھی۔موجودہ ترک صدر شروع ہی سے اسے مسجد بنانے کے لیے پرعزم تھے۔سال 1994 میں جب وہ استنبول کے ناظم کا انتخاب لڑ رہے تھے تو انہوں نے اس عمارت کو نماز کے لیے کھولنے کا وعدہ کیا تھا جبکہ 2018 میں وہ یہاں قرآن کی تلاوت بھی کر چکے ہیں۔

آیا صوفیہ کا دوبارہ مسجد میں تبدیل ہونا مسجد اقصی کے دوبارہ فتح ہونے کا پہلا قدم ہے" اردگان کی یہ بات مسلمانوں کی روح کو تسکین دے گئی۔جب کمال اتاترک جیسے ملحد نے جہاں ترکی سے خلافت ختم کی وہیں اللہ کے گھر آیا صوفیہ کو مسجد سے عجائب گھر میں تبدیل کر دیا۔یاد رہے اس ملحد نے ترکی سے اسلام کا مکمل خاتمہ کر دیا تھا۔سلطنت عثمانیہ کا خاتمہ کر کے ترکی میں ہر اسلامی شعار، نماز، قرآن اور اذان ہر چیز پہ پابندی ہی نہیں لگائی بلکہ ترکی زبان میں شامل عربی الفاظ بھی ختم کر دیئے تھے، پردے پہ پابندی لگا دی اور اپنے مغربی آقاوں کی خوب غلامی کرتے ہوئے اسلام سے غداری کی۔لوگ چھپ چھپ کر نماز پڑھتے تھے اور وہاں پولیس گھر گھر جا کر تلاشی لیتی تھی کسی کے گھر سے جائے نماز یا قرآن نکل آتا تو اسے پکڑ کر لے جاتے تھے۔لیکن اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس کے دل میں بس جائے پھر نکالنا آسان نہیں ہوتا۔کیونکہ یہ سچا آفاقی مذہب ہے جو عین فطرت کے مطابق ہے۔ترکی میں بھی لوگ چھپ چھپ کر نماز قرآن پڑھتے رہے اور اپنی اولاد کو بھی اسلام سے آگاہ کرتے ہوئے اپنے اسلاف ست روشناس کرواتے رہے۔ان کے دل سے کوئی اسلام نہ نکال سکا۔کچھ لوگ تو محض ڈر کی وجہ سے بظاہر ایسا روپ دھارے ہوئے تھے۔انھیں اسلام پسند لوگوں میں ایک احمد اردگان بھی تھے جنہوں نے اپنے بیٹے کو نہ صرف اسلام سے روشناس کروایا

۔بہرکیف طیب اردگان نے ترکی کی باگ ڈور سنبھالتے ہی مذہب پہ پابندی کا قانون معطل کر دیا اور حجاب پہ لگی پابندی کا خاتمہ کر دیا۔اس کی اپنی بیوی بھی حجاب لیتی ہے ۔اس سے اسلام پسند حلقے میں جہاں ترکی میں خوشی کی لہر دوڑ گئی وہاں پوری دنیا کے مسلمانوں نے مسرت کا اظہار کیا۔

خلاصہ کلام ترکی کی عدالت کے اس تاریخی فیصلے پر وہاں سالوں بعد گونجتی اذان سے مسلمانوں میں خوشی کی لہر دوڑ اگئی تو امید کی کرن بھی نظر آئی کہ کہیں مسلمان بھی ہیں جو کچھ کر سکتے ہیں ۔اور اللہ کا حکم پورا کرتے ہوئے دنیا کے ہر حکم کو ٹھوکر پہ رکھ سکتے ہیں ۔دوسری طرف ہمارا پیارا ملک پاکستان ہے جس کے وزیر اعظم صاحب کے اقدامات انتہائی افسوس ناک ہیں ۔گستاخان رسول کی رہائیاں ،علما کی گرفتاریاں اور بہت کچھ دوسرا ہونے کے ساتھ اب پاکستان کی عدالت کا اسلام آباد میں مندر کی تعمیر کے حق میں فیصلہ اور وزیر اعظم صاحب کی منظوری نے پاکستانی عوام کے دل توڑ دیئے ہیں ۔ہمیں سمجھ نہیں آرہی کہ ایک لا الہ الا اللہ کی بنیاد پہ بننے والے ملک میں کس طرح ممکن ہے کفر و شرک کی عمارت کی تعمیر وہ بھی اسلامی ملک کی حکومت اپنے خرچے پہ کرے اور عوام کی رائے کو بھی رد کر دے ۔اور بطور مسلمان ہم کیسے اپنے رب کے ساتھ بتوں کو شریک بنانے کے لئے خود اپنے خرچے سے عمارت بنا کر دینے پر راضی ہو سکتے ہیں ۔اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہمیں بھی اردگان جیسا اسلام سے اور ملک پاکستان سے محبت رکھنے والا جی دار حکمران عطا فرمائیں ۔آمین یارب العٰلمین!

احادیثِ رسول ﷺ

خاتم المرسلین نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے فرمان کا مفہوم:.......

سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيْمِ وَبِحَمْدِهٖ نمازِ فجر کے بعد پڑھیں تو پتھر، درخت، مٹی تیرے لیے استغفار کریں گے، جب تو ان کے پاس سے گزرے گا، اور تو اندھے پن، جذام، فالج کی بیماری سے بچا رہے گا۔(مسند احمد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: میں اچھے اخلاق کو اُن کے اتمام تک پہنچانے کے لیے مبعوث کیا گیا ہوں ۔(احمد، رقم ۸۹۵۲)

مطلب یہ کہ ہر مسلمان سے دین کا اہم ترین مطالبہ تزکیہ اخلاق ہے۔ آخرت کی کامیابی کے لیے یہ لازم ہے کہ انسان خالق اور مخلوق دونوں کے ساتھ اپنے عمل کو پاکیزہ بنائے۔ پاکیزہ عمل ہی کو عمل صالح کہا جاتا ہے ۔تمام شریعت اسی کی فرع ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا اصل مقصد یہی تھا کہ آپ اعلیٰ اخلاق کی تکمیل کر دیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بدگوئی کرنے والے تھے نہ بدزبانی۔ آپ فرمایا کرتے تھے: تم میں سے بہترین لوگ وہی ہیں جو اپنے اخلاق میں دوسروں سے اچھے ہیں ۔(صحیح بخاری، رقم ۳۵۵۹)

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرماتا ہے،(انك لعلى خلق عظيم) بے شک آپ اعلیٰ اخلاق پر فائز ہیں۔

مندرجہ بالا احادیث آپ کے انھی اخلاق عالیہ کے اس پہلو کو بیان کرتی ہیں کہ آپ تلخ وشیریں،

غصہ ومحبت، اچھے اور برے کسی حال میں بھی بدگوئی اور بدزبانی کرنے والے نہ تھے۔آپ خود بھی اعلی اخلاق کے حامل تھے اور آپ کے نزدیک وہی لوگ زیادہ پسندیدہ تھے جو اخلاق میں دوسروں سے بہتر ہوتے تھے۔

پیارے نبی صلَّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلَّم نے فرمایا:......

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے بہترین بندے وہ ہیں جن کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ جل شانہٗ یاد آئے۔(بیہقی)

فرمایا نبی کریم صلَّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلَّم نے:......

''دنیا میں اس طرح رہو جیسے بے وطن اجنبی ہو اور اپنے آپ کو اہلِ قبور میں سے شمار کرو۔''(ترمذی)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:......کہ اللہ رب العزت نے چھ چیزوں کو چھ چیزوں میں پوشیدہ رکھا ہے:

(۱)......اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے خوشی کو بندگی میں پوشیدہ رکھا ہے۔

(۲)......اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے غصہ کو گناہوں میں پوشیدہ رکھا ہے۔

(۳)......اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے اسم اعظم کو قرآن کریم میں پوشیدہ رکھا ہے۔

(۴)......اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے لیلۃ القدر کو ماہِ رمضان میں پوشیدہ رکھا ہے۔

(۵)......اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے صلوٰۃ الوسطیٰ کو باقی نمازوں میں پوشیدہ رکھا ہے۔

(۶)......اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے قیامت کے دن کو باقی دنوں میں پوشیدہ رکھا ہے۔

چند سبق آموز حکایات

شاہ فہد کا جواب:......

سوئٹز لینڈ میں قائم قادیانیوں کی تنظیم نے ایک خط کے ذریعے شاہ فہد سمیت سعودی عرب کے چند اعلیٰ حکام سے درخواست کی کہ ان کے مذہب کے رہنما کو سرکاری مہمان کی حیثیت سعودی عرب آنے کی دعوت دی جائے۔ جب یہ خط شاہ فہد کے پاس گیا تو انہوں نے جواب دیا:......"آپ مرزا قادیانی ملعون کا طوقِ غلامی اتار کر آئیں تو دل و جان سے مہمان نوازی کریں گے، اگر مرزا قادیانی کا طوق غلامی پہن کر آنا چاہتے ہو تو یاد رکھو! یہ سرزمین حجاز ہے، ہمارے پیشرو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسیلمہ کذاب اور اس کی پارٹی کو جو حشر کیا تھا وہی تمہارا کریں گے۔"

ان کے اس کے جواب پر مرزائیوں کے اوسان خطا ہو گئے۔ (جواب تک خطا ہیں۔)

ہیرا اور پتھر:......

ایک قافلہ اندھیری سرنگ سے گزر رہا تھا، لوگوں کے پیروں میں کنکریاں چبھیں تو کچھ نے اس خیال سے کہ یہ پیچھے آنے والوں کو تکلیف نہ دیں، نیکی کے خیال سے اٹھا کر اپنے سامان میں رکھ لیں۔ کچھ نے زیادہ اٹھائیں، کچھ نے کم۔ جب وہ اندھیری سرنگ سے باہر آئے تو دیکھا جنہیں وہ کنکریاں سمجھ رہے تھے وہ کنکریاں نے ہیرے ہیں......اب جنہوں نے کم اٹھائی تھیں وہ پچھتائے اور جنہوں نے بالکل نہیں اٹھائی تھیں وہ اور بھی زیادہ پچھتائے۔ پس دنیا کی مثال ایسی اندھیری سرنگ کی ہے جہاں نیکیوں کی صورت میں ہیرے موتی بکھرے ہوئے ہیں۔ انسان اپنی زندگی میں جتنی نیکیاں کرے گا وہ آخرت میں ہیرے موتی جیسی قیمتی ثابت ہوں گی۔ کم نیکیاں کرنے والا پچھتائے گا

اس نے زیادہ نیکیوں سے اپنا دامن کیوں نہ بھر لیا۔سو نیکیاں کرتے رہو، بظاہر نہایت معمولی نظر آنے والی نیکی سے بھی منہ نہ موڑو کہ آخرت میں وہ نہایت بیش قیمت ہو گی۔

مجھ جیسا کوئی پیر بھی نہیں ملے گا:......

حضرت مولا نامحمد اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے ایک شخص نے بیعت کی جو حکومت کے کسی بڑے عہدے پر تعینات تھے۔کچھ عرصہ کے بعد اس نے ایک لاکھ روپیہ ہدیہ منی آرڈر کے ذریعے بھیجا۔حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کا ہدیہ واپس بھیج دیا۔ان صاحب کو ہرگز یہ توقع نہ تھی، انہوں نے خط میں لکھا کہ میں نے ایک لاکھ روپے بھیجے جو آپ نے واپس کر دیے، آپ کو مجھ جیسا کوئی مرید نہیں ملے گا۔حضرت نے جواب میں لکھا کہ میں نے روپے واپس بھیج دیے ہیں، آپ کو مجھ جیسا کوئی پیر بھی نہیں ملے گا جو ایک لاکھ روپے کو ٹھوکر مار دے۔(از:......تحفہ اساتذۂ کرام)

پریشان کن ایصال ثواب:......

اس کے والد کا انتقال ہوا تو وہ پریشان ہو گیا، والد کے انتقال کی وجہ سے نہیں بلکہ ان کے قل کی وجہ سے۔اس کی مالی حالت ان دنوں میں اچھی نہیں تھی۔میں نے مشورہ دیا کہ قل فرض یا سنت تو ہے نہیں اگر جیب اجازت نہیں دیتی تو نہ کرو مگر وہ کہنے لگا: ''لوگ کیا کہیں گے کہ باپ کے لیے قرآن خوانی اور ایصال ثواب بھی نہ کرایا اس لیے مدرسے کے دس بچے بلا کر قرآن خوانی لازماً کراؤں گا، رشتے داروں کو ضرور دعوت دوں گا، دو دیگ چاول کافی ہوں گے، سب کو ایک ایک پلیٹ مل جائے گی۔'' قل والے دن میں نے اس کچھ زیادہ ہی پریشان دیکھا وجہ پوچھی تو بولا ''اباجی کو پانچ قرآن کا ثواب ہو رہا ہے میں نے کہا یہ پریشانی کی بات نہیں، بلکہ خوشی کی بات ہے وہ روہانسا ہو کر بولا: خوشی تو اباجی کو ہو گی میرے لیے تو پریشانی ہی کی بات ہے دس کی بجائے پچاس طالب علم قرآن خوانی کرنے پہنچ گئے ہیں۔

قرآن کریم کی طاقت:......

ایک عرب مسلمان لڑکی لندن میں زیرتعلیم تھی ایک مرتبہ وہ اپنی سہیلی کے ہاں ایک تقریب میں گئی کوشش کے باوجود وہ وہاں سے جلدی نہ نکل سکی۔جب وہ اس فنکشن سے فارغ ہو کر نکلی تو رات آدھی سے زیادہ ہو چکی تھی۔اس کا گھر کافی دور تھا۔سب سے جلدی گھر پہنچنے کا ذریعہ زیر زمین چلنے والی ٹرین تھی،لیکن برطانیہ میں دشواری یہ ہے کہ آدھی رات کے بعد ٹرینوں میں اور اسٹیشنوں پر بہت سے جرائم پیشہ افراد ہوتے ہیں،آئے روز ٹی وی چینل اور اخبارات میں یہاں ہونے والی وارداتوں کا تذکرہ موجود ہوتا ہے۔بہت ہی زیادہ دیر ہو چکی تھی،بس کافی وقت لے سکتی تھی۔لڑکی نے بہت سے خدشات وخطرات کے باوجود ٹرین میں جانے کا فیصلہ کرلیا،یہ بات پیش نظر رہے کہ لڑکی دین دار نہیں بلکہ بہت آزاد خیال اور لبرل تھی،جب وہ اسٹیشن پر پہنچی تو یہ دیکھ کر اس کے جسم میں خوف کی ایک سرد لہر دوڑ گئی کہ اسٹیشن بالکل سنسان ہے صرف ایک شخص کھڑا ہے جو اپنے حلیے ہی سے جرائم پیشہ لگتا تھا وہ انتہائی خوفزدہ ہوگئی،پھر اس نے ہمت کی،خود کو سنبھالا،قرآن مجید پڑھنا شروع کر دیا اور اسے جو کچھ زبانی یاد تھا جسے وہ ایک عرصے سے بھولی ہوئی تھی سب کچھ پڑھ ڈالا اتنے میں ٹرین آئی اور وہ اس میں سوار ہو کر بخیریت اپنے گھر پہنچ گئی۔

اگلے دن کا اخبار دیکھ کر وہ چونک اٹھی اسی اسٹیشن پر اس کے روانہ ہونے کے تھوڑی دیر بعد ایک نوجوان لڑکی کا قتل ہوا اور قاتل گرفتار بھی ہوگیا،وہ پولیس اسٹیشن گئی،پولیس والوں کو بتایا کہ قتل سے کچھ دیر پہلے میں اس اسٹیشن پر موجود تھی اور قاتل کو پہچانتی ہوں اس سے کچھ سوال وجواب کرنا چاہتی ہو ں۔جب وہ مجرم کے سیل کے سامنے پہنچی اس سے پوچھا کہ تم مجھے پہچانتے ہو؟اس نے جواب دیا ہا ں پہچانتا ہوں،رات کو تم بھی اس اسٹیشن پر آئی تھیں،لڑکی نے پوچھا پھر تم نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟وہ کہنے لگا میں تمہیں کیسے نقصان پہنچاتا؟تمہارے پیچھے تو انتہائی صحت منداور مضبوط باڈی گارڈ کھڑے تھے،یہ سن کر لڑکی واپس آگئی۔

واپسی پر لڑکی تشکر اور احسان مندی کے جذبات سے مغلوب تھی اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی مدد اور نصرت پر اس کا بھروسا مزید بڑھ گیا تھا۔ اگر ہم اپنے دل اتھاہ گہرائیوں سے اللہ تعالیٰ کو پکاریں اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی تائید ونصرت پر بھروسا رکھیں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کبھی محروم نہیں رہیں گے۔

برگزیدہ خاتون

عطا بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بصرہ میں ایک عبادت گزار بزرگ خاتون تھیں حضرت بردہ، وہ شب بھر قیام کرتیں جب تمام حرکات ٹھہر جاتیں دنیا کی آنکھوں کو سکون آجاتا رات پوری طرح چھا جاتی تو وہ غم واندوہ میں ڈوبی آواز میں پکارتیں! آنکھیں سوگئیں ستارے ڈوب چکے ہیں، ہر محبوب اپنے محبوب کی آغوش میں پہنچ چکا، میرے محبوب (اللہ) میں تیری خدمت میں حاضر ہوں بھلا تو مجھے عذاب دے گا جب کہ میرا دل تیری محبت سے لبریز ہے میرے محبوب ایسا نہ کیجیے۔ حضرت سفیان رحمہ اللہ نے ایک روز بردہ کا تذکرہ کیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان پر رحمت کرے یہاں کہ عورتوں میں ان سے بڑھ کر مجاہدہ کرنے والی کوئی عورت نہیں دیکھی وہ اللہ کے خوف سے اس قدر روئیں کہ بینائی بھی جاتی رہی۔

ائمہ مساجد کے کرنے کے کام

ائمہ مساجد ہمارے معاشرے کا اہم کردار ہیں اور وہ لوگ ہیں جن کو ہم اپنے معاشرے کا مقدس ترین ادارہ یعنی ''مسجد'' حوالہ کرتے ہیں اور مسجد کے حوالے سے ہم بخوبی جانتے ہیں کے یہ دیگر عبادت خانوں کی طرح صرف مذہبی رسوم وعبادات ادا کرنے کی جگہ نہیں ہے؛ بلکہ مسجد کا ایک اسلامی معاشرے میں بہت وسیع کردار ہے جو صوم وصلاۃ سے بڑھ کر ہماری زندگی کے بہت سے زندہ مسائل سے تعلق رکھتا ہے۔ یہی مساجد آج ہمارے آس پاس موجود ہیں، ایک ایسا میڈیا اور ذریعہ ابلاغ جو اس کے متعلقین تک دین کا پیغام پہنچا سکے قابل غور پہلو ہے کہ ہماری ہر گلی میں مسجد ہونے کے باوجود ہم اس مسجد کے آس پاس رہنے والوں تک دین کا پیغام نہیں پہنچا رہے اور مقتدی کے نظریات، تعلیم، اخلاق، گھر، معاشرت اور معاملات غرض زندگی کے ہر حصے میں میڈیا کی محنت کا اثر دکھائی دیتا ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ ہم سے اتنا قریب رہنے کے باوجود دور کیوں ہوتا جا رہا ہے اور غیروں سے اجنبیت کا تعلق ہونے کے باوجود ان کی ہر بات میں ہاں میں ہاں ملاتا جا رہا ہے۔ مسئلہ دراصل یہ ہے کہ ہم اپنے مقتدی کو کچھ دینا ہی نہیں چاہتے، حالانکہ اگر ہم خلوص دل اور محنت کے ساتھ دین کا پیغام اس تک پہنچانا چاہیں تو وہ شخص آسانی اور بہت خوبی کے ساتھ بہت کچھ سیکھ سکتا ہے، چند وہ عوامل جن کے سبب ایک عام شخص میڈیا سے کئی گنا زیادہ مساجد سے مستفید ہو سکتا ہے۔ جب کہ روزانہ پانچ مرتبہ تقریباً ہر گلی سے کچھ نہ کچھ لوگ مساجد کا رخ کرتے ہیں تو کیا اس سلسلے میں ہماری یہ ذمہ داری نہیں بنتی کہ ہم ان تمام لوگوں کی تعلیم وتربیت کا اپنی بساط کے مطابق مضبوط انتظام کریں تا کہ ان تمام نمازیوں کا مسجد آنا جانا ان کے اپنے لیے اور اس

معاشرے کے لیے اصلاح کا ذریعہ بن جائے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ ان پرخلوص اور بھرپور توجہ سے محنت کی جائے تو ان کی ایمانی، اخلاقی، معاشرتی اور تجارتی زندگی میں ایک دینی رنگ چھا سکتا ہے۔

ائمہ مساجد اصلاح معاشرہ کے لیے کیا کچھ کر سکتے ہیں چونکہ ائمہ مساجد کا اصل مقصد مسجد اور اس مسجد کے آس پاس کے ماحول کو صالح ماحول میں بدلنا ہوتا ہے۔امام مسجد کا کردار اس ماحول میں موجود تمام لوگوں کے لیے مثالی بن جائے اس کے لیے ضروری ہے کہ: ☆......جنازہ اور نکاح نہ پڑھانا ہو تب بھی شرکت کا اہتمام کیا جائے۔☆......امام کا تعلق علاقہ کے لوگوں کے ساتھ صرف مصافحہ کی حد تک نہ ہو بلکہ ان کے احوال کی بھرپور فکرمندی جیسا رویہ ہو۔☆......اپنے مقتدیوں کے دکھ درد میں شریک ہونے کا اہتمام کیا جائے۔☆......مقتدیوں کے علاوہ دوسرے لوگوں سے بھی تعلق رکھا جائے اور مل جل کر بیٹھنے کا اہتمام کیا جائے اور اس میں امیر غریب، صاحب استطاعت اور بے روزگار میں امتیاز نہ برتا جائے۔☆......جتنا زیادہ ہو سکے اہل السنۃ والجماعۃ کے عقیدے کو فروغ دیا جائے ورنہ فرقہ واریت کے خدشات بڑھ جائیں گے۔☆......نوجوانوں کے پوچھے گئے سوالات کو بالکل بھی نظر انداز نہ کیا جائے؛ بلکہ چھوٹے بڑے تمام سوالات کو اہمیت دی جائے، چاہے وہ سوالات کسی بھی حوالے سے ہوں جن میں خاص کر موجودہ میڈیائی فتنے شامل ہیں جن کو دیکھ کر ان نوجوانوں کے ذہنوں میں دین، ایمان، توحید، رسالت اور آخرت سے متعلق شکوک وشبہات پیدا ہوتے جا رہے ہیں۔ان سوالات کا اگر بروقت تسلی بخش جواب نہ دیا گیا تو ان کا ایمان خطرے میں پڑ سکتا ہے۔نوجوانوں کو ان کے مسائل میں ائمہ مساجد رہنمائی نہیں کریں گے تو وہ اپنے مسائل واشکالات کو بھلا بیٹھنے والے نہیں، بلکہ وہ انہی مسائل کے ساتھ جب مختلف تجدد پسند یا گمراہ فکر کے حامل لوگوں تک پہنچتے ہیں تو وہ انھیں اپنے طور پر ان مسائل کا حل پیش کرتے ہیں جس کے نتیجے میں وہ علماء اور تمام تر روایتی فکر سے منحرف ہو جاتے ہیں۔☆......ائمہ مساجد اس بات کے حریص ہوں کہ ان کے وجود سے علاقہ کے لوگوں کو جتنا زیادہ دینی فائدہ ہو سکے ہوتا رہے۔☆......جو بھی بات کہی جائے وہ لوگوں کی ذہنی سطح، ماحول اور ضرورت کے اعتبار سے کہی جائے۔

اس وقت ائمہ کے پاس امت کی تعلیم وتربیت کے لیے ایک بہترین میدان میسر ہے جس میں : ☆......مسجد کی صورت میں ایک منظم ادارہ ☆......نمازیوں کی صورت میں طلبہ ☆......پنج وقتہ نمازوں کی صورت میں اوقاتِ تعلیم ☆......قرآن وحدیث کی صورت میں ایک بہترین نصابِ تعلیم کی سہولیات موجود ہیں ۔ضرورت صرف متحرک اور فکرمند ہونے کی ہے ۔لہٰذا ائمہ کے پاس بہترین موقع ہے کہ وہ امت کی تربیت کریں ،اس طرح وہ ایک صاحب ایمان کا کردارادا کرسکیں گے اوراپنے قول وفعل میں صداقت و امانت کے ساتھ ایک مثالی گھرانہ ،مثالی معاشرہ اورایک مثالی ریاست کا نمونہ پیش کریں گے ،جب تمام ائمہ مساجد اپنی اپنی مسجدوں میں یہ کام اس فکر کے ساتھ شروع کریں گے کہ میرے اس کام کا مقصد فرد ،معاشرہ اور ریاست کی اصلاح ہے ۔اسی طرح یہ کام ہر علاقہ ،شہر اور ملک میں ہونے لگے تو کچھ بعید نہیں کہ پندرہ وبیس سال کے اندر اندر امت مسلمہ کی تقدیر ہی بدل جائے ،ان شاءاللہ ۔

اصلاح معاشرہ اور مسجد کا کردار

اسلام میں مسجد کو عبادت، تعلیم و تربیت، ثقافت اور تہذیب و تمدن کے اعتبار سے مرکزی مقام حاصل رہا ہے، اسلام کی تعلیم کا آغاز مسجد سے ہوا۔ پیغمبر اسلام جناب محمد ﷺ نے ہجرت فرمائی تو مدینہ سے باہر مسجد کی بنیاد رکھی جو سب سے پہلی مسجد ہے اور پھر مدینہ منورہ میں دوسری "مسجد نبوی ﷺ" بنائی۔ اس میں دینی اور دنیاوی تعلیمات کی شروعات کیں۔ موجودہ دور میں مسلمان معاشروں میں معاشرتی، اخلاقی، سیاسی اور انتظامی بگاڑ عام ہو چکا ہے۔ اس کی ابتدا اُس وقت ہوگئی تھی جب مسلمان کا تعلق مسجد سے کمزور ہوا۔ آج اگر ہم چاہتے ہیں کہ معاشرہ کی اصلاح ہو تو ہمیں مسجد کے اس بنیادی کردار کو فعّال کرنا ہوگا۔

اصلاحِ معاشرہ کے لیے مساجد کا نمایاں کردار درج ذیل پہلوؤں کا حامل ہے: ☆...... ظاہری صفائی کے ساتھ وہ باطنی گندگی یعنی شرک، کینہ، حسد، بغض وغیرہ سے بھی اپنے آپ کو بچاتا ہے۔ ☆...... مؤمن جب پانچ دفعہ مسجد میں جا کر اللہ کے حضور سجدہ ریز ہوتا ہے تو اس عمل سے مسلمان کا اللہ سے تعلق مضبوط تر ہو جاتا ہے۔ ☆...... نماز جیسے اہم اور بنیادی فرض کی ادائیگی سے دوسرے تمام فرائض کو ادا کرنے کا جذبہ خود بخود پیدا ہو جاتا ہے۔ ☆...... باجماعت نماز ادا کرنے سے روح کی تطہیر ہو جاتی ہے، کامل توجہ اللہ کی طرف ہونے سے دل شیطانی وسوسوں اور خیالات سے پاک ہو جاتا ہے۔

مساجد کا یہ کردار دنیا کی تمام عبادت گاہوں سے اعلیٰ اور پاکیزہ ہے۔ مسجد مسلم معاشرے کا مرکز و مرجع ہے، اس لیے بہت سے معاشرتی اُمور اس سے وابستہ ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں: ☆...... مسلمان جب نماز کے لیے مسجد میں جاتا ہے تو اسے تمام مسلمان اسلام کے رشتۂ اخوت سے جڑے دکھائی دیتے ہیں، کیونکہ

مسجد میں ذات پات، رنگ و نسل، علاقے اور ملک، امیر اور غریب میں کوئی امتیاز نہیں ہوتا۔☆...... جب مسلمان مسجد میں اکٹھے ہوتے ہیں تو آپس میں تمام حقوق و فرائض اَدا ہو جاتے ہیں جیسے ایک دوسرے کو سلام و جواب کرنا، بیمار کی عیادت کرنا، باہم ایک دوسرے کا احترام اور حاجت مندوں کی مدد کرنا شامل ہے اس کے علاوہ دیگر حقوق العباد کا احساس بھی پیدا ہو جاتا ہے۔☆......معاشرے میں مسجد کے ذریعے سے معاشرتی مسائل کا ادراک حاصل ہوتا ہے۔☆...... مسجد میں ہر طرح کے لوگ بوڑھے جوان بچے آتے ہیں اور ایک دوسرے سے میل ملاقات ہوتی ہے تو ایک دوسرے کی اخلاقی حالت سامنے آتی رہتی ہے۔ مسجد میں پابندی کے ساتھ اخلاص نیت سے اور پانچ وقت حاضری دینے سے مؤمن کے اخلاق اور کردار کی تعمیر ہوتی ہے۔ تعمیر کردار میں مندرجہ ذیل باتیں نمایاں ہیں:......

☆......نماز کو باقاعدگی سے وقت پر ادا کرنے سے انسان وقت کا پابند بن جاتا ہے اور وہ اپنے وعدہ کو پورا کرنے اور نبھانے کا شعور پاتا ہے۔ اگر انسان معاشرے میں ان باتوں کا عادی ہو جائے تو اس کے اثرات بہت اچھے ہوتے ہیں۔☆......نماز انسان کو بے حیائی اور بُرے کاموں سے روکتی ہے☆...... مسجد میں انسان، جھوٹ، غیبت، دھوکا دہی، چغلی، رشوت، چوری اور بے حیائی وغیرہ سے جزوی طور پر رک جاتا ہے اور آخر کار مکمّل طور پر ان معاشرتی برائیوں اور لعنتوں سے اپنے آپ کو بچانے کا عادی ہو جاتا ہے۔☆...... آدابِ مسجد کو ملحوظ رکھ کر مسجد میں جانے والا اس تباہ کن عادت سے بچا رہتا ہے، کیونکہ نشہ اور حواس باختگی کے عالم میں اسلام نے نماز کی ادائیگی سے منع کیا ہے اس لیے نمازی منشیات اور نشہ آور اشیا سے بچتا ہے۔☆......اسلامی ثقافت مسلمان کی زندگی کی عکاس ہوتی ہے اس سے مراد وہ اعمال و افعال ہیں جو اسلام کی آمد کے بعد وجود میں آئے اور ان کا تعلق مسجد سے ہے:......

☆......مسجد میں نمازِ جمعہ، رمضان المبارک اور عیدین کے موقع پر، زکوٰۃ و صدقات اور خیرات دینے کا جذبہ مزید بڑھ جاتا ہے جس سے بہت سے لوگ مستفید ہوتے ہیں۔☆...... مسلمان جب بھی مسجد کا رخ کرتا ہے تو وہ اپنے لباس، وضع قطع اور دیگر اُمور کا اہتمام ضرور کرتا ہے، اس طرح مسلمانوں کی ایک

ثقافت باقی رہتی ہے جو صرف مسجد کی بدولت ہے۔☆...... مسلمان جب مسجد میں جمع ہوتے ہیں تو ایک دوسرے سے مصافحہ اور معانقہ ضرور کرتے ہیں، خاص طور پر عیدین اور جمعہ کے موقع پر تو ناراض لوگ بھی آپس میں شیر وشکر ہو جاتے اور ایک دوسرے کو عیدین کی مبارک باد دیتے ہیں جو معاشرے میں نفرتوں کے خاتمہ کا ذریعہ ہے۔☆...... مسجد ایک ایسا ادارہ ہے جو تعلیم وتربیت میں بنیادی اور اہم کردار کا حامل ہے۔ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ پہلی تین صدیوں میں مسجد ہی وہ درسگاہ تھی کہ تمام علوم وفنون اس میں پڑھائے جاتے تھے اور سب سے پہلی درس گاہ اصحابِ صفہ کے نام سے مسجد نبوی ﷺ میں قائم ہوئی تھی۔ مسجد میں درسِ قرآن وحدیث کے ساتھ فقہ کے مسائل بیان کرنے کا اہتمام بھی ہوتا ہے۔ علم وعرفان کا بہت سا حصّہ مسلمان مسجد سے ہی سیکھتے ہیں اور ایک زمانے میں پاکستان میں مسجدوں میں سکول کا قیام بھی ہوا تھا جو بعض علاقوں میں آج تک چل رہا ہے۔

☆...... مسجد دعوت وتبلیغ کا مرکز اور اسلامی معاشرے کا محور رہی ہے۔ مسجد ہی مسلمانوں کی ظاہری، باطنی اور مادی آبیاری اصلاح کرتی رہی۔ نبی اکرم ﷺ کے زمانے سے لے کر خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اور بعد کے دور میں بھی ایسا ہی کردار ادا کرتی رہی۔ دشمنوں نے اس کی اہمیت، مرکزیت اور ہمہ گیریت کو سمجھ کر اس کے خلاف گہری اور پوشیدہ سازشیں شروع کر دی تا کہ اس کے کردار کو ختم یا کم از کم کمزور ضرور کر دیا جائے۔☆...... اس سے مراد وہ عوامل ہیں جو مسلمانوں کے اندر پائے جاتے ہیں جنہوں نے مسجد کے مقام، مقصد اور اہم پیغام کا گلا دبا دیا ہے۔ چند درج ذیل ہیں:......

☆...... فرقہ واریت سے اُمّت مسلمہ کا شیرازہ بکھر چکا ہے اور اتحاد پارہ پارہ ہے۔ مذہبی گروہ بندی اور مسلک پرستی نے تباہی مچا دی ہے، جب سے مسلمان تقسیم ہوئے ہیں تو ہر ایک فرقہ کی الگ مسجد ہے جہاں مخصوص سوچ وفکر اور مسلک کا پرچار کیا جاتا ہے۔ دوسروں کے خلاف منبر ومحراب سے زہر اُگلا جاتا ہے اور اس تعصّب کے نتیجہ میں مسلم معاشرہ بے چینی اور بربادی کا شکار ہو چکا ہے۔☆...... مسجدوں میں مقرر کیئے جانے والے امام وخطیب زیادہ تر کم تعلیم یافتہ اور خاص مسلک کے پیروکار ہوتے ہیں جو مثبت رول کی بجائے منفی

رول ادا کرتے ہیں، وہ اصلاح کے بجائے بگاڑ اور انتشار پیدا کرتے ہیں، اس لیے معاشرہ دین سے بیزار ہوتا جارہا ہے۔خطبا کی تقریریں غیر معیاری اور نامناسب ہوتی ہیں، اکثر من گھڑت موضوع واقعات وروایات بیان کرتے ہیں۔اختلافی مسائل کو ہوا دے کر نفرت کا بیج بوتے ہیں۔اس صورتحال میں خصوصی اصلاح اور توجہ کی ضرورت ہے۔☆......مسجد مقبرہ جات کو یکجا کرکے اس کے روشن کردار کو بے نور کر دیا گیا ہے جس سے دعوتی و اصلاحی عمل رک گیا خدا پرستی کی جگہ قبر پرستی و دیگر خرافات نے لے لی ہے۔☆......مسلمانوں میں دولت اور دنیاداری کی ہوس عام ہو چکی ہے۔معاشرہ کا ہر فرد دولت جمع کرنے میں عظمت اور اپنی توقیر خیال کر رہا ہے اور وہ ارب پتی بن کر بھی اپنے آپ کو کنگال تصور کرتا ہے اور ہر جائز و ناجائز ذرائع سے دولت اکٹھی کرنے کی فکر میں ہے۔روحانیت اور آخرت کا خیال اس کے دل سے نکل چکا ہے۔

مسجد کے مرکزی کردار کے خلاف بیرونی اسباب بہت زیادہ ہیں جن کا احاطہ ناممکن ہے مگر جزوی طور پر ان کے ذکر سے مخالفین کی سوچ اور فکر کا اندازہ ضرور کیا جاسکتا ہے۔مسجد کے خلاف سازشیں اور پروگرام بنانے والوں کے چند مقاصد یہ ہیں......کفر وشرک اور گمراہی پھیلانے کے لیے ایک اڈا بنانا۔☆...... مسلمانوں کے درمیان فرقہ واریت کو ہوا دینا اور انتشار پھیلانا۔☆......شر پسند اور سازشی ٹولے کو مذہبی لبادے میں پناہ دینا۔☆......تاریخ بتاتی ہے کہ مسلمانوں کے خلاف اہم کردار عیسائیوں اور نصرانیوں کا ہے:......مساجد کو بند کرنا، انہیں گرجا گھروں میں تبدیل کرنا۔الجزائر میں بھی بہت سی مساجد کو عیسائیوں نے اپنی عبادت گاہوں میں تبدیل کر دیا اور ہزاروں مسلمانوں کو تہ تیغ کیا۔ان کا یہ کردار اس وقت ظاہر ہوا جب انہوں نے 1632ء میں الجزائر پر قبضہ کیا۔☆......: یہودیوں کی اسلام دشمنی کسی سے چھپی ہوئی نہیں ہے یہودیوں نے تحویل قبلہ کے موقع پر پروپیگنڈہ کیا اور مسلمانوں کے دلوں میں شکوک پیدا کرنے کی کوشش کی۔یہودیوں نے ہمیشہ مسجدوں کی بے حرمتی کی اور مسلسل مساجد کے خلاف ان کی ناپاک سازشیں جاری رہی کیونکہ یہ مسلم معاشرے کا محور تھی۔آج کے دور میں مسجدِ اقصیٰ کے ساتھ یہودی جو کچھ کر رہے ہیں، اس سے ان کی مساجد دشمنی بالکل ظاہر ہو جاتی ہے۔☆...... انتہا پسند اور متعصّب ہندو اور سکھ کسی سے پیچھے نہیں رہے۔انہوں نے بھی شعائر اسلامیہ

کے خلاف سنگین معاندانہ رویہ اپنائے رکھا ہے۔قیامِ پاکستان کے وقت ہزاروں مساجد کو گرایا، جلایا گیا یا جانوروں کے باڑے میں تبدیل کر دیا گیا اور بابری مسجد کی شہادت ہندوؤں کے خبثِ باطن کو واضح کر دیتی ہے۔ سکھوں نے بھی مساجد کی بے حرمتی کی اور ہمیشہ مسجد دشمنی میں پیش پیش رہے۔قادیانی مذہب کے پیروکاروں نے یہود و نصاریٰ کا آلہ کار بن کر مسلمانوں کے عقائد اور ایمان کو متزلزل کیا۔انتشار پیدا کیا اور مساجد کا استعمال کر کے سادہ مسلمانوں کو گمراہ کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی اور مسجد کے کردار کو مثبت کی بجائے منفی رنگ دے دیا ہے۔یہ چند اندرونی و بیرونی اسباب ہیں جو مساجد کے کردار کو بے جان بنا رہے ہیں۔دورِ حاضر میں ہماری اجتماعی زندگی کا شیرازہ بکھر چکا ہے جو اُمت مسلمہ کے لئے نقصان دہ ثابت ہو رہا ہے۔یہ اُمت واحدہ اب مختلف فرقوں، گروہوں، گروپوں میں تقسیم ہو چکی ہے۔یقیناً اس دور کا آغاز مسجد کے ساتھ مضبوط تعلق سے ہوا تھا۔آج اگر ہم اپنے بگڑے اور تباہ حال معاشرے کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں پھر سے معاشرے میں مسجد کی اجتماعیت، مرکزیت کا وہ مقام واپس لانا ہو گا۔

خلاصہ کلام اسلامی معاشرے میں مساجد کا کردار نمایاں اور عیاں ہے۔آج کل کے معاشرے میں افراتفری ہے انسانیت کا خون ارزاں ہے، شدت پسندی، دہشت گردی اور عدم برداشت کی فضا قائم ہے۔غربت و افلاس مسلمانوں کا مقدر بن گیا ہے جبکہ ہمارے معاشرے میں شہروں اور قصبوں میں لاکھوں مساجد ہیں مگر اُن سے اصلاحِ معاشرہ کا کام نہیں لیا جا رہا۔منبر و محراب سے اُٹھنے والی صدا کچھ اور ہے۔آج کے اس پُرفتن دور میں ہمیں اصلاحِ معاشرہ کے لیے مسجد کے کردار کو پھر سے فعال بنانا ہو گا اور اِنہی خطوط پر عمل پیرا ہونا ہو گا جنہیں اپنا کر عرب کے بدو دُنیا کے امام اور رہبر بن گئے۔

نئی نسل کے ایمان وعقیدہ کی حفاظت

اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اس کے نبی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے جو تعلیمات ہم تک پہنچائی گئی، ہم ان تعلیمات پر جتنا عمل کرتے رہیں گے اور ان تعلیمات کی جتنی حفاظت کریں گے، اسی لحاظ سے ہمارے ایمان کی حفاظت ہوگی۔ یہ امت انسانی لحاظ سے تو دنیا کی دوسری امتوں ہی کی طرح ہے، لیکن اس امت کا جو تشخص اور امتیاز ہے وہ آسمانی تعلیمات کی وجہ سے ہے اور وہ تعلیمات بڑی حد تک عملی ہیں، وہ جب عمل میں آتی ہیں تب اپنا اصل کام اور اثر دکھاتی ہیں، اگر وہ کتابوں میں ہی رہیں تو ان کا زندگی پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور وہ تعلیمات اسی وقت محفوظ رہتی ہیں، جب ان کو محفوظ رکھنے کی صحیح کوشش کی جاتی ہے۔

ہم اپنے سامنے عام مسلمانوں میں اسلام اور اسلام کی تعلیمات کا جو اثر دیکھ رہے ہیں، یہ نتیجہ ہمارے بڑوں کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ ہمارے باپ اور دادا اور بزرگوں نے ہماری جو فکر کی، ہم کو دین دار رکھنے کی جو کوشش کی اور اس بات کی کوشش کی کہ ہم مسلمان کی حیثیت سے زندگی گزاریں، اس کا یہ نتیجہ ہے کہ آج ہم مسلمان کی حیثیت سے اس وقت سامنے نظر آرہے ہیں، لیکن آئندہ آنے والی نسل اسی وقت مسلمان رہ سکتی ہے، جب ہم اس کو مسلمان رکھنے کی کوشش اور فکر کریں گے۔ نئی نسل کو ہم کس طرح مسلمان رکھ سکتے ہیں؟ اسکولوں اور کالجوں میں تعلیم حاصل کر کے تو وہ مسلمان نہیں رہ سکتی، ہمیں اس کی بنیاد ڈالنا پڑے گی، اس کی بنیاد میں اسلامی تعلیمات کو، اسلامی عقیدے کو داخل کرنا پڑے گا اور اسلامی طریقہ زندگی سے اس کو واقف کرانا ہوگا۔

ایک بچہ کس طرح اپنے بچپن کی سنی ہوئی اور سیکھی ہوئی باتیں اخذ کرتا ہے، اگر گھر کے اندر ہم بچے کو قرآن مجید نہیں پڑھاتے اور عقائد کی بات اس کو نہیں بتاتے حضور نبی کریم اور صحابہ علیہم الرضوان کی محبت اور پیروی کرنا نہیں سکھاتے تو وہ کیسے مسلمان رہ سکتا ہے؟ اس لیے کہ اس کو اسکول و کالج میں جا کر وہ تعلیم نہیں ملے گی جس سے وہ مسلمان رہے۔ ترکی میں انقلاب کے بعد اسلام کو اور اسلامی تعلیم کو بالکل ختم کر دیا گیا تھا، اس کے نتیجے میں وہاں کے لوگ اسلام سے بالکل ناواقف ہو گئے تھے، ابھی دس، پندرہ سال پہلے وہاں کے دین پسند افراد نے حکومت سے اس بات کی اجازت لے لی کہ ابتدائی تعلیم کے سلسلہ میں قرآن مجید کے مکاتب قائم کر سکیں، ان مکاتب میں لاکھوں طلبہ نے تعلیم حاصل کی، اس کے بعد وہ دنیاوی تعلیم میں چلے گئے، دنیاوی تعلیم میں کوئی انجینئر بنا، کوئی ڈاکٹر بنا، کوئی سول سروس میں چلا گیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پندرہ بیس سال کے اندر دفاتر میں اور زندگی کے ہر شعبہ میں وہ لوگ پہنچ گئے جو دیکھنے میں تو نہیں معلوم ہوتا تھا کہ بڑے دین دار اور مسلمان لوگ ہیں، لیکن ان کے دل مسلمان تھے، ان کا عقیدہ مسلمان تھا اور وہ اسلام کے لیے مرمٹنے کو تیار تھے، تو ہم بچوں کو بچپن میں جو تعلیم دیں گے اور جوان کے دماغ میں بٹھا دیں گے، وہ چیز زندگی بھر ان کے ساتھ رہے گی، ان کا راستہ متعین ہو جائے گا اور ان کا عقیدہ صحیح ہو جائے گا۔ جو شخص اللہ تعالیٰ اس کو مقدم رکھتا ہے اور جو سرکش شیطان کا انکار کرے گا اور اس کو ٹھکرا دے گا، ریجیکٹ کر دے گا اور اللہ پر ایمان لائے گا۔ "لا الٰہ الا اللہ" میں نفی پہلے ہے، اثبات بعد میں ہے نہیں ہے کوئی معبود نہیں ہے جو پورے طور پر محبوب بنایا جائے، مقصود بنایا جائے، مطلوب بنایا جائے، معبود بنایا جائے "الا اللہ" (سوائے اللہ کے) پہلے نفی ہے، پھر اثبات ہے، ایسے ہی نفی و اثبات پر ہم کو بھی قائم رہنا چاہیے۔

اپنے بچوں کے دین و ایمان کی معرفت اور پھر اس کی حفاظت اور پھر اس پر غیرت اور پھر اس پر زندگی گزارنے اور اس پر دنیا سے رخصت ہونے کے کام کو سب سے زیادہ اہمیت دیں، یہی ہر مسلمان کی شان ہونی چاہیے، اپنے متعلق بھی ہمیشہ ڈرتا رہے، اپنے ایمان کی خیر مناتا رہے، اسی لیے دعا کرتا رہے کہ ہمارا ایمان سلامت رہے، ہمارا خاتمہ ایمان پر ہو اور اپنی اولاد کے متعلق بھی اطمینان حاصل کر لے کہ یہ

ہماری زندگی میں بھی اور ہمارے بعد بھی اللہ کو چھوڑ کر غیر اللہ کے آستانہ پر سر نہیں جھکائے گی، یہ اطمینان، یہ گارنٹی آدمی کو حاصل کر لینی چاہیے، ایمان کے ساتھ کفر اور کفر کی چیزوں سے نفرت بھی ضروری ہے۔ ہمیں نئی نسل کی حفاظت کے لیے یہ سب انتظامات کرنے پڑیں گے، ہم جیسے ہیں، ہو چکے اور ہمارا دور بھی اب ختم ہو جائے گا، کچھ دنوں بعد جو دور آئے گا، وہ نئی نسل کا آئے گا، اس کے دین وعقیدہ کی حفاظت کی پوری ذمہ داری ہم پر عائد ہوتی ہے اور سچی بات یہ ہے کہ اگر وہ گم راہ ہوتی ہے اور دین سے اس کا تعلق قائم نہیں ہوتا ہے تو وہ قیامت کے روز ہماری گرفت کر سکتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے کہہ سکتی ہے کہ انہوں نے ہمیں دین نہیں سکھایا، ہم کہاں سے دین حاصل کرتے؟ اس لیے ضرورت ہے کہ ہم جو کچھ کر سکتے ہوں، ہمارے بس میں جو کچھ ہو اس میں ہم کو بالکل کوتاہی نہیں کرنی چاہیے۔ کوشش کے بعد بہر حال آدمی کو کام یابی حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہی نظام ہے کہ کوشش کرنے والے کی کوشش کام یابی سے ہم کنار ہوتی ہے، ہم جب کوشش کریں گے تو ان شاء اللہ تعالیٰ ہم کو پوری کام یابی حاصل ہو گی۔

شر و رو فتن سے حفاظت کے لیے دعائے انس رضی اللہ عنہ

یہ فتنوں اور حادثات کا دور ہے ۔ ہر آن دھڑ کا لگا رہتا ہے کہ کب کیا ہو جائے ۔ مومن کا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کائنات میں ایک پتّہ بھی نہیں ہل سکتا، اس لیے جب وہ پریشان ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرتا ہے ۔ قرآن و احادیث میں تعوذات اور تحفظات سے متعلق متعدد دعائیں سکھلائی گئی ہیں ۔ من جملہ ان کے ایک مشہور دعا وہ ہے جو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے، اسے "دعائے انس" کہتے ہیں ۔ اسے صبح و شام پڑھنے سے شر و ر و فـتن سے حفظ و امان نصیب ہوتی ہے ۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل)

حضرت ابان علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ ایک بار حجاج بن یوسف کے پاس تشریف لے گئے ۔ حجاج نے آپ کو اپنا مال دکھایا، جس میں چار سو گھوڑے تھے ۔ سو گھوڑے دو سال کے بعد تیسرے سال میں داخل تھے ۔ سو گھوڑے دوسرے سال میں داخل تھے ۔ سو گھوڑے پانچویں سال میں داخل تھے اور سو گھوڑے قارح دانت والے تھے ۔ حجاج نے کہا: اے انس! کیا تم نے اپنے ساتھی کے پاس کبھی اتنا مال دیکھا تھا؟ اس خبیث کی مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تھی ۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بالکل، اللہ کی قسم! اس سے بھی اچھا مال دیکھا تھا ۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا تھا: گھوڑے تین قسم کے ہوتے ہیں؛ ایک وہ گھوڑا جو مالک نے اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے باندھا ہو ۔ اس کے بال، اس کا پیشاب، اس کا گوشت اور اس کا خون قیامت کے دن، اس کی میزان کے پلڑے میں رکھا جائے گا ۔ دوسرا وہ گھوڑا جس کو کسی نے افزائش نسل کے لیے رکھا ہو ۔ تیسرا وہ

گھوڑا جس کو کسی نے افزائش ریا و شہرت اور دکھاوے کے لیے باندھا ہو۔ ایسا شخص جہنم میں جائے گا۔ اے حجاج! تیرے تمام گھوڑے اسی تیسری قسم کے ہیں! حجاج غضب ناک ہو گیا اور بولا : اللہ کی قسم! اگر تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت نہ کی ہوتی اور امیر المؤمنین نے مجھے تیری رعایت کا خط نہ لکھا ہوتا تو تو دیکھتا میں تیرے ساتھ کیا کچھ کرتا! حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: ہرگز نہیں (اللہ کی قسم!) میں تجھ سے ایسے کلمات کی بہ دولت پناہ میں آ گیا ہوں کہ اب مجھے کسی بادشاہ کے ظلم کا اور کسی شیطان کی سرکشی کا ذرہ برابر بھی خوف نہیں۔ یہ سن کر حجاج کا غصہ چھٹ گیا اور وہ بولا : اے ابوحمزہ! وہ کلمات مجھے بھی سکھا دیجیے! حضرت انس نے فرمایا: اللہ کی قسم! نہیں، میں تجھے ان کلمات کا اہل نہیں پاتا۔

راوی حضرت ابان رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب آپ رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اے ابوحمزہ! میں آپ سے کوئی سوال کرنا چاہتا ہوں؟ آپ نے فرمایا: کہو! میں نے عرض کیا: وہ کلمات جو آپ سے حجاج نے پوچھے تھے، وہ بتا دیجیے۔ انھوں نے فرمایا : ہاں، اللہ کی قسم! میں تمھیں ان کا اہل سمجھتا ہوں۔ سنو! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سال خدمت کی، پھر آپ مجھ سے جدا ہونے لگے، اس حال میں کہ آپ مجھ سے راضی تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے میری دس سال خدمت کی ہے اور میں تم کو چھوڑ کر جا رہا ہوں اور میں تم سے راضی ہوں۔ لہٰذا تم (کو یہ عطیہ ہے کہ) جب بھی صبح و شام کا وقت ہوا کرے یہ پڑھا کرو:

"بِسْمِ اللهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ، لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ، بِسْمِ اللهِ عَلٰى دِيْنِيْ وَنَفْسِيْ، بِسْمِ اللهِ عَلٰى أَهْلِيْ وَمَالِيْ، بِسْمِ اللهِ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ أَعْطَانِيْهِ رَبِّيْ، بِسْمِ اللهِ خَيْرِ الْأَسْمَاءِ، بِسْمِ اللهِ رَبِّ الْأَرْضِ وَالسَّمَاءِ، بِسْمِ اللهِ الَّذِيْ لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهٖ دَاءٌ، بِسْمِ اللهِ افْتَتَحْتُ وَعَلَى اللهِ تَوَكَّلْتُ، لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ، لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ، لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ، وَاللهُ أَكْبَرُ، اَللهُ أَكْبَرُ، اَللهُ أَكْبَرُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ، تَبَارَكَ اللهُ رَبُّ السَّمٰوَاتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ، وَرَبِّ

الاَرَضِیْنَ، وَمَا بَیْنَہُمَا ، وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، عَزَّ جَارُکَ، وَجَلَّ ثَنَاؤُکَ، وَلَا اِلٰہَ غَیْرُکَ، اِجْعَلْنِیْ فِیْ جِوَارِکَ مِنْ شَرِّ کُلِّ ذِیْ شَرٍّ، وَمِنْ شَرِّ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ، اِنَّ وَلِیِّیَ اللّٰہُ الَّذِیْ نَزَّلَ الْکِتَابَ وَھُوَ یَتَوَلَّی الصَّالِحِیْنَ، فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِیَ اللّٰہُ، لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ، وَھُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ۔

ترجمہ......شروع اللہ کے نام سے اور سب تعریف اللہ کے لیے ہے۔محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، نہیں ہے قوت مگر اللہ کی امداد سے۔اللہ کے نام کی برکت میرے دین اور جان پر۔اللہ کے نام کی برکت میرے گھروالوں پر اور میرے مال پر۔اللہ کے نام کی برکت ہر اس چیز پر جو میرے رب نے مجھے عطا کی ہے۔اللہ کے نام سے جو سب ناموں سے بہتر ہے۔اللہ کے نام سے جو زمین وآسمان کا رب ہے۔اللہ کے نام سے جس کے نام کے ساتھ کوئی بیماری نقصان نہیں پہنچا سکتی۔اللہ کے نام کے ساتھ میں نے شروع کیا اور اللہ پر میں نے بھروسہ کیا۔نہیں ہے قوت مگر اللہ کی امداد سے۔نہیں ہے قوت مگر اللہ کی امداد سے۔اللہ سب سے بڑا ہے۔اللہ سب سے بڑا ہے۔اللہ سب سے بڑا ہے۔اللہ سب سے بڑا ہے۔اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔وہ حلیم وکریم ہے۔اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔وہ عالی شان وبزرگ ہے۔برکت والا ہے۔اللہ جو ساتوں آسمانوں کا رب ہے اور عرشِ عظیم کا مالک ہے اور تمام زمین اور زمین وآسمان کے درمیان کی چیزوں کا رب ہے۔تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، جو ساری کائنات کا پالنے والا ہے۔تیری پناہ لینے والا غالب ہوا اور تیری تعریف بڑی ہے۔تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔مجھے اپنی پناہ میں لے لے، ہر شریر کے شر سے اور شیطان مردود کے شر سے۔میرا محافظ اللہ ہے، جس نے کتاب نازل کی اور وہ نیک لوگوں کی حفاظت کرتا ہے۔پھر بھی اگر وہ لوگ منہ موڑیں تو کہہ دیجیے کہ میرے لیے اللہ کافی ہے۔اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور وہ عرشِ عظیم کا مالک ہے۔(کنزالعمال)

خواتین کے لیے احکام وآداب

خاتم النبیین حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جب عورت پنج وقتہ نماز ادا کرے، رمضان کے روزے رکھے، اپنی حیا اور عفّت کی حفاظت کرے اور (جائز کاموں میں) اپنے شوہر کی اطاعت کرے؛ تو وہ جنت میں جس دروازے سے چاہے داخل ہوجائے (صحیح ابن حبان، رقم الحدیث: ۴۱۶۳)

اللہ تعالیٰ نے عورت کو پردہ کرنے کا حکم دیا ہے جوکہ عورت کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا انعام ہے، اسی پردے میں عورت کی عزت ہے، یہی عورت کی حیا کی حفاظت کا ذریعہ ہے۔ جو عورت پردہ کرتی ہے، اللہ تعالیٰ اس کو دنیا اور آخرت کی بے شمار نعمتیں عطا کرتا ہے، جن میں سے سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ: اللہ تعالیٰ ایسی عورت سے راضی ہوجاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک مسلمان عورت کے لیے اس سے بڑھ کر نعمت اور خوشی اور کیا ہوسکتی ہے کہ اللہ اس سے راضی ہوجائے۔

''حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: عورت سراپا پردہ ہے، جب وہ نکلتی ہے تو شیطان اس کو جھانکتا ہے۔'' (سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۱۱۷۳)

یعنی شیطان کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کو اس بات پر اُبھارے کہ وہ اس عورت کو دیکھ کر بدنظری اور دیگر گناہوں میں مبتلا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کو عورت کا پردے میں رہنا اتنا پسند ہے کہ عورت جتنا پردے میں رہتی ہے اور جتنا زیادہ اپنے آپ کو نامحرم مردوں سے چھپاتی ہے تو اتنا ہی اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہوتا ہے، حتیٰ کہ حدیث شریف میں

آتا ہے کہ خاتم المرسلین حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: عورت تو پردے کی چیز ہے، جب وہ گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کی طرف جھانکتا ہے۔ اور عورت اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتی ہے، جب وہ اپنے گھر کے کسی کونے اور پوشیدہ جگہ میں ہو۔ (صحیح ابن حبان، رقم الحدیث: ۵۵۹۹)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: دو جہنمی گروہ ایسے ہیں جن کو میں نے اب تک نہیں دیکھا: ایک تو وہ لوگ جن کے پاس گائے کی دم کی طرح کوڑے ہوں گے جن کے ذریعے وہ لوگوں کو ماریں گے۔ دوسری وہ عورتیں جو لباس پہننے کے باوجود ننگی ہوں گی، (نامحرم مردوں کو) اپنی طرف مائل کرنے والی ہوں گی اور خود بھی (اُن کی طرف) مائل ہوں گی، ان کے سر بختی اونٹوں کے جھکے ہوئے کوہانوں کی طرح ہوں گے، ایسی عورتیں جنت میں داخل نہ ہوں گی اور نہ ہی جنت کی خوشبو سونگھیں گی، حالاں کہ جنت کی خوشبو تو اتنی اتنی دور سے سونگھی جاتی ہے۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۵۷۰۴) لباس پہننے کے باوجود ننگی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یا تو لباس اس قدر چھوٹا ہوگا کہ اس میں ستر نہ چھپ سکے گا، یا اس قدر چست ہوگا کہ جس سے جسم کی ہیئت ظاہر ہوگی، یا اس قدر باریک ہوگا کہ جس سے جسم نمایاں ہوتا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں عورتوں کو بھی نگاہوں کی حفاظت کا حکم فرمایا ہے: ”اور مؤمن عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔“ (سورۃ النور: ۳۱) نظروں کی حفاظت راستے کے حقوق میں سے ہے۔

راستہ کا ایک حق یہ بھی ہے کہ غیر محرم سے نظروں کی حفاظت کی جائے۔ یہ حکم جس طرح مردوں کے لیے ہے، اسی طرح خواتین کے لیے بھی ہے کہ وہ راہ چلتے ہوئے غیر مردوں سے اپنی نگاہوں کی حفاظت کریں۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۵۶۸۵)

ان تمام احادیثِ مبارکہ اور تفصیلات سے یہ بات اچھی طرح معلوم ہو جاتی ہے کہ اللہ کے نزدیک عورت کے لیے پردہ کرنا کس قدر پسندیدہ اور اہم ہے۔ اس لیے تقاضا یہ ہے کہ جب عورت کسی ضرورت کے لیے گھر سے نکلے تو اس کو چاہیے کہ ایک تو مکمل پردے کے ساتھ باہر نکلے۔ دوسرا یہ کہ باہر نکلتے وقت ایسا برقع

نہ پہنے، جس سے اس کا پردہ نہ ہوتا ہو، حیا کی حفاظت نہ ہوتی ہو، اور جو مردوں کو اپنی جانب متوجہ کرے، کیوں کہ جس طرح بے پردہ ہو کر نکلنا اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے، اسی طرح فیشنی اور چست برقع پہن کر باہر نکلنا بھی اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔ ان تمام آداب و احکام پر عمل کرنے کے نتیجے میں خواتین اپنی حیا اور عزت کی حفاظت بھی کر سکتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا بھی حاصل کر سکتی ہیں۔

ارضِ مقدس کو دنیا کے نقشے سے مٹانے کی مذموم کوششیں اور امت مسلمہ کی خاموشی!

تازہ خبر ہے کہ سرچ انجن گوگل نے فلسطین کو دنیا کے نقشے سے مٹا دیا ہے، گوگل اور ایپل کی اوچھی حرکت پر مسلم ممالک میں شدید غصے کی لہر فلسطینی عوام پر اسرائیل کی جانب سے انتہا درجے کے مظالم ڈھانے جانے کے بعد اب ایک اور انتہائی اقدام سامنے آگیا ہے جس کے تحت گوگل میپ اور ایپل نے اپنے نقشوں سے فلسطین کا وجود ہی مٹا دیا ہے، دونوں کمپنیز نے اس سارے خطے کو اسرائیل قرار دے دیا ہے۔ دنیا میں اب فلسطین نام کا کوئی ملک اپنا وجود نہیں رکھتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ قومیں کیا نقشوں پر بنتی اور مٹتی ہیں؟ فلسطین انبیاء کی سرزمین فلسطین ایک نہ مٹنے والی تاریخ دنیا کے ٹھیکے داروں کو انکے نقشے مبارک۔ روح مسلم کسی نقشے کی پابند نہیں۔ لیکن ہاں ہاں یہ ہمارے لیے ڈوب مرنے کا مقام ضرور ہے کہ ہم اتنے کمزور، بزدل اور بے حس بلکہ اتنے بے غیرت ہو گئے ہیں کہ ہم اپنا قبلہ اول کا دفاع نہیں کر سکے۔ وہ ملک جہاں ہمارے نبی ﷺ کے یاران صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی قبریں ہیں۔ جہاں ہماری نبی کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شب معراج پر گئے۔ اور وہ فلسطین جو اسلام کا دروازہ ہے اور ہم اپنے دروازے کے ہی حفاظت نہیں کر سکتے۔

ارض فلسطین مقدس ومحترم ہے اور اسے ہر اعتبار سے برتریت حاصل ہے۔ انبیائے کرام علیہم السلام کی کثیر تعداد یہاں مبعوث ہوئی اور مسجد اقصیٰ مسلمانانِ عالم کی 3 عبادتگاہوں میں سے ایک ہے جس کی

جانب سفر جائز ہے۔مسجد اقصیٰ دنیا کی دوسری مسجد ہے جو کعبہ کے بعد تعمیر ہوئی۔ارض مقدس فلسطین پر ہمیشہ سے یہودیوں نے غاصبانہ تسلط جمار کھا ہے۔یہی وہ زمین ہے جس کے باعث ابتداء سے لیکر آج تک بے شمار معصوموں کو موت کی گہری نیند سلا دیا گیا۔زندہ بچوں کو درگور کیا گیا، بم و بارود اور جدید قسم کے آلاتِ حرب سے شہر مقدس کو تباہ و برباد کیا گیا۔اس پاک زمین پر جہاں انبیائے کرام کی بعثت ہوئی، نبی نے یہاں سے معراج کیلئے رخت سفر باندھا، اسکو حضرت عمر فاروق کے دور خلافت میں عیسائیوں نے آپ کے حوالے کر دیا لیکن حالات بدستور قائم نہ رہے جس کی بنیاد پر دوبارہ یہودیوں کے استعماری چنگل میں چلا گیا۔ یہودیوں نے اس پر 1097ء میں اپنا قبضہ جمایا پھر اسلام کے مرد مجاہد سلطان صلاح الدین ایوبی نے 1352ء میں یہودیوں کے چنگل سے آزاد کرایا۔بیت المقدس بے شمار فضیلتوں کا حامل ہے۔اس ارض مقدس کے محترم ہونے کیلئے بس قرآن کریم کی یہ آیت ہی کافی ہے جس میں نبی اکرم و مکرم کو راتوں رات معراج کرانے کی خوشخبری ہے۔قرآن مقدس کی یہ مذکورہ آیت کریمہ مسجد اقصیٰ کی اہمیت کو اجاگر کر رہی ہے جس میں بتایا گیا کہ یہی وہ رات ہے جس میں آپ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کی جانب جبریل امین ؑ کے ساتھ براق نامی خچر پر سوار ہو کر پہنچے اور وہیں تمام نبیوں کی امامت فرما کر اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرنے کیلئے رخت سفر باندھا۔اسی معراج میں نماز فرض ہوئی، یہی وہ مسجد ہے جس کی جانب رخ کر کے نماز پڑھی جاتی تھی، یہی وہ ارض مقدس ہے جس کی جانب موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم والوں کو مصر سے ہجرت کر کے جانے کو کہا تھا، حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عراق سے اسی سرزمین مقدس و محترم کی جانب ہجرت کی تھی جس میں دنیا والوں کے لئے برکت ہے۔یہ ارض اتنی متبرک ہے کہ اسکے گود میں نبیوں کی ایک لمبی فہرست آرام فرما ہے۔احادیث سے یہ ثابت ہے کہ حضرت ابراہیم، حضرت ہود، حضرت موسیٰ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی قبریں یہیں موجود ہیں۔

فلسطین کی کل آبادی ساڑھے چھبیس لاکھ بتائی جاتی ہے جس کا پچھتر فی صد سنی مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ باقی پچیس فی صد کرسچن اور یہودی اور دیگر آبادی شامل ہے۔اس طرح فلسطین پر حکومت کا حق قانونی،

اخلاقی ،تاریخی اور مذہبی اعتبار سے مسلمانوں ہی کا بنتا ہے۔سن دو ھجری تک مسلمان بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرتے رہے ہیں۔لیکن ہماری بے حسی اور بے غیرتی کی کوئی حد ہی نہیں ہم ایسے گھٹیا ہو چکے کہ اب کوئی مر تا مر جائے ہمیں پروا نہیں ہوتی ،اپنی میراث ،اپنا ایمان ،اپنے دین سے بھی دور ہو گئے ،ہم کس کے منتظر ہیں؟ ہم کب جاگیں گے؟ کل خدا کو کیا جواب دیں گے؟ ہماری مائیں بہنیں ہماری طرف امید بھری نظر کیے ہوئے ہیں بیدار ہونے کا وقت ہے اے قوم! ضمیر کو جگاؤ اپنے! کفار تم پر حاوی ہو چکے ہیں ! تمہاری ماوں بہنوں کی عزت محفوظ نہیں تمہارے بھائی سر عام قتل کیے جا رہے ہیں ،یہ ذلت یہ غلامی اب اور نہیں تم کھو گئے ہو اس عارضی دنیا میں پڑ کر محبتوں میں ،شرک کرنے لگے ہو! کیا تم یہ بھول گئے کہ موت اور تم میں ایک سانس کا فاصلہ ہے! آج قبلہ اوّل بیت المقدس کے سرخ مینار اور فلسطین کے مظلوم مسلمانوں کی روہانسی آواز 59 اسلامی ممالک اور 2 ارب مسلمانوں کو پکار رہی ہے۔اے مسلمانو! جاگو! فلسطین جا رہا ہے۔

ذی الحجہ کے پہلے دس دنوں کی فضیلت احادیث کی روشنی میں

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''کوئی ایسے دن نہیں جن میں نیک اعمال اللہ جل شانہ کو عشرۂ ذی الحجہ (میں نیک اعمال) سے زیادہ محبوب ہوں، پوچھا گیا کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا اللہ کے راستے میں جہاد سے بھی (ان دنوں کی عبادت افضل ہے؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (جی ہاں) اللہ کے راستے میں جہاد بھی برابر نہیں ہوسکتا مگر وہ شخص جو اللہ کے راستے میں جان و مال سمیت نکلے اور ان میں سے کسی چیز کے ساتھ واپس نہ لوٹے۔ (رواہ البخاری مشکوٰۃ المصابیح، رقم الحدیث: 1460، باب فی الأضحیۃ)

عشرۂ ذی الحجہ میں ذکر اللہ کی کثرت

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ جل شانہ کے نزدیک عشرۂ ذی الحجہ کے برابر زیادہ عظمت والے دن کوئی نہیں اور نہ کسی دنوں میں نیک عمل اتنا پسند ہے (جتنا ان دنوں میں) پس تم ان دنوں میں کثرت سے تسبیح (سبحان اللہ)، تکبیر (اللہ اکبر) اور تہلیل (لاالہ الا اللہ) کیا کرو۔ (المعجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث: 11116)

عشرۂ ذی الحجہ میں دن کو روزہ اور رات میں عبادت کی فضیلت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ایسا کوئی دن نہیں ہے جس میں عبادت کرنا اللہ تعالیٰ کو عشرۂ ذی الحجہ میں عبادت کرنے سے زیادہ محبوب ہو، اس کے ہر دن کا روزہ ایک سال کے روزوں کے برابر ہے۔ اور اس

میں ہر رات کی عبادت شب قدر کی عبادت کے برابر ہے۔"(جامع الترمذی،رقم الحدیث:758)

یومِ عرفہ (نو ذی الحجہ) کے روزے کی خاص فضیلت

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا"میں اللہ سے امید کرتا ہوں کہ یومِ عرفہ کا روزہ گزشتہ ایک سال اور آیندہ ایک سال کے گناہوں کے لیے کفارہ بن جائے گا۔"(سنن الترمذی،رقم الحدیث:749)

واضح رہے کہ یکم ذوالحجہ سے نو ذوالحجہ تک روزہ رکھنا مستحب ہے لیکن عید کے دن روزہ رکھنا شرعاً ممنوع ہے کیوں کہ حدیث میں اس دن روزہ رکھنے سے منع کیا گیا ہے، اسی طرح عید الاضحیٰ کے دوسرے اور تیسرے دن بھی روزہ رکھنا جائز نہیں۔البتہ عید الاضحیٰ کے دن اگر کوئی شخص اپنے کھانے اگر کوئی شخص اپنے کھانے کی ابتداء قربانی کے گوشت سے کرے اور اس سے پہلے کچھ نہ کھائے تو اس کو فقہاء کرام نے مستحب لکھا ہے اور یہ عمل سنت سے ثابت ہے۔(بدائع الصنائع ہندیہ)

قربانی کرنے والے کے لیے مستحب عمل

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب ذی الحجہ کا پہلا عشرہ شروع ہو جائے اور تم میں سے جو شخص قربانی کرنے کا ارادہ کرے وہ قربانی کرنے تک اپنے بال اور ناخن بالکل نہ کتروائے۔(مشکاۃ المصابیح،رقم الحدیث:1459)

واضح رہے کہ اگر کسی شخص کو بال صاف کیے اور ناخن کتروائے چالیس دن گزر گئے ہوں تو اس کے لیے بال صاف کرنا اور ناخن کاٹنا واجب ہے، ایسی صورت میں دس ذی الحجہ تک اسی حالت میں رہنا گناہ ہے۔(شامی)

تکبیراتِ تشریق

تکبیراتِ تشریق کے الفاظ یہ ہیں: اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد

تکبرات تشریق ہر اس شخص پر واجب ہے جس پر نماز فرض ہے لہٰذا منفرد مرد و عورت، مسافر اور گاؤں والوں سب پر تکبیر واجب ہے۔ بعض فقہائے کرام رحمۃ اللہ علیہم نے حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے قول کو ترجیح دی ہے، اس لیے اگر صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے قول پر عمل کیا جائے تو اس میں زیادہ احتیاط ہے اور بہتر ہے۔

مفتیٰ بہ قول کے مطابق تکبیرات تشریق نو ذوالحجہ کی فجر سے لے کر عید کے چوتھے دن یعنی تیرہ ذوالحجہ کی نماز عصر تک ہر فرض نماز کے بعد ایک دفعہ بلند آواز سے کہنا واجب ہے، البتہ عورتیں یہ تکبیرات آہستہ آواز سے کہیں۔ واضح رہے کہ تکبیرات تشریق صرف ایک مرتبہ کہنا واجب ہے، ایک سے زیادہ مرتبہ کہنا خلافِ سنت ہے۔ (شامی)

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کا مصروف حضرات/خواتین کیلئے عشرہ ذوالحجہ سے فائدہ اٹھانے کا آسان دستور العمل

اگر وقت کی قلت یا گھریلو اور کاروباری ذمہ داریوں کی بنا پر زیادہ وقت عبادات کو نہ دے سکیں تب بھی مندرجہ ذیل اعمال کے اہتمام سے ان شاء اللہ اس عشرہ کی برکات کسی حد تک حاصل کی جا سکتی ہیں:......

☆......5 وقت باجماعت نمازوں کا اہتمام کریں (خواتین گھر میں اول وقت میں ادا کریں)۔

☆...... ہر قسم کے گناہوں سے بچنے کا خصوصی اہتمام کریں ورنہ محنت کے باوجود عبادات کا نور اور حقیقی نفع حاصل نہیں ہوگا بالخصوص اپنی نظروں اور زبان کی حفاظت کریں۔

☆...... ذولحجہ کا چاند دیکھنے سے لیکر قربانی کرنے تک اپنے جسم کے بال اور ناخن نہ تراشیں یہ مستحب عمل ہے۔

☆......فرض نمازوں کے بعد تسبیح فاطمی (33 سبحان اللہ، 33 الحمد للہ، 34 اللہ اکبر۔

☆......کم از کم یوم عرفہ یعنی 9 ذوالحجہ کا روزہ، ورنہ اس عشرے میں جتنے روزے رکھ سکیں اتنا بہتر۔

☆...... چلتے پھرتے زیادہ سے زیادہ اللہ اکبر، اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ واللہ اکبر، اللہ اکبر وللہ الحمد کا ورد۔

☆...... چلتے پھرتے زیادہ سے زیادہ تیسرے کلمے کا ورد سبحان اللہ والحمدللہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر۔

☆...... چلتے پھرتے درود شریف کا ورد۔

☆......کم از کم 15-10 منٹ روزانہ ترتیب سے تلاوت قرآن کا اہتمام۔

☆......نماز مغرب میں 3 فرض، 2 سنت اور 2 نفل کے بعد 2 نفل مزید نماز اوابین کی نیت سے ادا کریں۔

☆......نماز عشاء میں 4 فرض، 2 سنت کے بعد وتر سے پہلے 2-4 رکعات تہجد کی نیت سے ادا کریں اسکے بعد وتر ادا کریں۔

☆...... اگر رات میں توفیق ہو جائے تو مزید رکعات تہجد ادا کریں لیکن عشاء کے ساتھ ادا کرنے سے کم از کم تہجد سے محرومی نہیں ہو گی۔

☆......حسب استطاعت صدقہ وخیرات۔

☆......رات کو سونے سے پہلے تسبیح فاطمی، درود شریف، استغفار اور دعا۔

☆...... اور سب سے بڑھ کر کوشش کریں کہ اپنی زبان یا کسی عمل سے کسی دوسرے کو ادنیٰ تکلیف بھی نہ پہنچے اور پہنچ جائے تو معافی مانگنے میں دیر نہ کریں یاد رکھیں، اللہ کے بندوں کو تکلیف پہنچا کر اللہ کی رضا کا حصول ناممکن ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ اس پیغام کو اپنے دوست احباب تک پہنچا کر صدقہ جاریہ میں شامل ہو جائیں۔

بت شکنی سنتِ ابراہیمی

سوشل میڈیا پر ایک خبر کے مطابق مردان میں اپنی زمین میں کھدائی کے دوران ملنے والے گوتم بدھ مجسمے کو توڑنے پر اسلامی جمہوریہ پاکستان کے مسلمان گرفتار۔۔۔!من حیث القوم ہم اس قدر ذلیل ہو چکے ہیں کہ:" سنت ابراھیمی پر عمل کرنے والے پابند سلاسل کئے جاتے ہیں اور" سنت ابی جہل" پر عمل کرنے والے ہم پر حکومت کرتے ہیں، اسلام کے نام پر وجود میں آئے ملک میں یہ کیسا وقت آیا ہے اللہ رب العزت ہماری حالت پر رحم فرمائے آمین!

اسلام بت پرستی کی سختی سے مذمت کرتا ہے۔ اور بت شکنی کی طرف توجہ دلاتے ہوئے انہیں توڑنے کا حکم دیتا ہے۔کیونکہ کفار ان بتوں کو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں، ان کو معبود سمجھ کر ان کی عبادت کرتے ہیں، ان کو سجدے کرتے ہیں، عقیدت سے ان کے سامنے نذرانے پیش کرتے ہیں، ان سے منتیں مرادیں مانگتے ہیں۔ان کو اپنا حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے ہیں۔ یاد رکھیے! بت شکنی انبیاء علیہم السلام کی سنت بھی ہے اور کافروں کی طاقت توڑنے کا ایک بڑا سبب بھی!

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے آبائی علاقے میں موجود کفار کی مرکزی عبادت گاہ میں رکھے گئے بتوں کو پاش پاش کر دیا تھا۔ خاتم النبیین نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر خانہ کعبہ میں رکھے ہوئے 360 بتوں کو توڑ ڈالا تھا۔ نہ صرف بیت اللہ میں بلکہ پورے حجاز کے علاقے میں جہاں جہاں بھی بت موجود تھے، رسول امین خاتم النبیین ﷺ اور فرمانروان مدینہ کی حیثیت سے ان سب کو توڑنے کے لیے خصوصی احکامات جاری فرمائے تھے اور اس مہم کے لیے خصوصی افراد کے دستے تیار کیے

تھے۔ چاروں خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کا بھی اسوہ نبی پر عمل کرتے ہوئے یہی طرز عمل رہا تھا۔اور سلطنت غزنویہ (976ء سے 1186ء) کے سب سے مشہور حکمران سلطان محمود غزنوی نے ہندوستان پر 17 حملے کیے اور سومنات کے مشہور زمانہ مندر پر حملہ کر کے تمام بتوں کو توڑ کر خود کو تاریخ میں ہمیشہ کے لیے بطور"بت شکن" معروف کر دیا۔اس نے"بت فروش" بننے کے بجائے"بت شکن" بننا اور کہلوانا اپنے لیے باعث افتخار سمجھا۔ازل تا ابد بت پرستی کے بجائے بت شکنی مسلمان کا طرز عمل رہا ہے اور رہنا چاہیے۔

قرآن وسنت کے واضح احکامات کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے شہرہ آفاق آئمہ اربعہ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل اور دیگر فقہاء رحمہ اللہ علیہم اجمعین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اسلامی حکومت سے پہلے اگر کسی علاقے میں غیر مسلموں کے عبادت خانے موجود ہوں تو اسلامی حکومت کو ان کی صورت حال پر رہنے دینا چاہیے اور ان کو مسمار نہیں کرنا چاہیے۔لیکن اگر کفار کے عبادت خانے اسلامی حکومت بننے کے بعد تعمیر کیے گئے ہوں تو انہیں مسمار کر دینا ضروری ہوتا ہے۔

نہ جانے موجودہ حکومت نے ابھی اور کیا کیا کارنامے انجام دینے ہیں۔کبھی گوردوارے تعمیر کرنے کے پراجیکٹ کا اعلان ہے،اور کبھی مندروں کی تعمیر کا کام شروع ہے۔اور دشمنان اِسلام کے اشاروں پر اسلام کے نام پر وجود میں آنے والے ملک اسلامی جمہوریہ پاکستان میں ہی مسجدیں اور مدرسیں گرانے کو کارِثواب سمجھنے لگتی ہے بلکہ گذشتہ سال ہی سے پی ٹی آئی حکومت نے ملک بھر میں ہندو مندر کھولنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔کبھی یہ حکومت قادیانیوں کے لیے سیاسی ومذہبی اعتبار سے بالخصوص ختم نبوت کے معاملے میں آسانیاں بہم پہنچانے کی کوششوں میں لگ جاتی ہے۔غالباً اسے اقلیتوں کے حقوق کا بہت زیادہ احساس اور خیال ہے۔ہماری حکومت اقلیتی جماعتوں کے مذہبی حقوق کا خیال رکھتے ہوئے ان کی عبادت گاہیں کھولنے میں مصروف ہے۔حالانکہ اسلامی حکومت کے لیے شریعت اسلامیہ کے صریح احکامات کے مطابق غیر مسلموں کو ان کی عبادت گاہوں کی تعمیر کی اجازت دینا یا ان کی تعمیر میں سہولت

فراہم کرنا جائز نہیں ۔کسی قوم کی بدنصیبی کے لئے اتنی ہی بات کافی ہوتی ہے کہ حکومت ملک اور اپنی قوم کی بہ نسبت یہود و ہنود کی دل جوئی زیادہ مطلوب ہو اور وہ بھی محض اس لئے کہ ان کے شخصی مصالح پورے ہوتے ہوں، وہ پوری قوم کے مصالح اور مستقبل کو بھی بیچ کھاتے ہوں۔

اسلام اور توحید کا اپنا ایک مزاج اور رنگ و بُو ہے، اگر یہ کہا جائے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حیاتِ طیبہ اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا اسوۂ حسنہ اسلام اور توحید کی سچی تفسیر، اور اصلی تعبیر ہے ۔اللہ کریم نے واضح کر دیا ہے کہ تمہارے لیے ابراہیم کی زندگی میں ایک بہتر نمونہ ہے ۔(قد کانت لکم اسوۃ حسنۃ فی ابراہیم) ان حالات میں سنت ابراھیمی ہی وہ لائحہ عمل اور وہ راہ نجات ہے جس پر عمل کر کے حالات میں بہتری لائی جا سکتی ہے ۔

یکساں نصابِ تعلیم یا مغربی ایجنڈا؟

مسلمانوں کے عروج سے انسانی دنیا اوران کی زندگیوں پر جو مثبت اور زوال سے جو منفی اثرات مرتب ہوئے ہیں تاریخ انسانی سے واقف ایک ادنی طالب علم بھی اس کا انکار نہیں کرسکتا لیکن انسانوں میں ہمیشہ سے ایک ایسا استعماری طبقہ چلا آرہا ہے جو اپنے سینوں میں موجود کینہ، بغض اور حسد کی بنا پر انسانیت کو آسمانی ہدایت وراہ نمائی سے محروم کرکے ان کا استحصال کرنا چاہتا ہے، چوں کہ مغربی استعماری قوتوں کو اس بات کا بخوبی ادراک ہے کہ ان کے منصوبوں کی تکمیل کی راہ میں آخری رکاوٹ "دینی مدارس" ہیں، اس لیے ان کا سارا زور اس پر ہے کہ کسی بھی طرح سے مدارس کو راہ سے ہٹادیا جائے، اگر ایسا نہ ہوسکا تو ان کے نصاب میں ایسی تبدیلیاں کروائی جائیں کہ مدارس سے بھی "لارڈ میکالے" کے دیے ہوئے نظام تعلیم کی طرح انہیں کہ پروردہ لوگ نکلیں، جن میں دنیا کو حقیقی اسلام سے متعارف کروانے کی صلاحیت ہی نہ رہے، جو ہر طرح کے جذبہ حریت سے خالی ہوں۔ اہل مغرب کی طرف سے "مدارس دینیہ" کے بارے میں آئے روز جو نت نئے پروپیگنڈے کیے اور دیسی نمک خواروں کے ذریعے آئے روز کروائے جارہے ہیں۔ کیونکہ دشمنانِ اسلام اپنے دلوں کے بغض وعناد کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لیے ہر اس چیز کی عمارت کو منہدم کرنا چاہتے ہیں جو اسلام سے تعلق رکھتی ہو، خواہ وہ قرآن کریم ہو، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہو اور ہر اُس ہستی کی شکل وصورت کو بگاڑ کر پیش کرنا چاہتے ہیں جس نے اسلام کا جھنڈا بلند کیا ہے، خواہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہو یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت یا سنت کے حاملین مجتہدین ہوں یا محدثین اور ہر زمانہ کے علمائے کرام یا ان کے قائم کیے گئے مدارسِ دینیہ۔

الغرض حکومت اور مقتدر قوتوں کا بیرونی دباؤ کی بنا پر ایک ہی اصرار ہے کہ کسی طرح دینی مدارس کا نظام اور نصاب ختم کیا جائے، اور عنوان اس کا ہے یکساں نصابِ تعلیم مگر مقصد مغربی ایجنڈے کو آگے بڑھانا ہے۔ یکساں نصاب تعلیم جب مغرب اور اس کے زیر اثر اداروں اور فنڈنگ کے ساتھ تشکیل دیا جائے گا تو اس میں اسلامی نظریات اور اقدار کہاں ہوں گی؟ نصابِ تعلیم کی آڑ میں مختلف ادوار میں مدارس کے خلاف مہم جوئیاں ہوتی رہیں تاکہ دینی مدارس کو گورنمنٹ کے ماتحت لایا جائے۔ ابتدا میں صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے باقاعدہ یونیورسٹی گرانٹ کمیشن کے عنوان سے دینی مدارس کے ساتھ ''ہمدردی'' کا اعلان کیا اور اس کے کچھ عرصہ بعد ''قومی کمیٹی برائے دینی مدارس'' کے جال میں دینی مدارس کو پھانسنے کی کوشش کی لیکن اس وقت کے علماء کرام کی دور اندیشی تھی، انہوں نے اعلان کیا کہ اپنے دینی اداروں کو چلانے کے لیے گورنمنٹ سے کسی قسم کی گرانٹ یا امداد نہ لی جائے، بلکہ آزاد حیثیت میں رہ کر اور عام مسلمانوں کی زکوٰۃ، صدقات اور عطیات سے اپنے اداروں کو چلایا جائے۔ الحمدللہ! علمائے کرام کے اس بروقت اقدام کی بنا پر مدارسِ دینیہ حکومت کے دست برد سے بچ گئے۔ اس کے بعد پرویز مشرف کے دور میں دینی مدارس کو بہت ہی زیادہ نشانے پر رکھا گیا اور مدارس کو کنٹرول کرنے کے لیے ''ماڈل دینی مدارس'' کے عنوان سے آرڈی نینس بھی جاری کیا گیا، جس کے ماتحت ماڈل دینی مدارس بنائے گئے جو بری طرح ناکام ہوئے اور اب تحریکِ انصاف کی گورنمنٹ اسے پورے پاکستان میں یکساں نصابِ تعلیم کے عنوان سے نیا جال لے کر آگئی ہے۔ اور مدارس کو اس جال میں پھانسنے کے لیے معاہدات وغیرہ بھی کر رہی ہے۔ حکومت کی بدنیتی اس میں بھی ظاہر ہوتی ہے کہ یکساں نصابِ تعلیم اگر پورے ملک کے لیے ہے تو پرائیویٹ اسکول بھی اس میں شامل ہونے چاہئیں، جب کہ آغا خان فاؤنڈیشن اور بیکن ہاؤس اسکول اور دانش کدہ جیسے ادارے اس میں شامل نہیں۔ صرف ان سرکاری اسکولوں کو اس میں شامل کیا ہے، جہاں پہلے تو بچے پڑھنے جاتے ہی نہیں، اگر جاتے ہیں تو صرف ان غرباء کے بچے ہوتے ہیں جن کے پاس پرائیویٹ اسکولوں یا معیاری اسکولوں میں پڑھانے کی سکت نہیں۔ تو نتیجہ یہی نکلے گا کہ صرف ''مدارسِ دینیہ'' کو اس شکنجہ میں کسا جائے گا، باقی سب آزاد رہیں گے۔

موجودہ دور میں یہ مدارس اسلامیہ اور دینی درسگاہیں مسلمانوں کا ایک بڑا قیمتی سرمایہ ہے، دین اسلام کا سرچشمہ ہے اور دین اسلام کی تحفظ و بقاء انہیں مدارس اسلامیہ کی بقاء سے ہے۔ اس لئے مسلم قوم کو ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے اور مدارس اسلامیہ کی بقاء اور تحفظ کے لئے جو اقدامات ممکن ہوں انہیں اپنانے میں دریغ نہیں کرنا چاہیے۔ اور حکمران طبقہ دینی مدارس کے خلاف سازشوں سے باز آجائے۔ دینی مدارس پاکستان کی بقا اور سالمیت کی علامت ہیں مملکت خداداد پاکستان کی بقا اور سالمیت کیلئے علما کرام اور اہل مدارس کے لازوال قربانیاں اور خدمات ہیں، وہ تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔ کوئی بھی ہوشمند اور ذی شعور اور منصف مزاج انسان اس حقیقت سے انکار نہیں کرسکتا۔ اور مسلم عوام الناس سے درخواست ہے کہ اسلام دشمنوں کی سازشوں کو سمجھیں اور حسب سابق مدارس کی امداد کا سلسلہ جاری رکھیں۔

قربانی کی اہمیت وفضیلت

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں دس سال قیام فرمایا (اس قیام کے دوران) آپ صلی اللہ علیہ وسلم قربانی کرتے رہے۔ (ترمذی ۔ابواب الاضاحی) غرضیکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کے قیام کے دوران ایک مرتبہ بھی قربانی ترک نہیں کی باوجو یکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں بوجہ قلت طعام کئی کئی مہینے چولہا نہیں جلتا تھا۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ذی الحجہ کی ۱۰ تاریخ کو کوئی نیک عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک قربانی کا خون بہانے سے بڑھ کر محبوب اور پسندیدہ نہیں اور قیامت کے دن قربانی کرنے والا اپنے جانور کے بالوں، سینگوں اور کھروں کو لے کر آئے گا (اور یہ چیزیں اجروثواب کا سبب بنیں گی) اور قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے نزدیک شرفِ قبولیت حاصل کرلیتا ہے، لہٰذا تم خوش دلی کے ساتھ قربانی کیا کرو۔ (ترمذی)

قربانی کو واجب یا سنتِ مؤکدہ قرار دینے میں زمانۂ قدیم سے اختلاف چلا آرہا ہے؛ مگر پوری امتِ مسلمہ متفق ہے کہ قربانی ایک اسلامی شعار ہے اور جو شخص قربانی کرسکتا ہے اس کو قربانی کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کرنی چاہیے خواہ اس کو واجب کہیں یا سنتِ مؤکدہ یا اسلامی شعار۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں ہمیشہ قربانی کیا کرتے تھے باوجودیکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں اشیاء خوردنی نہ ہونے کی وجہ سے کئی کئی مہینے تک چولہا نہیں جلتا تھا۔ ۸۰ ہجری میں پیدا ہوئے حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے قرآن وحدیث کی روشنی میں قربانی کو واجب قرار دیا ہے، حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ

اور حضرت امام احمد ابن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کی ایک روایت بھی قربانی کے وجوب کی ہے۔ ہندو پاک کے جمہور علماء نے بھی وجوب کے قول کو اختیار کیا ہے؛ کیونکہ یہی قول احتیاط پر مبنی ہے۔ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی قربانی کے وجوب کے قول کو اختیار کیا ہے۔ قربانی کے وجوب کے لیے متعدد دلائل میں سے چند پیش ہیں:

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ آپ اپنے رب کے لیے نماز پڑھیں اور قربانی کریں۔ اس آیت میں قربانی کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے اور امر عموماً وجوب کے لیے ہوا کرتا ہے، حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس آیت (فَصَلِّ لِرَبِّكَ) میں جو نماز کا ذکر ہے، اس سے عید کی نماز مراد ہے اور (وَانْحَرْ) سے قربانی مراد ہے۔ مفسر قرآن شیخ ابو بکر جصاص رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں: (۱) عید کی نماز واجب ہے۔ (۲) قربانی واجب ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص کو قربانی کی وسعت حاصل ہو اور وہ قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ بھٹکے۔ (سنن ابن ماجہ) وسعت کے باوجود قربانی نہ کرنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت وعید ارشاد فرمائی اور اس نوعیت کی سخت وعید واجب کے چھوڑنے پر ہی ہوتی ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ قربانی کرنا واجب ہے۔

ہر صاحب حیثیت کو قربانی کرنی چاہیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ فرمان سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ قربانی کے وجوب کے لیے صاحب وسعت ہونا ضروری ہے؛ البتہ مسافر پر قربانی واجب نہیں، جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مسافر پر قربانی واجب نہیں۔

بھیڑ، بکری، گائے، بھینس اور اونٹ (نر و مادہ) قربانی کے لیے ذبح کیے جا سکتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: آٹھ جانور ہیں دو بھیڑوں میں سے اور دو بکریوں میں سے، دو اونٹوں میں سے اور دو گائیوں میں سے۔ (سورۃ الانعام ۱۴۳ و ۱۴۴) قربانی کے جانوروں میں بھینس بھی داخل ہے کیونکہ یہ بھی گائے کی ایک قسم ہے، لہٰذا بھینس کی قربانی بھی جائز ہے۔ امتِ مسلمہ کا اجماع ہے کہ بھینس کا حکم گائے والا

ہے۔حضرت امام مالک رحمہ اللہ (متوفی ۱۷۹ھ) فرماتے ہیں کہ بھینس گائے ہی ہے (یعنی گائے کے حکم میں ہے) (موطاامام مالک) ہندوپاک کے جمہور علماء کی بھی یہی رائے ہے کہ بھینس گائے کے حکم میں ہے۔

قربانی کے جانوروں میں بھیڑاور بکرا بکری ایک سال، گائے اور بھینس دوسال اوراونٹ پانچ سال کا ہونا ضروری ہے؛ البتہ وہ بھیڑ اور دنبہ جو دیکھنے میں ایک سال کا لگتا ہو اس کی قربانی بھی جائز ہے۔اگر قربانی کا جانور بکرا، بکری، بھیڑ یا دنبہ ہے تو وہ صرف ایک آدمی کی طرف سے کفایت کرتی ہے، اگر قربانی کا جانور اونٹ، گائے یا بھینس ہے تو اس میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں۔حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی یہی منقول ہے کہ قربانی کے دن تین ہی ہیں۔(موطامالک) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قربانی کے دن ۱۰ ذی الحجہ اوراس کے بعد کے دو دن ہیں؛ البتہ یوم النحر (۱۰ ذی الحجہ) کو قربانی کرنا افضل ہے۔

ماں باپ سے بدسلوکی پر اللہ کا غضب

سوشل میڈیا پر ایک جاہل انسان کی ویڈیو وائرل ہو رہی ہے جس میں ایک بد بخت، شقی القلب انسان اپنی ماں پر تشدد کرتے ہوئے دکھایا جا رہا ہے اللہ کی پناہ! یہ انتہائی بدبختی اور شقاوت قلبی کا مظاہرہ ہے۔ اولاد پر والدین کی اطاعت فرض ہے جن کی اطاعت میں شریعت کے کسی حکم سے ٹکراؤ لازم نہ آئے، نیز والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کا معاملہ کرنا بھی شرعاً ضروری ہے، ان کی نافرمانی اور ان کی ایذا رسانی سخت حرام اور کبیرہ گناہ ہے، قرآنِ کریم اور احادیثِ نبویہ میں والدین کے ساتھ حسنِ سلوک اور ان کی خدمت کی بڑی تاکید آئی ہے، اور والدین کی نافرمانی، ان کے ساتھ بدکلامی کے ساتھ پیش آنے، اور والدین کو ستانے کی بہت وعیدیں آئی ہیں اور یہ وعیدیں حضرت آدم علیہ السلام کی امت سے لے کر خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ کی امت تک جاری وساری رہی ہیں۔ تمام بنی نوع انسان کو یہی تلقین کی جاتی رہی ہے کہ تمہاری جبین نیاز سوائے ذات باری تعالیٰ کے کسی اور کے سامنے نہ جھکے اور اپنے والدین کے ساتھ احسان اور فروتنی سے پیش آؤ۔ والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی تعلیم، تاکید کے ساتھ ہر دور میں ہر نبی کی امت کو دی گئی اور یہ حکم آج بھی ہمیشہ کی طرح امت محمدی ﷺ کے لئے مفروض الاطاعت ہے۔

والدین اللہ تبارک وتعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت ہیں۔ اولاد کی آنکھوں کی ٹھنڈک باعث سکون وراحت ہیں۔ غموں کا مداوا ہیں، سرمایہ حیات اور سرمایہ آخرت بھی ہیں۔ والدین کے حقوق کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ قرآن مجید میں جا بجا ایسے مقامات ہیں جہاں عقیدہ توحید، ایمانیات، اطاعت اللہ تعالیٰ عزوجل اور اطاعت رسول ﷺ کے ذکر کے فوراً بعد کسی اور موضوع کو درمیان

میں لائے بغیر جس موضوع کو بیان کیا گیا وہ والدین کے حقوق سے متعلق ہے، حقیقت یہ ہے کہ زندگی کا تعلق انسان سے ہے اور انسانی زندگی کا آغاز ماں باپ سے ہوتا ہے ۔یعنی خاندانی زندگی کی عمارت عائلی نظام میں ماں باپ پر استوار ہوتی ہے ۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:...... اور تیرے رب نے حکم دیا ہے کہ بجز اس کے کسی کی عبادت مت کرو، اور تم (اپنے) ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کیا کرو، اگر تیرے پاس ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جاویں، سو ان کو کبھی (ہاں سے) ہوں بھی مت کرنا اور نہ ان کو جھڑکنا، اور ان سے خوب اَدب سے بات کرنا، اور ان کے سامنے شفقت سے، انکساری کے ساتھ جھکے رہنا اور یوں دعا کرتے رہنا کہ اے پروردگار ان دونوں پر رحمت فرمائیں جیسا کہ انہوں نے مجھ کو بچپن میں پالا پرورش کیا ہے ۔(سورہ بنی اسرائیل)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا......: کبیرہ گناہوں میں سے یہ بھی ہے کہ آدمی اپنے والدین کو گالی دے، صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا کوئی آدمی اپنے والدین کو گالی بھی دے سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جی ہاں! آدمی کسی دوسرے کے والد کو گالی دیتا ہے تو وہ بھی اس کے والد کو گالی دیتا ہے، اور یہ دوسرے کی ماں کو گالی دیتا ہے تو وہ اس کی ماں کو گالی دیتا ہے ۔(بخاری ومسلم)

دوسرے کے والدین کو گالی دینا جو اپنے والدین کو گالی دینے کا سبب ہے اسے کبیرہ گناہ قرار دیا جا رہا ہے، پھر براہِ راست اپنے والدین کو خود گالی دینا کتنا بڑا گناہ ہوگا!!! اسی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حیرت سے سوال کیا کہ کیا کوئی اپنے والدین کو گالی بھی دے سکتا ہے؟

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص اس حال میں صبح کرے کہ وہ اپنے والدین کا مطیع وفرماں بردار ہو تو اس کے لیے جنت کے دو دروازے کھول دیے جاتے ہیں، اور اگر والدین میں سے کوئی ایک (حیات) ہو (اور وہ اس کا مطیع ہو)

تو ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔اور جو شخص اس حال میں صبح کرے کہ وہ اپنے والدین کا نافرمان ہو تو اس کے لیے صبح کے وقت جہنم کے دو دروازے کھول دیے جاتے ہیں، اور اگر والدین میں سے کسی ایک کا نافرمان ہو تو ایک دروازہ جہنم کا کھول دیا جاتا ہے۔ایک شخص نے سوال کیا: اگر چہ والدین ظلم کریں؟ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر چہ وہ دونوں اس پر ظلم کریں، اگر چہ وہ اس پر ظلم کریں، اگر چہ وہ اس پر ظلم کریں۔(بیہقی فی شعب الایمان)

دیکھ لیجیے رسول اللہ ﷺ نے کیا تعلیم ارشاد فرمائی؟ والدین خواہ ظالم ہی کیوں نہ ہوں، اولاد کا کام ان کا احتساب یا اصلاح نہیں ہے، بلکہ اس صورت میں بھی اولاد کا فرض ان کی اطاعت ہے، والدین سے ان کا رب خود حساب لے لے گا، لیکن اس صورت میں اولاد نافرمانی کرے گی تو وہ اللہ کے ہاں غضب کی مستحق ہوگی، اور اس کے لیے جہنم کا دروازہ کھل جائے گا۔رسول کریم ﷺ نے فرمایا؛ شرک کے علاوہ تمام گناہ ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان میں سے جس قدر چاہتا ہے بخش دیتا ہے، مگر والدین کی نافرمانی کے گناہ کو نہیں بخشتا، بلکہ اللہ تعالیٰ ماں باپ کی نافرمانی کرنے والے کو موت سے پہلے اس کی زندگی میں جلد ہی سزا دے دیتا ہے۔(مظاہر حق، 4/ 487، ط قدیمی) ملاحظہ کیجئے اولاد کا یہ رویہ اور سلوک ناجائز اور کبیرہ گناہ ہے، جس کا خمیازہ آخرت کے علاوہ دنیا میں بھی بھگتنا پڑتا ہے، ایسی اولاد پر لازم ہے کہ اپنے اس رویہ سے توبہ کریں، والدین کی خدمت کریں، ان کے بڑھاپے میں ان کا سہارا بنیں، جیسا کہ بچپن میں وہ ان کا سہارا بنے تھے، اور مشقتیں اٹھا کر ان کو پالا تھا، اور ان کی زندگی کو اپنے لیے سعادت کا باعث سمجھیں۔باقی ماں جیسی ہستی کو گالی دی جائے، اور اس پر ہاتھ اٹھا جائے یہ انتہائی بدبختی اور شقاوت ہے، مذکورہ بالا بدبخت شخص پر لازم ہے کہ اپنے اس عمل پر اللہ سے بھی اور اپنی والدہ سے بھی معافی مانگے، ورنہ آخرت بلکہ آخرت کے ساتھ دنیا میں بھی ذلیل وخوار اور برباد ہو جائے گا۔اللہ ہمارے سروں پر ماں باپ کا سایہ ہمیشہ قائم رکھے اور ہمیں ان کی فرمانبرداری کرنے اور انکی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین!

عقیقہ کب اور کیسے کریں؟

بچوں کی پیدائش پر کچھ اعمال ولادت کے وقت مستحب ہیں اور بعض اعمال ولادت کے ساتویں دن مستحب ہیں۔ اکثر مسلمان ان سے ناواقف ہیں، اس لئے وہ ان پر عمل کرنے سے محروم رہتے ہیں، اس بنا پر ذیل میں کچھ تحریر کیا جاتا ہے تاکہ بچہ/ بچی کے پیدائش کے بعد اپنے اپنے وقت میں ان پر عمل کر کے ان کے فضائل و برکات حاصل کر سکیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ توفیق عطا فرمائے، آمین!

☆......جب بچہ پیدا ہو تو اس کو نہلا دھلا کر، اور کپڑے پہنا کر سب سے پہلے اس کے دائیں کان میں اذان کہہ دیں، اور بائیں کان میں اقامت یعنی تکبیر کہہ دیں۔ (مشکوٰۃ) ☆......اگر اس وقت کوئی بزرگ قریب ہوں اور موقع ہو تو ان سے تحنیک کرائیں، کیونکہ یہ سنت ہے۔ تحنیک یہ ہے کہ ان کی خدمت میں ایک دو کھجور پیش کریں اور وہ اپنے منہ میں اس کو چبا کر بچہ کے منہ میں ڈال دیں (اور کچھ بچہ کے تالو میں لگائیں) اور بچہ کے لیے خیر و برکت کی دعا کریں۔ (مشکوٰۃ) ☆......آیت الکرسی اور چاروں قل پڑھ کر شہد پر دم کر کے تھوڑا سا شہد بچہ کو چٹانا بھی جائز ہے۔ اس سے بھی تحنیک (کی سنت ادا) ہو جاتی ہے۔ ☆......جب کسی کے لڑکا یا لڑکی پیدا ہو تو بہتر ہے ساتویں دن اس کا عقیقہ کر دیں، لڑکا ہو تو دو بکرے یا دو بکری یا دو دنبے یا دو بھیڑ ذبح کر دیں، اور لڑکی ہو تو ایک بکرا یا ایک بکری وغیرہ ذبح کر دیں یا گائے میں لڑکے کے دو حصے اور لڑکی کا ایک حصہ لے لیں یا پوری گائے سے عقیقہ کر لیں، سب جائز ہے۔ ☆...... اور اگر کوئی بالکل ہی عقیقہ نہ کرے تو بھی کچھ حرج نہیں، کیونکہ عقیقہ کرنا مستحب ہے، واجب نہیں۔ (مشکوٰۃ، بہشتی زیور) ☆......ولادت سے پہلے عقیقہ کرنا جائز نہیں، اگر کوئی کرے گا تو وہ عقیقہ

نہ ہوگا، بلکہ یہ ذبیحہ گوشت کھانے کے لیے ہوگا۔☆......جب کسی لڑکے یا لڑکی کے عقیقہ کا جانور ذبح کیا جائے تو ذبح کرنے والا یہ دعا کرے:......بِسْمِ اللّٰہِ وَاللّٰہُ أَکْبَرُ اَللّٰھُمَّ لَكَ وَإِلَيْكَ عَقِيقَةُ فُلَانٍ۔ ترجمہ:......''اللہ تعالیٰ کے نام سے اور اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے، اے اللہ! یہ آپ کی رضا کے واسطے محض آپ کی بارگاہ میں فلاں کے عقیقہ کا جانور ذبح کرتا ہوں۔''

☆......اونٹ، گائے میں عقیقہ کے سات حصے رکھ سکتے ہیں، مثلاً کسی شخص کے تین لڑکے اور ایک لڑکی ہو اور وہ ان سب کے عقیقہ میں ایک گائے یا ایک اونٹ ذبح کرنا چاہے تو کرسکتا ہے۔(ہندیہ، ج:۵،ص:۳۰۴)☆ گائے، بیل وغیرہ میں کچھ حصے قربانی کے اور کچھ حصے عقیقے کے رکھنا جائز ہے۔(ہندیہ، ج:۵،ص:۳۰۴)☆......جس جانور کی قربانی جائز نہیں اس سے عقیقہ کرنا بھی جائز نہیں، اور جس جانور کی قربانی جائز ہے، جیسے: گائے، بیل اور بکرا وغیرہ، اس سے عقیقہ بھی درست ہے۔☆......عقیقہ کے گوشت کے تین حصے کرنا مستحب ہیں: ایک حصہ صدقہ کردیں، ایک حصہ پڑوسیوں اور رشتہ داروں کو دے دیں، اور ایک حصہ گھر میں رکھ لیں۔(ہندیہ، ج:۵،ص:۳۰۴)☆......عقیقہ کے گوشت سے دعوت کرنا بھی جائز ہے، نیز عقیقہ یا قربانی کا گوشت ولیمہ کی دعوت میں استعمال کرنا جائز ہے۔☆......بچہ/بچی کی ولادت کے ساتویں دن سر کے بال منڈوادیں، خواہ پہلے سر منڈوائیں، پھر عقیقہ کریں یا پہلے عقیقہ کریں، پھر سر کے بال منڈوائیں، دونوں طرح جائز ہے، البتہ بہتر یہ ہے کہ پہلے بچہ کے سر کے بال منڈوائیں، پھر عقیقہ کا جانور ذبح کریں۔☆......بچہ/بچی کے سر کے بال منڈوانے کے بعد بالوں کے وزن کے برابر سونا یا چاندی خیرات کردیں اور بالوں کو کسی جگہ دفن کردیں۔☆......جس شخص کا پیدائش کے بعد عقیقہ نہ ہوا ہو تو بعد میں اس کو اپنا عقیقہ کرنا جائز ہے، چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت ملنے کے بعد اپنا عقیقہ فرمایا۔☆......اگر لڑکا پیدا ہو تو ولادت کے ساتویں دن ختنہ کرانا مستحب ہے، کیونکہ ولادت کے ساتویں دن سے لڑکے کی بارہ سال عمر ہونے تک ختنہ کرانے کا مستحب وقت ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کی ولادت کے ساتویں دن اُن کا ختنہ کروایا تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسحاق علیہ السلام کی ولادت کے

ساتویں دن اُن کا ختنہ کرایا تھا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کا تیرہ سال کی عمر میں ختنہ کروایا تھا۔☆...... ساتویں دن لڑکے/لڑکی کا اچھا سا نام رکھ دیں، نام رکھنے میں ساتویں دن سے زیادہ تاخیر نہ کریں، اور ایسا نام نہ رکھیں جس کے معنی برے ہوں یا اس میں بڑائی کا یا بزرگی کا مفہوم نکلتا ہو، جیسے: عاصی یا عاصیہ، جس کے معنی نافرمانی کرنے والا اور نافرمانی کرنے والی کے ہیں، یا جیسے: شہنشاہ، اور امیر الامراء، اس میں بڑائی پائی جاتی ہے، یا جیسے "برہ" نیکوکار اس میں بزرگی پائی جاتی ہے۔☆...... لڑکے/لڑکی کی ولادت کے دن نام رکھنا بھی جائز ہے۔☆...... لڑکے/لڑکی کا نام کسی نیک اور بزرگ سے رکھوانا مستحب ہے، وہ اپنی پسند سے بچہ/بچی کا کوئی نام رکھ دے۔☆...... اگر کسی لڑکے یا لڑکی کے نام کے معنی اچھے نہ ہوں، اس کو بدل دینا چاہیے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی طریقہ تھا۔

منشیات کا بڑھتا ہوا رجحان

ہمارے معاشرے میں منشیات کا بڑھتا ہوا رجحان اور نفسیاتی مسائل کسی سنگین خطرے سے خالی نہیں. ہر روز ہم اخبارات اور سوشل میڈیا پر اس طرح کی کئی خبریں دیکھتے اور سنتے ہیں۔منشیات کا نشہ ایک ایسی لعنت ہے جو سکون کے دھوکے سے شروع ہوتی ہے اور زندگی کی بربادی پر ختم ہوجاتی ہے۔سرکاری تخمینے کے مطابق نشے کے عادی پاکستانیوں کی تعداد نوے لاکھ کے لگ بھگ بتاتے ہیں،غیر سرکاری تنظیموں کے خیال میں ڈیڑھ کروڑ پاکستانی یعنی کل آبادی کا سات فی صد منشیات استعمال کرتے ہیں۔سب سے عام اور مقبول ترین نشہ چرس ہے۔افیون، چرس، بھنگ، ہیروئن وغیرہ برصغیر کے مقامی نشے ہیں، یوں تو مملکت خداداد کا ہر صوبہ اور ہر خطہ ہی چرس کی پیداوار میں بڑی حد تک خودکفیل ہے۔ ہیروئن (سفید پاؤڈر) جس کی وجہ سے نوجوان نسل بالخصوص اور پوری قوم بالعموم بری طرح سے متاثر ہوئی اور ہو رہی ہے منشیات کے استعمال کی بنیادی وجہ دین سے دوری ،نشہ آور اشیا کے استعمال کے نقصانات سے بے خبری ہے،اس کا عادی انسان ذہنی ،جسمانی اور سماجی طور پر معذور ہوجاتا ہے۔گھر کے کسی فرد کا نشے میں مبتلا ہونے کا اثر پورے خاندان پر پڑتا ہے خاص طور پر وہ نوجوان جنہیں والدین اعلی تعلیم کے لئے کالجز اور یونیورسٹیوں میں بھیجتے ہیں تاکہ وہ معاشرے کا مفید شہری بننے کے ساتھ ساتھ والدین کا سہارا بنیں لیکن افسوس کہ چند نادان اُن میں سے غلط راستوں پر چل نکلتے ہیں،منشیات ایک ایسا میٹھا زہر ہے جو انسان کو دنیا و آخرت سے بیگانہ کر دیتا ہے۔اس کو استعمال کرنے والا ہر شخص حقیقت سے فرار حاصل کرتا ہے اور خیالوں میں بھٹکتا ہے۔منشیات کا نشہ پہلے پہل ایک شوق ہوتا ہے پھر آہستہ آہستہ ضرورت بن جاتا ہے۔

نشے کا عادی شخص دردناک کرب میں لمحہ لمحہ مرتا ہے۔اس کی موت صرف اس کی نہیں ہوتی بلکہ اس کی خوشیوں کی خواہشات کی تمناؤں کی بھی موت ہوتی ہے۔کوئی اگر نشہ کرنا شروع کرتا ہے تو اس کے پیچھے کوئی نہ کوئی وجہ،کوئی واقعہ،مایوسی،محرومی اورناکامی کا کوئی پہلو ہوتا ہوگا۔پرانسان یہ کیوں نہیں سوچتا کہ مایوسی اور ناکامی کا علاج صرف نشہ کرنا نہیں۔بلکہ نشہ انسان کی صحت کے لیے زہر ہے۔

دین اِسلام میں اللہ تعالیٰ نے شراب کے استعمال کو حرام قرار دیا ہے،حضرت محمد ﷺ نے معاشرے میں نشہ آور چیزوں سے پیدا ہونے والی خرابیوں کو روکنے کے لئے اس کا استعمال کرنے والے پر حد مقرر کی،دین اسلام نے اس کو ہر لحاظ سے ممنوع قرار دیا،اسکو’’ام الخبائث‘‘ کا نام دیا اسلام نے اسے تمام جرائم کی ماں کا نام دے کر اس کے جملہ پوشیدہ عیوب ونقائص بیان کر دیے،اسلام نے ہر اس چیز کو جو کسی بھی صورت میں نشہ کا سبب بنتی ہو اس پر حرام کی مہر لگا کر اس کے استعمال کو ممنوع قرار دے دیا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہر نشہ آور چیز جو عقل میں بگاڑ پیدا کر دے شراب کے زمرہ میں آتی ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے،چنانچہ اسلام میں جن کاموں کی شدت کے ساتھ مذمت کی گئی ہے اور جن سے منع فرمایا گیا ہے،ان میں ایک نشہ کا استعمال بھی ہے،قرآن مجید نے نہ صرف یہ کہ اس کو حرام بلکہ ناپاک قرار دیا ہے(المائدۃ:۹۰) کیوں کہ انسان کا سب سے اصل جوہر اس کا اخلاق و کردار ہے،نشہ انسان کو اخلاقی پاکیزگی سے محروم کر کے گندے افعال اور ناپاک حرکتوں کا مرتکب کرتی ہے اور روحانی اور باطنی ناپاکی ظاہری ناپاکی سے بھی زیادہ انسان کے لئے مضرت رساں ہے،اور انسان کو جن نعمتوں سے سرفراز کیا گیا ہے،ان میں ایک عقل و دانائی بھی ہے،یہی عقل ہے جس نے اس کے کمزور ہاتھوں میں پوری کائنات کو مسخر کر رکھا ہے اور اسی صلاحیت کی وجہ سے اللہ نے اس کو دنیا میں خلافت کی ذمہ داری سونپی ہے

۔

چونکہ کسی بھی قوم کے لیے اصل قوت اِن کے نوجوان ہوتے ہیں۔نئی نسل کا جذبہ ہی کسی بھی قوم کو بھرپور ترقی سے ہم کنار کرتا ہے۔کسی بھی ملک میں نئی نسل کو ملک کی بہتر خدمت کے لیے بھرپور انداز سے تیار

کرنے پر توجہ دی جاتی ہے۔صرف معاشی ترقی کے لئے ہی ضروری نہیں ہوا کرتی بلکہ ملک کے دفاع میں بھی اس کا بھرپور کردار ہوتا ہے۔ یہ نوجوان ہی ہیں جو سرحدوں پر رات دن جاگ کر ملک کو دشمنوں سے بچاتے ہیں۔ملک کی آزادی اور خودمختاری کا حقیقی تحفظ نئی نسل ہی کی بدولت ممکن ہو پاتا ہے۔اگر نئی نسل متحد اور چوکس ہو تو دشمن اپنے ناپاک عزائم پایہ تکمیل تک نہیں پہنچا سکتا۔

ماہرین نفسیات کے مطابق بچوں میں منشیات کے استعمال کی ایک وجہ ان میں پایا جانے والا تنہائی کا احساس بھی ہوتا ہے۔جب والدین انہیں زیادہ وقت نہیں دیتے تو بچے اپنے لیے مصروفیات گھر سے باہر تلاش کرتے ہیں اور بری صحبت میں پڑ کر سگریٹ نوشی کی ابتدا کرتے ہیں۔اور سگریٹ نوشی کو منشیات کی جانب پہلا قدم قرار دیا جاتا ہے کیونکہ معاملہ محض اچھائی اور برائی کے درمیان باریک سی لکیر کا ہی تو ہے اور جب وہ تفریق مٹ جاتی ہے تو پھر کوئی برائی 'برائی' نہیں لگتی۔اس لئے نوجوان نسل میں اس بات کا شعور اجاگر کیا جائے کہ وہ مذاقاً بھی نشہ آور اشیاء استعمال نہ کریں اور نہ ہی کسی نشے کے عادی یا فروخت کرنے والے فرد سے دوستی رکھیں، کیوں کہ بعض اوقات مذاقاً کی گئی ایک چھوٹی سی غلطی کی بھی بہت بھاری قیمت چکانی پڑ جاتی ہے، جو تباہی و بربادی پر بھی منتج ہو سکتی ہے۔منشیات کا زہر ہمارے معاشرے کو دیمک کی طرح چاٹ رہا ہے، کتنے ہی خاندان ایسے ہیں جو نشے میں مبتلا اپنے بچوں کے مستقبل سے نا اُمید ہو چکے ہیں۔قانون نافذ کرنے والے اداروں کے مطابق ان دنوں منشیات کی فروخت روایتی نہیں بلکہ انتہائی جدید انداز میں سوشل میڈیا کے ذریعے کی جا رہی ہے۔منشیات فروش واٹس ایپ اور فیس بک سمیت سوشل میڈیا کی دیگر ایپس استعمال کر رہے ہیں۔واٹس ایپ پر ایک میسج سو لوگوں تک بھی گیا تو ان میں دس سے پندرہ نوجوان ان کے شکنجے میں پھنس ہی جاتے ہیں۔اگر بندوق کے زور پر پولیو کے قطرے پلوائے جاتے ہیں تو اسی بندوق کے زور پر منشیات کے خلاف ایکشن لیا جائے تو معاشرہ ایک بڑی تباہی سے بچ سکتا ہے،عام دکانوں سے لیکر تعلیمی اداروں تک منشیات آسانی سے پہنچتی ہے پولیو صرف ایک بندے کو معذور کرتا ہے منشیات آنے والی نسلوں کو برباد کرتی ہے،اس برائی سے سماج کو

بچانے کی تدبیر یہی ہے کہ ایک طرف لوگوں کو نشہ کے نقصانات کے بارے میں باشعور کیا جائے اور اس کے نقصانات سے ہر سطح پر آگاہ کیا جائے، دوسری طرف ان اسباب پر روک لگائی جائے جو منشیات کے پھیلنے میں ممد و معاون ہیں، اور منشیات کے خاتمہ کے لئے علما کرام، اساتذہ سمیت ذرائع ابلاغ پر انتہائی بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ نوجوان نسل کو منشیات کی لعنت سے بچانے کے لئے بھرپور کردار ادا کریں۔

مدارس میں دینی و دنیاوی تعلیم کا امتزاج

بندہ کے مضمون یکساں نصاب تعلیم یا مغربی ایجنڈا؟ کے مضمون کے جواب میں میرے نہایت ہی مشفق ومہربان محترم ومکرم چچاجان نے وٹس اپ میسج میں بطور مشورہ کے اپنی رائے عالی سے نوازا کہ اگر سائنس،میڈیکل، بزنس یعنی عصری مضامین کو اسلامی علوم کے ساتھ پڑھایا جائے تو غلط تو نہیں ہے۔اسی طرح کالج و یونیورسٹیوں میڈیکل سائنس اور بزنس وغیرہ کے ساتھ قرآن وحدیث کی بھی تعلیم دی جائے۔

تو عرض ہے کہ اسلام میں دینی اور دنیاوی تعلیم کی تفریق نہیں ہے اسلام نے علم نافع اور علم غیر نافع کی تقسیم کی ہے،یعنی جس علم سے اللہ سبحانہ تعالی کی معرفت حاصل ہو اور پوری انسانیت کو فائدہ پہنچے تو وہ علم نافع ہے۔اس کے برعکس جو علم انسان کو گمراہی اور فسق وفجور میں ملوث کردے اور خلق خدا کے لئے ضرر رساں ہو تو وہ علم غیر نافع ہے۔جہاں تک دینی مدارس میں عصری علوم پڑھانے کی بات ہے تو اس بات کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ مدارس کے نصاب میں ہمیشہ سے عصری تعلیم موجود رہی ہے بقدر ضرورت۔علم جغرافیہ،فلکیات اور حساب ہر زمانہ میں اس نصاب کا حصہ رہے ہیں۔عصر حاضر میں دینی و تحقیقی کاموں میں انٹرنیٹ کی ضرورت واہمیت، ابلاغی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لئے انگریزی و عربی زبانوں پر عبور اور صحافت کے فن کو حاصل کرنے کے لئے بہت سے مدارس نے انگریزی وعربی کو شامل کیا ہے۔کمپیوٹر،صحافت، دعوت وارشاد اور جدید ابلاغی تدریسی صلاحیتوں پر مبنی چھوٹے بڑے متعدد کورسز جاری کررکھے ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ اسلام بیک وقت دینی و دنیاوی تعلیم حاصل کرنے کا درس دیتا ہے دینی تعلیم حاصل کرلینے سے فرد ایک عمدہ نمونہ اخلاق بن جاتا ہے اور دنیاوی تعلیم حاصل کرنے سے

فرد اپنے ذہنی رجحان کے مطابق شعبہ ہائے زندگی میں ملک وقوم کی خدمت کرنے کے قابل بن جاتا ہے۔مسلمان ہر میدان میں ماہر تھے، قدیم اسلامی تعلیمی اداروں کی روایت ہمیں بتاتی ہے کہ دینی علوم کی تعلیم کے ساتھ وقت کے تقاضوں کے مطابق عصری علوم کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا رہا ہے۔قرآن و حدیث کا علم ہر عہد اور عصر سے ہم آہنگی رکھنے والا علم ہے۔انسان کے وضع کیے ہوئے اصول وقواعد تو چند سال میں ساتھ چھوڑ دیتے ہیں،لیکن قرآن وسنت کے اصول وقواعد زندہ اور کبھی نہ ختم ہونے والے ہیں۔عصری علوم کا طرز نہ مذہب سے متصادم ہو اور نہ مذہب کی رہنمائی سے بے نیاز۔بعض لوگوں کے ذہن میں یہ وہم ہے کہ اسلام اور جدید سائنس وٹیکنالوجی لازماً متضاد چیزیں ہیں یہ بات خلاف واقعہ ہے ۔سائنس اور ٹیکنالوجی کا کام وسائل و ذرائع پیدا کرنا ہے اور اسلام وسائل کو استعمال کرنے کا طریقہ بتاتا ہے، ساتھ ہی مقاصد کی رہنمائی بھی کرتا ہے۔

دنیاوی علوم وفنون یہ سب ہماری ضرورت کی چیزیں ہیں۔زبان، لکھائی پڑھائی، حساب کتاب، بیالوجی، سوشیالوجی، سائنس وٹیکنالوجی وغیرہ یہ سب ہماری ضرورت کی چیزیں ہیں جن کے بغیر ہماری دنیا کی زندگی منظم نہیں ہوتی اور ہم سلیقے کی زندگی نہیں گزار سکتے۔تعلیم کا مقصد محض حصول روزگار نہیں ہے، بامقصد تعلیم فرد کو معاشرے کے لیے ذمے دار شہری اور کارکن بناتی ہے، اس طرح ملک وقوم ترقی کی راہ پر گامزن ہوجاتے ہیں۔تعلیمی مقاصد اپنی تہذیب وتمدن کے مطابق ہونا بھی لازم ہے، چونکہ ہمارا معاشرہ اسلامی معاشرہ ہے اس لیے اسلامی تعلیم کو کسی بھی طور پر نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔آنکھ بند ہونے سے پہلے پہلے دنیاوی علوم کی یہ چیزیں ہمارے کام کی ہیں لیکن آنکھ بند ہونے کے بعد ان میں سے کوئی چیز بھی نہ ہماری ضرورت کی ہے اور نہ فائدے کی۔نہ سائنس نہ ٹیکنالوجی کچھ بھی نہیں۔چنانچہ موت کی سرحد پار کر کے جو چیزیں ہماری کام آئیں گی وہ قرآن مجید اور سنت نبویؐ کے مطابق اعمال صالحہ ہیں۔جن لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ یہی دنیا کی زندگی ہے اور بس، ایسے لوگوں کے لیے تو یہی فیوچر ہے۔دس سال، بیس سال، تیس سال جتنا جس کا مقدر ہے۔لیکن کیا ہم مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق ہمارا مستقبل یہی دنیا کی

زندگی ہے؟ اسلامی تعلیمات کے مطابق یہ دنیاوی زندگی تو ہمارے مستقبل کا ایک بہت چھوٹا سا حصہ ہے ۔کیا برزخ کی زندگی ہمارا فیوچر ہے یا نہیں؟ اور پھر حشر کے پچاس ہزار سال بھی ہمارا فیوچر ہے یا نہیں؟ یہ مدارس اور دینی درس گاہیں ہی ہمارے اصل مستقبل کی ہمیں تعلیم دیتی ہیں ۔ اِس دنیا کی تعلیم بھی ضروری ہے اور اس کے بعد کی زندگی کی تعلیم بھی ضروری ہے ۔جتنا عرصہ ہم نے اس دنیا میں رہنا ہے اس قدر تعلیم یہاں کے لیے ضروری ہے اور جتنا عرصہ ہم نے اگلی دنیا میں رہنا ہے اسی قدر تعلیم و تیاری وہاں کے لیے ضروری ہے ۔

راقم کے مضمون یکساں نصاب تعلیم یا مغربی ایجنڈا؟ کا مقصد دنیاوی تعلیم کی مخالفت کرنا نہیں ہے لیکن اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ کسی قوم کا نظامِ تعلیم ہی اس کی تہذیب وتمدن کا صحیح آئینہ دار ہوتا ہے اور چونکہ ہماری موجودہ تعلیم کا ڈھانچہ خدا کو نہ ماننے والے تہذیب کے پجاریوں کے ہاتھوں وضع ہوا اس لئے اس کا یہاں اپنے تمام برگ و بار کے ساتھ آنا ضروری تھا جس کا نتیجہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہماری سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں رائج شدہ نظامِ تعلیم ہمارے لئے زہر ہلاہل ثابت ہو رہا ہے جو طلبہ کو نہ صرف دین سے برگشتہ کرتا رہتا ہے بلکہ انجام کار طلباء کو ملحد بنا کر چھوڑتا ہے کیونکہ اکثر و بیشتر نصابی اور امدادی کتب غیر مسلم مصنفین اور ان کے مولدین کی مرتبہ ہوتی ہیں جنہیں دین سے کوئی مس نہیں ہوتا۔اور اسلامی افکار واخلاق سے بھی وہ بالکل کورے ہوتے ہیں ۔اندریں حالات جدید تعلیم یافتہ طبقے کے بیشتر افراد اگر اکھڑ مزاج، بے ادب، من چلے ترش رو، آزاد رو اور اساتذہ اور والدین سے گستاخی سے پیش آنے والے والدین تک کو نظر انداز کرنے والے ہیں تو کچھ تعجب کی بات نہیں ۔افسوس ہے کہ ہم نے صحیح مقصد اور منزل سے صرفِ نظر کر کے صرف ایک سفلی مقصد ہی سامنے رکھا اور وہ ہے حصولِ معاش ۔لیکن موجودہ تعلیم معاشی تحفظ دینے میں بھی تو ناکام ہو چکی ہے ۔ چنانچہ فی الوقت جتنی بے روزگاری تعلیم یافتہ طبقے میں ہے شاید ہی کسی طبقے میں موجود ہو۔

باقی رہی بات مدارس میں دنیاوی تعلیم کی میٹرک تک کی بنیادی تعلیم تو تقریباً ہر مدرسہ میں دی

جاتی ہے۔ بعض مدارس نے تو یہ تجربہ بھی کیا کہ دونوں تعلیم ایک مخصوص نظم کے تحت ریگولر کروائی جائیں۔ 8 سالہ درس نظامی کے نصاب کو چار سال کی مدت میں محدود کر کے ایم اے، ایم ایس، ایم بی اے سمیت عصری علوم کے اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد کو درس نظامی کی تعلیم دینے کا سلسلہ شروع کیا ہوا ہے، جبکہ مدارس سے فارغ التحصیل علماء کے لئے جدید علوم پر مشتمل شارٹ کورس متعارف کروائے ہیں۔ اسی طرح ان دینی مدارس سے فارغ ہونے والے گریجویٹ علماء کیلئے جو ایف اے کی ڈگری رکھتے ہیں ہیں، بی اے اور گریجویٹ علماء کیلئے ایم بی اے کی کلاسیں بھی شروع کی ہوئی ہیں۔ سوال یہ بھی ہے کہ عصری تعلیمی اداروں نے کتنے علماء، مفتی اور فقیہ پیدا کیے ہیں؟ کالج یونیورسٹیوں کے کونسے فضلاء کی کھیپ ہیں جو عالمی سطح پر خدماتِ جلیلہ سرانجام دے رہی ہے؟

یہ کہاں کا انصاف ہے کہ دینی مدارس سے ڈاکٹرز، انجینئر، وکیل، ماہرِ معاشیات، کمپیوٹر انجینئر، حساب داں اور سائنس داں پیدا نہ کرنے کا گلہ کیا جائے؟ کیا دینی مدارس اس کام کے ذمہ دار ٹھہرائے جاسکتے ہیں؟ اور ان سے یہ شکوہ کیا جاسکتا ہے؟ جو دانشور دینی مدارس اور ان کا نظام و نصاب یکسر تبدیل کرنے کی باتیں کرتے ہیں، ان کی خدمت میں مفکر پاکستان علامہ اقبالؒ کے یہ کہنا کافی ہونا چاہئے کہ:

''ان مدرسوں کو اسی حال پر رہنے دو۔ غریب مسلمانوں کے بچوں کو انہیں مدارس میں پڑھنے دو۔ اگر یہ ملا اور درویش نہ رہے تو جانتے ہو کیا ہوگا؟ جو کچھ ہوگا، میں اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ آیا ہوں۔ مدرسوں کے اَثر سے محروم ہو گئے تو بالکل اسی طرح ہوگا جس طرح اندلس میں کی گئی آٹھ سو سالہ اسلامی حکومت کے باوجود آج غرناطہ اور قرطبہ کے کھنڈرات اور الحمراء کے نشانات کے سوا اسلام کے پیروکاروں اور اسلامی تہذیب کے آثار کا کوئی نقش نہیں ملتا۔''

اور مدارس کا ایک خاص امتیاز یہ ہے کہ اس نے اپنا فیض پہنچانے میں کسی خاص طبقہ یا کسی خاص جماعت کو دوسرے طبقہ یا جماعت پر فوقیت نہیں دی بلکہ اس نے اپنے دروازے امیر اور غریب سب کے لیے یکساں طور پر کھلے رکھے، اتنا ہی نہیں بلکہ غریبوں میں تعلیم کو عام کرنے میں سب سے بڑا کردار

مدارس ہی کا ہے، چنانچہ اگر سروے کیا جائے تو یہی نتیجہ نکلے گا کہ آج اسکولوں کی بہ نسبت مدارس میں غریب طلبہ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

دیہی علاقوں میں تعلیم و تعلم کا نظم جتنا مدارس نے کیا ہے اتنا کسی دوسرے سرکاری یا غیر سرکاری اداروں نے نہیں کیا، مدارس کے فارغین نے اسلامی تعلیم کو عام کرنے، مسلمانوں سے جہالت کو دور کرنے اور مسلم گھرانوں کو علم کی روشنی سے منور کرنے کے لیے نہ صرف بڑے شہروں یا قصبوں پر توجہ دی ہے بلکہ گاؤں اور دیہاتوں کا بھی رخ کیا ہے، تا کہ کوئی بھی گوشہ علم دین سے خالی نہ رہ جائے۔ بڑے بڑے شہروں اور قصبوں میں مدارس کے زیر انتظام دارالقضاء اور دارالافتاء قائم کئے گئے ہیں جہاں مسلمانوں کے عائلی مسائل قرآن وسنت کی روشنی میں حل کئے جاتے ہیں۔ دارالافتاء کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ لاکھوں لوگ عدالتوں اور کورٹ کچہریوں کا چکر لگانے سے بچ گئے۔ اسی کے ساتھ دوسرا اہم فائدہ اصحاب معاملہ کو یہ ہوا کہ کسی معاوضہ کے بغیر دارالافتاء کے ذریعہ ان کے مسائل جلد حل ہو گئے۔

ہر قوم کی ایک تہذیب ہوتی ہے اور یہ تہذیب ہی اس قوم کی شناخت اور اس کے وجود کا سبب ہوتی ہے۔ مدارس اسلامیہ نے مسلمانوں کو اسلامی تہذیب و تمدن پر قائم رہنے کی نہ صرف تلقین کی ہے بلکہ عمل کر کے اس کو محفوظ رکھنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ آج عالمی سطح پر دشمنان اسلام کا مقصد ہے کہ اسلامی تہذیب کو ختم کر کے مسلمانوں پر اپنی تہذیب تھوپ دیں۔ مدارس اسلامیہ اور علماء کرام ان کے مقصد کی تکمیل میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں، لہٰذا دشمنان اسلام مدارس کو بدنام کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا۔

دنیا کے اطراف واکناف میں مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے مختلف ناموں سے چلنے والی جماعتوں اور تنظیموں میں بھی مدارس کا اہم رول ہے۔ آج مسلمانوں کی سیاسی، سماجی اور تعلیمی سطح پر خدمت انجام دینے والی تنظیموں کی سرپرستی زیادہ تر فضلاء مدارس ہی کر رہے ہیں۔ تعلیم کے ساتھ ساتھ نوجوان طلبہ کی تربیت اور ان کی اصلاح میں مدارس کا رول اہم ہے، چنانچہ مدارس میں طلوع صادق کے وقت جاگنے

سے لے کرعشاء کے بعد سونے تک سبھی طلبہ کے کھانے پینے، پڑھنے لکھنے، کھیلنے کودنے اور دیگر ضروری امور کی پابندی نہایت منظم طریقہ سے کرائی جاتی ہے۔شریعت کی تعلیمات کے مطابق ان کی تربیت اور ذہن سازی کی جاتی ہے اوران کو معاشرت کے اصول وآداب بھی بتائے جاتے ہیں تاکہ مدرسہ سے فارغ ہونے کے بعد گھراور سماج میں ایک باوقاراور مثالی زندگی گزارسکیں۔مدارس میں جو کچھ پڑھایا جاتا ہے وہ اس قدر جامع ہوتا ہے کہ اس کو مزید سمجھنے کے لئے طلبہ کو الگ سے ٹیوشن کی ضرورت پیش نہیں آتی اور اگر درس کے دوران کوئی مسئلہ سمجھ میں نہیں آتا تو طلبہ بعد میں بھی بغیر کسی معاوضہ کے اساتذہ سے رجوع کرلیتے ہیں۔

برصغیر میں قائم مدارس ومکاتب میں لاکھوں کی تعداد میں لوگ روزگار سے جڑے ہوئے ہیں اور وہ کم تنخواہ کے باوجود قناعت کرتے ہیں۔غرضیکہ علماء کرام نے مساجد ومدارس ومکاتب کے ذریعہ بچہ کی ولادت کے وقت کان میں اذان دینے سے لے کرنماز جنازہ پڑھانے تک امت مسلمہ کی دینی وتعلیمی وسماجی رہنمائی کے لئے ایسی خدمات پیش کی ہیں کہ ایک مسلمان بھی ایسا نہیں مل سکتا جوان خدمات سے مستفیض نہ ہوا ہو۔

گستاخ رسول ﷺ کی سزا

مرد مجاہد غازی محمد خالد پٹھان صاحب حفظہ اللہ نے کس کو قتل کیا اور کیوں قتل کیا؟ ملزم نے دعوی نبوت کیا تھا اور اس پہ اس کے بیانات بھی تھے قتل کی وجہ قادیانی ہونا نہیں بلکہ دعوی نبوت کرنا اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب کرنا تھا اور فیس بک اور وٹس ایپ پر نوجوانوں کو گمراہ کرتا تھا، یوٹیوب پر اس لعین کے بہت سارے وڈیوز موجود ہیں جو کہ اسکی غلیظ ذہنیت کی عکاسی کرتے ہیں۔مقتول کا نام طاہر قادیانی تھا اور 2018 میں تھانہ سربند میں اس کے خلاف مقدمہ درج کیا گیا تھا۔دو سال سے مقدمہ کی پیروی ہوتی رہی لیکن پیشی پر پیشی ہونے کی وجہ سے کیس آگے نہ بڑھ سکا، این جی اوز نے اس ملزم کے حق میں مظاہرے بھی کیئے اور اسکی طرف سے فریق بھی بنے، آج دو سال میں 13 ویں پیشی تھی جس میں ایک مرد مجاہد نے اسکے سر میں گولی مار کر قتل کر دیا یہ بات طے ہے کہ اسلام کسی فرد کو قانون اپنے ہاتھ میں لینے کی اجازت نہیں دیتا تو پھر لوگ کیوں قانون کو ہاتھ میں لے لیتے ہیں! آخر کیوں؟؟؟ وہ اس لئے کہ جب عدالتیں گستاخوں کو تاریخوں پر تاریخیں دیں، ججوں کے قلم یورپ سے فیصلہ آنے کا انتظار کریں اور آخر میں حکمران طبقہ گستاخ کو ہڈی ملنے پر یورپ بھجوادیں اور جب ججوں کے قلم بک جائیں تو وہاں غازیوں کی تلواریں خود فیصلے کرتی ہیں۔ظاہر سی بات ہے عوام الناس کا اعتماد ہمارے موجودہ نظام عدل سے بالکل اٹھ گیا ہے اب وہ وقت آگیا ہے کہ ہر شخص فوری انصاف کا طالب ہے اگر 295 سی کو ختم ہی کر دیا گیا تو پھر تو ہر نوجوان فوری فیصلہ کرے گا اس پہ سب ارباب اقتدار کو سوچنا ہوگا اور یہ بات بھی طے ہے کہ عزت اُسی کی ہوگی جو حضور ﷺ کی اہل بیت وصحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عزت کی بات کرے گا۔اور اس واقعہ سے ایک

بات پوری دنیا پر عیاں ہوگئی ہے کہ مسلمان چاہے کتنا ہی کمزور عقیدے والا اور کتنا ہی گنہگار کیوں نہ ہو، لیکن اپنے پیارے نبی خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی برداشت نہیں کرسکتے ۔لفظ خاتم النبیین پر لڑکھڑاتی زبان والوں کو بھی یہ بات ذہن نشین کرلینی چاہیئے کہ پاکستان کے بائیس کروڑ عوام ناموس رسالت پر تن من دھن قربان کرنے کو تیار ہیں ۔

گستاخانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ناموسِ رسالت پر کیچڑ اُچھالنے والوں کو قرآنِ کریم، سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اجماعِ صحابہ، اجماعِ اُمت اور قیاسِ صحیح کی رو سے کافر قرار دیا گیا ہے اور نبی خاتم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت پہنچانے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مذاق اُڑانے اور استہزا کرنے والوں کی سزا قتل طے پائی ہے ۔رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اِستہزا و مذاق اُڑانا کفر ہے اور سبّ وشتم تو مذاق اُڑانے سے بھی بدترین فعل ہے لہٰذا سنجیدگی سے ہو یا ازراہِ مزاح، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی اور ناموسِ رسالت پر اُنگلی اٹھانے والا کافر ہو جاتا ہے ۔اور ناموسِ رسالت پر حرف گیری کرنے والے کے لئے دنیا و آخرت کی لعنت اور ذلّت ناک عذاب کی قرآن وحدیث میں وعیدیں سنائی گئی ہیں جو ایسے شخص کے کفر کی واضح دلیل ہے، کیونکہ ذلت ناک عذاب قرآنِ کریم میں صرف کفار کے لئے ہی آیا ہے ۔

اللہ تعالیٰ نے اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی اطاعت سے اور اذیّتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی اذیت سے ملا کر قرآن کریم میں بیان فرمایا ہے اور جو شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت دے، اس نے گویا اللہ تعالیٰ کو اذیت دی اور جس نے اللہ تعالیٰ کو اذیت دی وہ کافر حلال الدم ہے ۔تحفظِ ناموسِ رسالت کے لئے جس طرح قرآنِ کریم کی متعدد آیات اس بات کا پتہ دیتی ہیں کہ توہین رسالت کا ارتکاب کرنے والے آدمی کو قتل کردینا ضروری ہے، اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں بے ادبی وگستاخی کرنے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مذاق اُڑانے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استہزا کرنے والوں کے واجب القتل ہونے اور ان کے خون کے رائیگاں جانے کا پتہ بکثرت احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی چلتا ہے ۔سنن ابو داوٗد میں ایک نابینا صحابی رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالیاں دینے والی ایک یہودی عورت کو گلا دبا کر قتل کر دیا تھا اور صبح جب معاملہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے سامنے آیا تو آپ ﷺ نے اُس کا خون رائیگاں قرار دے دیا۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے یہ حدیث ذکر کر کے لکھا ہے کہ یہ اس عورت کے قتل میں نصّ ہے کیونکہ وہ نبی ﷺ کو گالیاں دیا کرتی تھی۔ اور یہ حدیث کسی ایسے مسلمان مرد وزن یا ذمّی کے واجب القتل ہونے کی بھی بالاولیٰ دلیل ہے جو نبی ﷺ کو سبّ وشتم کرے۔ ور یہ بھی قانونِ قدرت ہے کہ جسے اہلِ ایمان اس کی اہانت وگستاخی کی سزا نہ دے سکیں تو اُس سے خود اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کا انتقام لیتا ہے اور وہ ہی کافی ہوجاتا ہے جیسا کہ کسریٰ ایران نے نبی اکرم ﷺ کے مکتوبِ گرامی کو چاک کیا تھا، اللہ تعالیٰ نے اس کے پورے خاندان کو ملیامیٹ کر دیا اور اس کی حکومت تو کیا رہتی، اچھائی سے نام لیوا بھی کوئی نہ بچا تھا۔ اس لئے نبی اکرم ﷺ کے شاتم وگستاخ اور دریدہ دہن کی سزا قتل ہے اور اس پر تمام صحابہ کرام کا اجماع واتفاق ہے اور اس مسئلہ میں صحابہ کرام اور تابعین کے اس اجماع کے خلاف کسی ایک بھی صحابی یا تابعی کا کوئی اختلاف قطعاً ثابت نہیں ہے۔

اب رہے بعض لادین عناصر یا لبرل کہلوانے والے تو وہ اسے ایک جذباتی مسئلہ سمجھتے اور گستاخِ رسول ﷺ کے قتل کی سزا کو شدت پسندی قرار دیتے ہیں حالانکہ ایسا نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ شاتم وگستاخِ رسول ﷺ کو قتل کرنے کا مسئلہ جذباتی نہیں بلکہ خالص شرعی وعلمی مسئلہ ہے، کوئی مسلمان اس بات کو کیسے پسند کرے گا کہ کوئی نبیٔ برحق حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا مذاق اُڑائے، استہزا کرے، سبّ وشتم کا رویہ اپنائے یا گستاخی اور توہین وتنقیصِ رسالت کا ارتکاب کرے؟ اگر کوئی مسلمان اس فعل کا ارتکاب کرے تو وہ کافر و مرتد اور زندیق ہوجائے گا اور اگر کوئی کافر ایسا کرتا ہے تو وہ بھی اس جرمِ توہین وتنقیص کا مرتکب قرار پائے گا اور اسلامی حکومت پر واجب ہے کہ ایسے شخص کو سزائے موت دے۔

عیدالاضحیٰ کی نماز کا طریقہ اور مسنون اعمال

اسلام نے سال بھر میں عید کے صرف دو دن مقرر کئے ہیں ۔ایک عید الفطر کا دن اور دوسرا عید الاضحیٰ کا اور ان دونوں عیدوں کو ایسی اجتماعی عبادات کا صلہ قرار دیا ہے جو ہر سال انجام پاتی ہیں ۔اسی لئے ان عبادات کے بعد ہر سال یہ عید کے دن بھی آتے رہتے ہیں ۔عید الفطر تو رمضان المبارک کی عبادات فاضلہ صوم وصلوٰۃ وغیرہ کی انجام دہی کے لئے توفیق الٰہی کے عطا ہونے پر اظہار تشکر ومسرت کے طور پر منائی جاتی ہے اور عید الاضحیٰ اس وقت منائی جاتی ہے جبکہ مسلمانان عالم اسلام کی ایک عظیم الشان اجتماعی عبادت یعنی حج کی تکمیل کر رہے ہوتے ہیں اور ظاہر ہے کہ عبادات کے اختتام اور انجام پانے کی خوشی کوئی دنیوی خوشی نہیں ہے جس کا اظہار دنیاوی رسم ورواج کے مطابق کرلیا جاتا ہے ۔ یہ ایک دینی خوشی ہے اور اس کے اظہار کا طریقہ بھی دینی ہی ہونا چاہئے ۔اس لئے اس میں اظہار مسرت اور خوشی منانے کا اسلامی طریقہ یہ قرار پایا کہ اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ شکر بجالایا جائے اور بطور شکر کے عید الفطر کے دن صدقہ فطر ادا کیا جائے اور عید الاضحیٰ میں بارگاہ خداوندی میں قربانی پیش کی جائے اور اپنے خالق کی کبریائی اور عظمت وتوحید کے گیت گاتے ہوئے عید گاہ میں جمع ہو کر اجتماعی طور پر سجدہ ریز ہوا جائے اور اس طرح اپنے مالک کی توفیق وعنایات کا شکر ادا کیا جائے ۔عید الفطر اور عید الاضحی کی نمازیں ہر اس شخص پر واجب ہیں جس پر جمعہ فرض ہے ۔عیدین دوگانہ یعنی دو رکعتوں والی نماز ہے ۔نمازِ عیدین کا طریقہ وہی ہے جو دیگر نمازوں کا ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ نماز عیدین میں چھ زائد تکبیریں کہی جاتی ہیں ۔عید کی نماز کا وقت بقدر ایک نیزہ آفتاب بلند ہونے کے بعد (جس کا اندازہ پندرہ بیس منٹ ہے) اشراق کی نماز کے وقت کے

ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے اور زوال یعنی سورج کے ڈھلنے تک رہتا ہے۔(درمختار)☆......نماز عید سے پہلے اس روز کوئی نفلی نماز پڑھنا عید گاہ میں بھی اور دوسری جگہ بھی مکروہ ہے اور نماز عید کے بعد صرف عید گاہ میں نفل پڑھنا مکروہ ہے نماز عید کے بعد دوسری جگہ نفل پڑھے جاسکتے ہیں یہ حکم عورتوں اور ان لوگوں کے لئے بھی ہے جو کسی وجہ سے نماز عید نہ پڑھ سکیں۔(شامی)☆...... نماز عید سے پہلے نہ اذان کہی جاتی ہے نہ اقامت(درمختار)

نماز کا طریقہ:...... پہلے اس طرح نیت کرے کہ میں دو رکعت واجب نماز عید چھ واجب تکبیروں کے ساتھ پڑھتا ہوں اور مقتدی امام کی اقتداء کی بھی نیت کرے۔ نیت کے بعد تکبیر تحریمہ اللہ اکبر کہتے ہوئے دونوں ہاتھوں کو کانوں تک اٹھا کر ناف کے نیچے باندھ لے اور سبحانک اللھم آخر تک پڑھ کر تین مرتبہ اللہ اکبر کہے اور ہر مرتبہ تکبیر تحریمہ کی طرح دونوں ہاتھوں کو کانوں تک اٹھائے اور دو تکبیروں کے بعد ہاتھ چھوڑ دے اور تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ باندھ لے۔ ہاتھ باندھنے کے بعد امام اعوذ باللہ، بسم اللہ پڑھ کر سورۃ فاتحہ اور کوئی سورۃ پڑھے اور مقتدی خاموش رہے پھر رکوع سجدہ کے بعد دوسری رکعت میں پہلے امام فاتحہ اور سورۃ پڑھے اور اس کے بعد رکوع سے پہلے تین مرتبہ پہلی رکعت کی طرح تکبیریں کہی جائیں۔ اور تیسری تکبیر کے بعد بھی ہاتھ نہ باندھے جائیں، پھر ہاتھ اٹھائے اور پھر چوتھی تکبیر کہہ کر رکوع کیا جائے مقتدی بھی امام کے ساتھ ہاتھ اٹھا اٹھا کر تکبیر کہے اور باقی نماز دوسری نمازوں کی طرح پوری کی جائے۔(مراقی الفلاح)

عید کی سنتیں:......

☆......غسل کرنا۔☆......مسواک کرنا۔☆......حسب طاقت عمدہ کپڑے پہننا۔☆......خوشبو لگانا۔☆......صبح کو بہت جلد اٹھنا۔☆......عید گاہ میں بہت جلد جانا۔☆......عید الاضحیٰ کی نماز سے پہلے کچھ نہ کھانا مستحب ہے۔ اگر قربانی کا گوشت میسر ہو تو نماز عید کے بعد اس کا کھانا مستحب ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے بندوں کی ضیافت ہے۔ لیکن اگر کچھ کھا لیا تب بھی کوئی حرج نہیں۔☆......نمازِ عید

کے لئے تکبیر تشریق اللہ اکبر، اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر، اللہ اکبر اللہ اکبر و للہ الحمد کہتے ہوئے جانا۔عیدالاضحی میں با آواز بلند اور عیدالفطر میں آہستہ کہنی چاہئے ۔☆......عیدین کی نماز کسی بڑے میدان میں ادا کرنا سنت ہے۔لیکن بڑے شہر یا اس جگہ جہاں زیادہ آبادی ہو ایک سے زائد مقامات پر عیدین کے اجتماعات بھی درست ہیں اور میدان کی بھی شرط نہیں ۔بڑی مساجد میں بھی یہ اجتماعات صحیح ہیں جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے ۔اس کی اہم وجہ یہ ہے کہ اگر کسی ایک جگہ اجتماع ہو گا تو بہت سے لوگ نماز عید سے محروم رہ جائیں گے، کچھ تو حقیقی مشکلات کی وجہ سے اور کچھ اپنی سستی کے باعث ۔☆......ایک راستہ سے عیدگاہ میں جانا اور دوسرے راستہ سے واپس آنا۔☆......سواری کے بغیر پیدل عیدگاہ میں جانا۔(نورالایضاح)

اس میں شک نہیں کہ عید خوشی کا دن ہے،جس میں لوگ زیب و زینت کرتے ہیں،لیکن خوشیوں کے اس دن اخلاقی حدود کو پامال کرنا کسی مسلمان کو زیب نہیں دیتا۔عید اللہ رب العزت کے فضل کی شکر گزاری اور اس کے اعتراف کا نام ہے اور عید کے دن بلا عذر شرعی نمازوں کا ترک کرنا اور کوئی نماز ادا نہ کرنا اصلاح طلب عمل ہے نمازوں کی بروقت ادائیگی اہل ایمان کا شیوہ ہے ۔عید کے موقع پر غرباء و مساکین، یتامیٰ و مجبور بےکس طبقات کا خیال رکھنا سچی خوشی کا ذریعہ ہے،ہر مسلمان کو یہ کوشش کرنی چاہیئے کہ وہ سب کے کام آئے ۔محبت کا ذریعہ بنے،اچھے اخلاق اختیار کرے اور اس کے ذریعہ سے اپنے رب کو راضی کر لے ۔

غازی خالد فیصل آپکی جرأت اور استقامت کو سلام

زیر نظر تصویر غازی فیصل خالد کی دستار بندی کی ہے انہوں نے حفظ مکمل کر لیا تھا اور اب درس نظامی کر رہے تھے۔جس دن انہوں نے گستاخ کو مردار کیا اس دن اپنے حلیے کو مکمل بدلا تھا ورنہ غازی فیصل ہر وقت سفید ٹوپی اور سفید کپڑوں میں ملبوس رہتے تھے، اللہ تعالیٰ غازی فیصل حفظہ اللہ کی حفاظت فرمائے اور جلد رہائی کے اسباب پیدا فرمائے۔غازی فیصل مطمئن اور خوبصورت مسکراہٹ کے ساتھ کمرہ عدالت میں مجسٹریٹ کے سامنے پیش ہوا، 14 سال کا یہ غازی کمال کا لڑکا ہے، گھبراہٹ اور خوف چھو کہ نہیں گزری، اس کے والد عبدالغنی کا حوصلہ چوٹیوں سے ٹکرا رہا تھا! مجاہد ختم نبوت غازی خالد خان تیری عظمت تیری جرات تیری بہادری کو سلام! ملعون طاہر کو نشان عبرت بنانے کے واقعہ سے ایک بات پوری دنیا پر عیاں ہو گئی ہے کہ مسلمان چاہے کتنا ہی کمزور عقیدے والا اور کتنا ہی گنہگار کیوں نہ ہو لیکن اپنے پیارے نبی حضرت محمدؐ کی شان میں گستاخی برداشت نہیں کر سکتے حکومت کو یہ بات اچھی طرح ذہین نشین کر لینی چاہیے۔خبر کے مطابق غازی نے گستاخ رسول شخص کو سماعت کے دوران ہی فائرنگ کر کے قتل کیا جبکہ خالد خان کے مطابق مقتول ملعون قادیانی تھا جو غلام احمد قادیانی کو نبی برحق کہنے کے ساتھ ساتھ نبی آخر الزمان ﷺ کی شان میں گستاخی کر رہا تھا۔اس حوالے سے مدعی مقدمہ کا کہنا تھا کہ شاید توہین کا مرتکب یہ قادیانی عدالت سے بچ جاتا مگر مجھے یہ گوارا نہیں تھا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان کے بارے میں کوئی بھی توہین آمیز کلمات کہے، اس لیے میں اپنے کیے پر بالکل بھی پشیمان نہیں ہوں۔اور غازی خالد نے کہا کہ آئین پاکستان اور شریعت میں گستاخِ رسول کی سزا، سزائے موت ہے۔ہم کسی بھی صورت ناموسِ رسالت پر آنچ

آنے پر چپ نہیں رہ سکتے ۔میں نے جو کیا، اس پر مجھے بالکل افسوس نہیں ۔رسول ﷺ کی حرمت پر میرے ماں باپ اور آل اولاد بھی قربان ہے ۔جب ایک صحافی نے غازی خالد کے دادا سے سوال کیا کہ غازی خالد نے قانونی جرم کیا ہے آپ کیا کہتے ہیں اس بارے میں تو بزرگ نے جلال میں آ کر جواب دیا کہ کونسا جرم؟ خدا کی قسم یہ کام میرے پوتے کو نہیں مجھے کرنا تھا مجھے افسوس ہے کہ یہ نیک کام میں نہیں کرسکا اور اگر آئندہ پاکستان کے کسی کونے میں بھی کسی نے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی کی تو میں اس کا سر قلم کردونگا اور وہ دن میرے لیئے عید سے بڑا دن ہوگا۔

دو سال قبل ہی قادیانی ملعون نے رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کی جس کے خلاف دفعہ 295 سی کے تحت مقدمہ بھی درج کیا گیا تاہم 2 سال سے کیس کا فیصلہ نہ ہوسکا اور ہر پیشی کے موقعے پر مقتول ملعون قادیانی حضور ﷺ کی شان میں مبینہ طور پر گستاخانہ کلمات ادا کرتا تھا جس پر مدعی مقدمہ نے بار بار منع کیا۔انصاف میں تاخیر دراصل انصاف سے انکار تصور ہوتا ہے، جب بھی کوئی شخص نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخی کا مرتکب ہوگا، ہر دور میں غازی خالد جیسا گستاخ رسول کو واصل جہنم کرنے کیلئے سر اٹھائے گا، عشق رسول میں جینا اور عشق رسول میں مرنا دین اسلام کا پیغام ہے، یہود و نصاریٰ اور انکے ایجنٹ ہمیں ختم تو کر سکتے پر ہمارے دلوں سے سرکار دو عالم ﷺ کی محبت ختم نہیں کر سکتے ،غازی خالد دہشتگرد نہیں ہے عاشق رسول ہے، غازی خالد نے قتل اس لئے کیا کہ ملک کا قانون حرکت میں نہیں آ رہا تھا اور وہ لعین توہین رسول برملا کئے جا رہا تھا جس سے مسلمانوں کے جذبات مجروح ہو رہے تھے، ہم بحیثیت مسلمان سرکار دو عالم ﷺ کی شان میں گستاخی کسی طور بھی برداشت نہیں کر سکتے یہ ہمارے ایمان کا اہم جز ہے ۔اور ناموس مصطفیٰ ؐ کے تحفظ کی جدوجہد جہاد ہے اور یہ جاری رہے گا، پاکستان اسلام کے لیے بنا تھا اور اسی بنیاد پر قائم و دائم رہے گا، پاکستان ایک نظریے، عقیدے اور لازوال قربانیوں کا نام ہے اگر کوئی اسے اس کے مقصد اور ناموس رسالت ؐ پر اگر کوئی بری نظر ڈالے گا تو اس کا سر تن سے جدا کرنا ہوگا۔حرمت رسول تجارت کا معاملہ نہیں بلکہ ہمارے ایمان اور عقیدے کا معاملہ ہے ۔حکمران اسلام دشمن طاقتوں کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں، پاکستان میں آج تک کسی گستاخِ

رسول کو پھانسی نہیں دی گئی اوراس کے برعکس غازی عبدالقیوم،غازی علم دین،عامر چیمہ شہیداورغازی ممتاز قادری شہید علیہم الرّحمہ جیسے عاشقان رسول کو پھانسیاں دی گئیں جنہوں نے تحفظ ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے لئے اپنی جانیں بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم میں پیش کر دیں.نبی ﷺ کے عاشقوں کو پھانسی کادوہرامعیار ہے۔

جبکہ احادیث کے مطابق ایک ملعون حضور پاک صلی اللہ تعالٰی علیہ والہ وسلم کو گالیاں بکتا تھا تو آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے پوچھا کون اسے قتل کرے گا حضرت خالد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے یہ ذمہ داری قبول کی اوراسے قتل کر دیا۔(الشفاء، جلدنمبر 1,صفح نمبر 62)☆...... ایک عورت حضور پاک صلی اللہ تعالٰی علیہ والہ وسلم کی بے ادبی کیا کرتی تھی تو ایک صحابی نے اس کا گلا گھونٹ کر اسے مار دیا تو حضور پاک صلی اللہ تعالٰی علیہ والہ وسلم نے اس عورت کا خون رائیگاں جانے دیا اور قاتل کو سزا نہیں دی (سنن ابو داؤد حدیث نمبر 4362)☆...... ایک صحابی نے عرض کی کہ میرا باپ آپ کی شان میں گستاخی کرتا تھا تو میں نے اسے مار دیا تو حضور پاک صلی اللہ تعالٰی علیہ والہ وسلم کو اس کے قتل کا کوئی دکھ نہ ہوا (الشفاء جلد نمبر 2,صفح نمبر 195)☆......خلافتِ صدیق اکبر میں ایک عورت نے حضور پاک صلی اللہ تعالٰی علیہ والہ وسلم کی گستاخی میں گانا گایا تو مہاجر بن امیہ نے اس کے دونوں ہاتھ اور زبان کاٹ دی.جب اس کی خبر حضرت صدیق اکبر جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کو ہوئی تو آپ نے فرمایا اگر تم نے یہ نہ کیا ہوتا تو میں اسے قتل کروا دیتا کیونکہ انبیاء علیہم السلام کے گستاخ کی سزا عام سزاؤں کی طرح نہیں ہوتی (الشفاء، جلدنمبر 2,صفح نمبر 196)یہ سب لوگ جن کو صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے قتل کیا گستاخ رسول تھے تو قتل کرنے والے صحابہ کرام کو تو کسی نے ہاتھ بھی نہیں لگایا۔۔اس لئے نبی اکرم ﷺ کے گستاخ کی سزا قتل ہے اوراس مسئلہ میں صحابہ کرام اور تابعین میں کسی کا کوئی اختلاف قطعاً ثابت نہیں ہے۔

رزق کی چابیاں

رزق کے لغوی معنیٰ ”عطا“ کے ہیں خواہ دنیاوی عطا ہو یا اخروی، عربی زبان میں رزق اللہ تعالیٰ کی ہر عطا کردہ چیز کو کہا جاتا ہے۔ مال، علم، طاقت، وقت، اناج سب نعمتیں رزق میں شامل ہے۔ غرض ہر وہ چیز جس سے انسان کو کسی نہ کسی رنگ میں فائدہ پہنچتا ہو وہ رزق ہے۔ رزق کے ایک معنی نصیب بھی ہیں۔ جو غذا پیٹ میں جائے اس کو بھی رزق کہتے ہیں۔ ذیل میں چند اعمال اور اوراد و وظائف قرآن وسنت کی روشنی میں ذکر کیئے جاتے ہیں:

پہاڑ کے برابر قرض اتارنے کی ایک نبوی دعا:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو کہا کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دعاء سکھائی ہے. میں نے کہا کہ وہ کیا انہوں نے کہا کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام اپنے اصحاب کو سکھلاتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر تم میں سے کسی پر پہاڑ کے برابر قرضہ ہوگا یہ دعا کرو گے تو اللہ تعالیٰ پورا کردے گا۔ دعا یہ ہے: "اَللّٰھُمَّ فَارِجَ الھَمِّ وَ کَاشِفَ الغَمِّ مُجِیبَ دَعوَةِ المُضطَرِّینَ رَحمٰنَ الدُّنیَا وَالاٰخِرَةِ وَرَحِیمَھُمَا اَنتَ تَرحَمُنِی فَارحَمنِی بِرَحمَةٍ تُغنِینِی بِھَا عَن رَّحمَةِ مَّن سِوَاكَ" (حاکم، ابن مردویہ، عن ابی بکر الصدیق) ترجمہ: ”اے اللہ! فکرمندی دور فرمانے والے غم کے ہٹانے والے جو لوگ مجبور حال ہوں ان کی دعاؤں کے قبول فرمانے والے تو مجھ پر رحم فرماتا ہے پس تو مجھ پر رحم فرما، ایسی رحمت کے ساتھ جس کے ذریعے تو مجھے بے نیاز فرما دے دوسروں کے رحم کرنے سے“۔

تنگ دستی اور قرض کیلئے عمل:

بعد نماز عشاء تنہا بیٹھ کر یَاوَهَّابُ چودہ سو چودہ بار پڑھ کر یہ دعاء ایک سو مرتبہ پڑھا کریں: "یَاوَهَّابُ هَبْ لِی مِن نِّعْمَةِ الدُّنیَا وَالْاٰخِرَةِ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ" اول وآخر تین مرتبہ درود شریف بھی پڑھیں۔ (ملفوظات شیخ الاسلام ص330)

رزق میں برکت کیلئے ایک مجرب عمل:

مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ جو شخص صبح کو ستر مرتبہ پابندی سے یہ آیت پڑھا کرے وہ رزق کی تنگی سے محفوظ رہے گا اور فرمایا کہ بہت مجرب عمل ہے آیت مندرجہ ذیل ہے: اَللّٰهُ لَطِيْفٌ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ۔ (معارف القرآن جلد 7 صفحہ 687)

مال میں برکت پیدا کرنے، زوال سے بچانے کا عمل:

حدیث شریف میں آیا ہے کہ جس کسی کو منظور ہو کہ میرے مال کو زوال نہ ہو اور برکت اور خوشی حاصل ہو تو کہا کرے:

"اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ وَصَلِّ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ"

ترجمہ: (اے اللہ! رحمت نازل فرما اپنے بندے اور اپنے رسول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اور مومن مردوں اور مومن عورتوں پر اور مسلم مردوں اور مسلم عورتوں پر۔

روزی کی کشادگی کیلئے دعاء:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کشائش رزق کیلئے یہ دعاء کرتی تھیں۔ "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ اَوْسَعَ رِزْقِكَ عَلَيَّ عِنْدَ كِبَرِ سِنِّيْ وَانْقِطَاعِ عُمْرِيْ"

ترجمہ: "اے اللہ تو میری روزی کو کشادہ کردے میرے بڑھاپے اور میری عمر کے ختم ہونے تک"۔ (جامع صغیر جلد 1 صفحہ 57 ترغیب جلد 4 صفحہ 586)

اَللّٰھُمَّ ابسُط عَلَینَا مِن بَرَکَاتِكَ وَرَحمَتِكَ وَفَضلِكَ وَرِزقِكَ۔

ترجمہ: "اے اللہ آپ ہم پر اپنی برکتوں اپنی رحمتوں اپنے فضل اور اپنے دیئے ہوئے رزق میں فراغت اور فراخی نصیب فرمائیے"۔ (الحزب الاعظم صفحہ 60)

مال وتجارت میں برکت ہونے کی دعاء:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبیر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ کیا تو چاہتا ہے کہ جب تو سفر کیلئے نکلے تو اپنے ساتھیوں سے حالت اور سہولت میں بہتر ہو اور توشے میں ان سے بڑھ کر ہو؟ انہوں نے عرض کیا ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم ان پانچوں سورتوں کو پڑھ لیا کرو۔ یعنی: (1) قُل یٰٓاَیُّھَا الکٰفِرُونَ (2) اِذَا جَآءَ نَصرُ اللہِ۔ (3) قُل ھُوَ اللہُ اَحَد (4) قُل اَعُوذُ بِرَبِّ الفَلَقِ۔ (5) قُل اَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ہر ایک سورۃ کو بسم اللہ سے شروع کرو اور بسم اللہ پر ختم کرو۔ حضرت جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ان سورتوں کی برکت سے میں بہت مال دار ہو گیا جیسا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا ویسا ہی ہو گیا۔ (مسند ابویعلیٰ)

بہترین دعا:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص روزانہ سو مرتبہ یہ دعا پڑھے: ۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ المَلِكُ الحَقُّ المُبِینُ۔ (کنز العمال) تو یہ کلمات اس کیلئے فقر و فاقہ سے حفاظت کا ذریعہ ہوں گے اور قبر کی وحشت و تنہائی میں انسیت کا باعث ہوں گے اور ان کلمات کی برکت سے پڑھنے والا غناء (ظاہری و باطنی) حاصل کرلے گا اور قیامت کے دن وہ ان کلمات کی برکت سے جنت کے دروازے پر دستک دے گا"۔ اس حدیث سے معلوم ہوا روزانہ سو بار پڑھنے والے کو چار بہت

بڑے بڑے فائدے حاصل ہوں گے ان میں سے ہر فائدہ ایسا ہے جس کا ہر شخص محتاج ہے۔لہٰذا ہر شخص کو ہر روز اس کی ایک تسبیح پڑھ لینی چاہیے۔وہ فوائد یہ ہیں:......

☆......فقروفاقہ اور معاشی تنگی دور ہونا☆......قبر کی وحشت دور ہو کر راحت وانسیت حاصل ہونا۔☆......غناءظاہری و باطنی نصیب ہونا۔☆......جنت کے دروازے پر دستک دینے اور جنت میں داخل ہونے کی سعادت ملنا۔

توبہ اور استغفار:......

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔۔"جو شخص کثرت سے توبہ واستغفار کرتا ہے،اللہ تعالیٰ اسے ہر غم سے نجات اور ہر تنگی سے کشادگی عنایت فرماتا ہے اور اسے ایسی راہوں سے رزق عطا فرماتا ہے،جو اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوتا۔" (ابوداؤد: 1518)روایات میں آتا ہے کہ روزانہ تین سو بار استغفراللہ پڑھنے والے کو کثرت سے توبہ واستغفار کرنے والوں میں شامل کیا جاتا ہے۔

تقوٰی:......

اللہ عزوجل فرماتے ہیں:...... جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے چھٹکارے کی شکل نکال دیتا ہے۔اور اسے ایسی جگہ سے روزی دیتا ہے جس کا اسے گمان بھی نہ ہو اور جو شخص اللہ پر توکل کرے گا اللہ اسے کافی ہوگا۔اللہ تعالیٰ اپنا کام پورا کر کے ہی رہے گا۔اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔ (سورۃ الطلاق)

اللہ پر توکل:......

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:......"اگر تم اللہ پر اس طرح بھروسہ کرو جس طرح بھروسہ کرنے کا حق ہے تو وہ تمھیں ایسے ہی رزق دے گا جیسے وہ پرندوں کو رزق دیتا ہے جو صبح کے وقت

خالی پیٹ نکلتے ہیں اور شام کے وقت پیٹ بھر کر واپس آتے ہیں۔"[احمد والترمذی وابن ماجہ۔بحوالہ صحیح الجامع للالبانی:5254]۔

صلہ رحمی:......

رسول مقبول صل اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:......جو شخص اپنے رزق میں کشادگی اور عمر میں اضافہ پسند کرے وہ صلہ رحمی کرے حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ ریاض الصالحین کی شرح میں لکھتے ہیں صلہ رحمی کے اخروی اجروثواب کے علاوہ یہ دو بڑے فائدے ہیں:......جو انسان کو حاصل ہوتے ہیں رزق میں اضافے سے مراد یا تو فی الواقع مقدار میں زیادتی ہوتی ہے جو اللہ کی طرف سے کر دی جاتی ہے یا پھر مراد اس کے رزق میں برکت ہے،اسی طرح عمر کا مسئلہ ہے یا تو یہ حقیقی طور پر زائد کر دی جاتی ہے،یا مراد اس سے بھی اُس کی عمر میں برکت ہے یعنی اُس کی زندگی بہر پہلو فوائد سے لبریز ہوتی ہے۔

کفایت شعاری:......

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔"خرچ کرنے میں کفایت شعاری اور میانہ روی کرنا نصف معیشت ہے۔" انسان کو اپنی چادر دیکھ کر پاؤں پھیلانے چاہییں۔جس چیز کے بغیر گزارا ہو سکتا ہے اس سے بچ جانا کفایت شعاری ہے۔لیکن اپنے اور اپنے اہل وعیال پر ضروری خرچ کرنے میں کنجوسی کرنا بھی غلط ہے۔بے اعتدالی اور افراط وتفریط سے بچنا ہماری زندگی کا معمول اور اصول ہونا چاہیے۔

شرعی علوم کے حصول کے لیے وقف ہونے والوں پر خرچ کرنا:......

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:......رسول اللہ صل اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں دو بھائی تھے.ایک علم کے حصول کے لیے رسول اللہ صل اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوتا اور دوسرا حصول معاش کے لیے محنت کرتا محنت کرنے والے نے اپنے بھائی کی شکایت جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں کی آپ صل اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:......شاید کہ تمہیں اُسی کی وجہ سے

رزق دیا جاتا ہو۔(سنن الترمذي)

کمزوروں کے ساتھ احسان کرنا:......

سیدنا مصعب بن سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے خیال کیا کہ اُنہیں اپنے سے کمزور لوگوں پر برتری حاصل ہے تو جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:...... تمہاری مدد صرف تمہارے کمزوروں کی وجہ سے کی جاتی ہے اور انہی کی وجہ سے تمہیں رزق دیا جاتا ہے۔ (صحیح بخاری)

غریبوں، یتیموں، مسکینوں اور کمزوروں کے ساتھ اچھا برتاؤ بھی رزق میں اضافے کا ذریعہ ہے۔ ان لوگوں کی دامے، درہمے، قدمے اور سخنے مدد کرتے رہنا چاہیے کیونکہ یہ اللہ کی خوشنودی کا باعث ہے۔

اللہ سے تجارت:......

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے:......" جب تم دنیا کی مفلسی سے تنگ آجاؤ اور روزی کا کوئی رستہ نہ نکلے تو صدقہ دے کر اللہ سے تجارت کرلیا کرو۔"

یہ بات قرآن اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت شدہ ہے کہ صدقہ کرنے سے رزق میں کشادگی پیدا ہوتی ہے۔اپنی آمدنی یا فروخت میں سے مخصوص دو سے دس فی صد تک اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے کبھی معاشی تنگ دستی نہیں ہوتی۔

پاکیزہ زندگی:......

جسمانی اور روحانی طور پر صاف ستھری اور پاکیزہ زندگی بھی رزق میں اضافے کا باعث بنتی ہے۔ ہمیں ہر حال میں ظاہری اور باطنی پراگندگی سے خود کو بچانا چاہیے اور کوشش کرنی چاہیے کہ ہر وقت باوضو رہیں۔

اس کے علاوہ دیگر کتب میں تنگ دستی بے برکتی کے مندرجہ ذیل اسباب کا بھی ذکر کئے گئے ہیں

(واللہ اعلم) ہمیں ان سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔مثلاً:......

رزق کی بے حرمتی سے بچنا:......

حضرت عائشہ صدیقہ رضی للہ عنہا فرماتی ہیں، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم اپنے مکانِ عالیشان میں تشریف لائے، روٹی کا ٹکڑا پڑا ہوا دیکھا، اس کو لے کر صاف کیا، پھر کھالیا اور فرمایا، عائشہ (رضی للہ عنہا) اچھی چیز کا احترام کیا کرو کہ یہ چیز (یعنی رزق اور روٹی) جب کسی قوم سے بھاگی ہے، لوٹ کر نہیں آئی۔

جو رزق کو ضائع ہونے سے بچاتا ہے اس کے رزق میں اضافہ اور برکت پیدا ہو جاتی ہے۔اپنی روزمرہ زندگی اور تقریبات میں اپنے کھانے کو ضائع ہونے سے بچانا ہماری ذمہ داری اور ضرورت ہے۔ اگر کچھ کھانا بچ جائے تو اسے جانوروں یا پرندوں کے لیے اونچی جگہ رکھ دینا چاہیے۔

اسی طرح بغیر ہاتھ دھوئے کھانا کھانا۔☆...... دروازے پر بیٹھ کر کھانا۔☆......میت کے قریب بیٹھ کر کھانا۔☆...... جنابَت (یعنی جماع یا احتلام کے بعد غسل سے قبل) کھانا کھانا۔☆...... چارپائی پر بغیر دسترخوان بچھائے کھانا۔☆...... دسترخوان پر لگائے ہوئے کھانے میں دیر کرنا۔☆...... چارپائی پر خود سرہانے بیٹھنا اور کھانا پائینتی (یعنی جس طرف پاؤں کیے جاتے ہیں اس حصے) کی جانب رکھنا۔☆...... دانتوں سے روٹی کُترنا، (برگر، وغیرہ کھانے والے بھی احتیاط فرمائیں)۔☆......کھائے ہوئے برتن صاف نہ کرنا۔☆......جس برتن میں کھانا کھایا اُسی میں ہاتھ دھونا۔☆......☆......کھانے پینے کے برتن کُھلے چھوڑ دینا، (کھانے پینے کے برتن بسم اللہ کہہ کر ڈھانک دینے چاہییں کہ بلائیں اُترتی ہیں اور خراب کر دیتی ہیں پھر وہ کھانا اور مشروب بیماریاں لاتا ہے)۔☆......روٹی یا کھانے والی چیز کو ایسی جگہ رکھنا کہ بے ادبی ہو اور پاؤں میں آئے۔☆......زیادہ سونے کی عادت (اس سے جہالت بھی پیدا ہوتی ہے)۔☆...... بے حیائی کے ساتھ پیشاب کرنا (لوگوں کے سامنے عام راستوں پر بلاتکلّف پیشاب کرنے والے غور فرمائیں)۔☆...... دسترخوان پر گرے ہوئے دانے اور کھانے کے ذرے وغیرہ اُٹھانے میں سُستی کرنا۔☆......گھر میں کپڑے سے جھاڑو لگانا۔☆......مَشائخ، والدین اور بزرگوں کے آگے

چلنا۔☆...... والدین کو ان کے نام سے پُکارنا۔☆...... بیتُ الخَلا میں وضو کرنا۔☆...... اپنے یا بچوں کے چہرے کو لباس (قمیص کے اگلے پچھلے دامن، آستین یا شلوار کے پائنچے یا آنچل) سے خشک کر لینا۔☆...... گھر میں مکڑی کے جالے لگے رہنے دینا۔☆...... نَماز میں سُستی اور کاہلی کرنا۔☆...... نَمازِ فَجر کے بعد مسجد سے جلدی نکل جانا۔ (نماز کے بعد بیٹھ کر تھوڑی دیر ذکر کرنا چاہیے)۔☆......☆...... دیر گئے بازار سے آنا۔☆...... اپنی اولاد کو کوسنا (برا بھلا کہنا، لعنت ملامت کرنا اور بددعائیں، گالیاں دینا)۔ (اکثر عورتیں بات بات پر اپنے بچوں کو بددعائیں دیتی ہیں اور پھر تنگدستی کے رونے بھی روتی ہیں)۔☆...... گناہ کرنا خُصُوصاً جھوٹ بولنا۔☆...... ماں باپ کے لیے دعائے خیر نہ کرنا۔☆...... نیک اعمال میں ٹال مٹول کرنا۔☆...... دانت سے ناخن کاٹنا۔☆...... فقیروں سے روٹی کے ٹکڑے یا آٹا خریدنا۔☆...... صبح سورج نکلنے کے بعد تک اور مغرب سے عشاء کے درمیان سونا۔☆...... مالداری اور امارت کے باوجود اولاد اور گھر والوں پر خرچ نہ کرنا۔☆...... مسکین اور فقیر کو جھڑک دینا۔☆...... جھوٹی قسمیں کھانا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب پر اپنا خصوصی رحم و کرم اور فضل نازل فرمائے۔ آمین۔

محترم قارئین کرام! جس طرح حصولِ رزق کے لئے ہم اپنی ملازمت، کاروبار اور تعلیم و تعلم میں جد وجہد اور کوشش کرتے ہیں، جان و مال اور وقت کی قربانیاں دیتے ہیں۔ اسی طرح قرآن وحدیث کی روشنی میں ذکر کئے گئے اِن اسباب کو بھی اختیار کریں، اللہ تبارک وتعالیٰ ہماری روزی میں وسعت اور برکت عطا فرمائے گا، ان شاءاللہ۔

انسان کو ہمیشہ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اصل بے نیاز تو اللہ کی ذات ہے، انسان کی بے نیازی یہ ہے کہ وہ اس غنی ذات کے سوا پوری دنیا سے بے نیاز ہو جائے اور یہ سمجھ لے کہ جو کچھ اسے ملے گا اسی سے ملے گا، غیر کے آگے ہاتھ پھیلانا بے کار ہے۔ خدا کی رزاقیت و کارسازی کا یقین دلوں کو قناعت و طمانینت کی دولت سے مالا مال کرتا ہے۔ قانع شخص کسی کے زر و جواہر پر نظر نہیں رکھتا، بلکہ اس کی نگاہ ہمیشہ پروردگار

عالم کی شان ربوبیت پر رہتی ہے، مال و دولت کی حرص کا خاتمہ نہیں ہوتا، اس لیے قناعت ضروری ہے، کیوں کہ یہی باعث سکون واطمینان ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تونگری مال واسباب کی کثرت کا نام نہیں، بلکہ اصل تونگری دل کی تونگری ہے۔ حضرت ابوذر راوی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ "ابوذر! تمہارے خیال میں مال کی کثرت کا نام تونگری ہے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں! پھر فرمایا: تو تمہارے خیال میں مال کی قلت کا نام محتاجی ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: استغناء دل کی بے نیازی ہے اور محتاجی دل کی محتاجی ہے۔" (فتح الباری، ج:۱۱ص:۲۳۲)۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمارے صغیرہ وکبیرہ گناہ معاف فرمائیں اور ہمیں صحیح معنوں میں دین کی سمجھ اور عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔ ہمارے رزق ومال میں برکت اور اضافہ فرمائیں آمین یارب العالمین۔

جامع مسجد وزیر خان کی بے حرمتی

لاہور کی تاریخی جامع مسجد وزیر خان کے تقدس کو ایک پرائیویٹ پروڈکشن ہاؤس کی جانب سے گانے کی شوٹنگ کر کے پامال کیا گیا ہے۔زیر نظر ویڈیو میں ایک بھانڈ ملعون اور ملعونہ کو ناچ گانے کی شوٹنگ کرتے ہوئے دکھایا جارہا ہے یہ اللہ تعالیٰ کے گھر کی سخت بے حرمتی ،توہین وتقدس کی پامالی ہے لعنت ہے ایسے لوگوں پر جو بے حیائی میں دین کا مذاق اور مسجدوں کا احترام بھی بھول جاتے ہیں۔مساجد جو کہ اللہ کا گھر اور عبادت کے لئے ہیں وہاں پر یوں فحش گانے کے ویڈیو شوٹنگ سے بڑھ کر گھٹیا اور بری حرکت اور کیا ہوگی۔کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگی بے حسی اور لاپرواہی کی انتہا ہے۔حکومت کو فوری طور پر تمام ذمہ داروں پر توہین مقدسات کی دفعات کے تحت مقدمات قائم کر کے ایسی حرکات پر فوری طور پر گرفتاریاں کی جائیں اور توہین مسجد کے جرم میں سخت سزا دینی چاہئے۔

مساجد، اللہ کے گھر ہیں، جہاں دن رات سب اہل ایمان عبادت کرتے ہیں اور اسلام کے سب سے بڑے مراکز ہیں انھیں بہت اہمیت اور فضیلت حاصل ہے، اللہ نے قرآن مجید میں بار بار مسجد کی فضیلت واَہمیت و اِحترام کا ذکر فرمایا ہے...... اِرشاد ربانی ہے کہ: ’’بے شک سب سے پہلی عبادت گاہ جو اِنسانوں کے لئے قائم کی گئی ہے وہ وہی ہے جو مکہ میں واقع ہے، اُسے خیر و برکت دی گئی اور تمام جہانوں کے لئے مرکز ہدایت بنایا گیا (سورۃ آل عمران ۶۹)

یہاں گھروں سے مراد مسجدیں ہے اور مسجد کا لفظ ’’سجدہ‘‘ سے نکلا ہے یعنی وہ پاک جگہ جہاں اللہ کی بندگی کی جاتی ہے اور اس کے حضور سجدہ کیا جاتا ہے، اسلام کی اصطلاح میں جہاں مسلمان پانچ وقت نمازیں

مل کراَدا کرتے ہیں وہ جگہ مسجد کہلاتی ہے۔ پھر سورۃ جن میں ارشاد ہوتا ہے کہ مسجدیں اللہ کے لئے ہیں، لہٰذا ان میں اللہ کے سوا کسی اور کو مت پکارو۔ (الجن ۱۸) اِن اِرشادات سے ہمیں معلوم ہوا کہ مساجد کی کتنی اہمیت ہے اسلام میں مساجد کی بڑی اہمیت ہے، یہ اللہ کا گھر ہے، روئے زمین کا یہ سب سے افضل و برتر اور مقدس خطہ ہے، اس جگہ رات دن اور صبح وشام اللہ کو یاد کیا جاتا ہے۔

افسوس صد افسوس! ایک طرف تو مساجد وعبادت گاہوں میں کرونا کی وجہ سے ایس او پیز پر سختی سے عمل کرایا جارہا ہے۔ نمازیوں کے لیے فاصلے اور ماسک کی پابندی ضروری ہے لیکن انہی مساجد میں رقص اور گانوں کی اجازت دی جارہی ہے۔ ایک خاص تعداد سے زائد نمازی نہیں جا سکتے لیکن وڈیوز ریکارڈنگ ٹیم کو مساجد میں گھسنے کی اجازت ہے۔ روک ٹوک کا کوئی قانون اور ضابطہ ہی نہیں ہے۔ المیہ تو یہ بھی ہے کہ ہمارے ملک میں فورسز کی وردی کی توہین کرنے پر یا کسی ادارے کے بارے سوشل میڈیا پر پوسٹ سے گرفتاری ہو جاتی ہے۔ سیاسی لیڈر کے بارے اظہار خیال پر بھی قانون حرکت میں آتا ہے لیکن مساجد کے تقدس کی پامالی، شعائر اسلام کی توہین اور عبادات و دینی تہواروں کا مذاق اڑانے یا ان پر فحاشی وعریانی پھیلانے پر کوئی ایکشن نہیں ہوتا۔

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں کسی بھی مسلمان کو مسجد میں کوئی عبادت اس طرح سے انجام دینے کی اجازت نہیں کہ جس سے دوسرے مسلمانوں کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو یہی وجہ ہے کہ آواز بلند کرنے اور گمشدہ چیز تلاشنے جیسے مباح اُمور پر بھی مساجد میں قدغن عائد کی گئی ہے مساجد تو اللہ کی عبادت کے لئے ہیں۔ مسجد کا احترام ہر ایک پر لازم ہے، اسی وجہ سے فقہائے کرام نے غیر معتکف کے لیے مسجد میں کھانے، پینے اور سونے سے منع فرمایا ہے، کیونکہ مسجد، داڑھی اور شعائرِ اسلام کی اہانت کرکے ایسے لوگ اہلِ اسلام کی دل شکنی کا سبب بن رہے ہیں جس سے نقصِ امن کا بھی خدشہ ہے۔ الحمدللہ ہم مسلمان ہیں۔ تمام مسلمان اللہ اور اسکے حبیب ﷺ کے بتائے ہوئے اصول وضوابط کے تابع ہیں۔ قرآن میں ہر چیز کا بیان موجود ہے۔ آقا علیہ الصلوۃ والسلام نے تمام امور میں ہماری رہنمائی فرمائی۔ ہماری

مساجد ہمارے اپنے سبب سے محفوظ نہیں ہیں ۔مسلمانوں کے عظیم مذہبی مقدس مقامات میں مساجد ہیں، یہ شعائر اللہ ہیں ۔شعائر اللہ کا ادب واحترام وتعظیم وتکریم بحیثیت مسلمان لازم ہے ۔کیونکہ رسول مکرم شفیع معظم ﷺ نے مساجد کا ادب واحترام کرنے کا حکم ارشاد فرمایا اور ہمارے ہاں مساجد میں کیا ہورہا ہے بحیثیت مسلمان غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے ۔

خدارا مساجد کے تقدس کا خیال کریں ۔حکومت اور انتظامیہ کا بھی فرض ہے کہ مساجد کی بے حرمتی پر ہوش کے ناخن لیں اور کسی بھی قسم کے ویڈیو یا فوٹو شوٹ کی اجازت نہ دی جائے ۔مساجد کا تقدس معمولی آمدن سے کہیں زیادہ قیمتی ہے ۔ایسے ہی تمام مساجد کے آداب کے لئے حکومتی سطح پر خاص اقدام ہونا چاہیئے ۔بحیثیت مسلمان ہمیں مساجد کا ادب واحترام بجالانا چاہیے ۔مساجد کا تقدس حضور ﷺ کے فرمان کے مطابق ملحوظ خاطر ہونا چاہیے ۔

بابری مسجد کی جگہ رام مندر کا سنگ بنیاد

بھارتی وزیراعظم نریندر مودی نے 5 اگست 2020ء کو شہید بابری مسجد ایودھیا میں رام مندر کی بنیادیں رکھ کر مسلمانوں کے خلاف ایک اور قدم اٹھالیا ہے، مودی نے اپنے خطاب میں اس دن کو تاریخی دن قرار دیا۔ متشدد ہندو ایک عرصے سے بابری مسجد کو رام مندر میں تبدیل کرنے کے لئے جدو جہد کر رہے تھے اور اب 5 اگست کو انہوں نے عملاً ایسا کر دکھایا ہے۔ ہندوستان میں بالکل ایسے ہی ہو رہا ہے، جیسے اسرائیل میں مسلمانوں کے خلاف ہو رہا ہے۔ یہودیوں نے مسلمانوں/فلسطینیوں کے آزاد وطن کی امیدوں پر پانی نہیں بلکہ تیزاب پھیر دیا ہے، بالکل جس طرح ہندوؤں نے کشمیریوں کی آزاد وطن کی خواہش اور جدو جہد کو کچل کر رکھ دیا ہے۔ یہودی مسلمانوں کے قبلہ اول پر قابض ہو چکے ہیں۔ وہ مسجد اقصیٰ پر ایسے ہی تھرڈ ٹیمپل کی بنیادیں کھڑی کرنے جا رہے ہیں، جس طرح بابری مسجد پر رام مندر کی بنیادی کھڑی کی جا رہی ہیں۔ آزاد ذرائع کے مطابق بھارت، کشمیریوں اور مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ کر رہا ہے، اس میں اسرائیلی مشاورت اور معاونت شامل ہے۔ اور بھارتی حکمرانوں اور اسرائیلی یہودیوں کی بھارتی مسلمانوں اور فلسطینی مسلمانوں کے خلاف اقدامات میں مماثلت پائی جاتی ہے۔ دونوں بڑی کامیابی کے ساتھ من مانیاں کر رہے ہیں، جبکہ ہم مسلمان، عرب ہوں یا عجمی، کچھ بھی کرنے سے قاصر نظر آ رہے ہیں۔

بھارتی سپریم کورٹ نے بابری مسجد کے مقام پر رام مندر کی تعمیر کی اجازت دیکر دم توڑتے ہوئے سیکولرازم کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی ہے۔ سوئی ہوئی امت کیا جاگتی اس نے تو مودی حکومت کی اس فیصلے پر باز پرس کرنا بھی مناسب نہ سمجھا۔ 52 آزاد اسلامی مملکتوں میں سوائے ترکی کے کسی نے بھی

اظہار مذمت کرنا بھی ضروری خیال نہ کیا اسلامی تعاون کی تنظیم او آئی سی بھی اجلاسوں اور کانفرسوں سے آگے نہ بڑھ سکی۔ عرب امارات تو ویسے بھی مودی سے قربتیں بڑھانے میں مصروف ہے۔ بابری مسجد شہید کرنے والے آر ایس ایس کے پرچارک مودی کو ابوظہبی سمیت دیگر عرب ریاستوں میں مندر بنا کر ان کی چابیاں تحفے میں دی گئیں۔ وطن عزیز کے موجودہ حکمران بھی کسی سے پیچھے نہیں وہ بھی ان کی محبت میں انہیں مندر کی زمینیں الاٹ کر کے اور ان پر مندر کی تعمیر میں بے چین ہیں غیروں سے کیا گلہ کریں مسلم حکمران ہی ہنود و یہود کے اسیر نظر آتے ہیں۔ بابری مسجد مسلمانان ہند کا سب سے نازک، حساس اور سنگین مسئلہ ہے، مورتی رکھے جانے سے لیکر اس کی شہادت تک اور اس کے بعد سے اب تک مسلمانان ہند اس کی حصول یابی اور بازیابی کیلئے ہزاروں قربانیاں دے چکے ہیں اور عدلیہ سے انصاف کی امید لگائے بیٹھے تھے۔ اور اسی عدلیہ سپریم کورٹ کے فیصلے نے بھارت کے جھوٹے سیکولرازم کا پردہ چاک کر دیا ہے۔ فیصلے نے یہ بات واضح کر دی ہے کہ بھارت اقلیتوں کے لیے غیر محفوظ ہے۔ کیا سپریم کورٹ نے بابری مسجد کے بارے ناقابل تردید حقیقتوں کو بھی نہیں دیکھا یا جان بوجھ کر ان کو جھٹلایا۔ کیا کسی نے عدالت کو نہیں بتایا کہ یہاں کئی صدیوں تک اذان کی صدائیں بلند ہوتی رہیں اور یہاں باقاعدہ نماز ادا کی جاتی رہی۔ مسلمان مغلوں کا دور گزرا، انگریز حکمران ہوئے، اس کے بعد بھارت ایک آزاد ملک کے طور پر دنیا کے نقشے پر ابھرا مگر ان سب کے باوجود بابری مسجد کے مینار کھڑے رہے کسی کو اس پر قبضہ کرنے یا اسے مسمار کرنے کی جرات نہ ہو سکی۔ کیا سپریم کورٹ بھول گئی کہ بھارت کے آئین میں مذہب، رنگ اور نسل سے اوپر اٹھ کر تمام بھارتیوں کو یکساں تحفظ حمایت دی گئی تھی۔ ان کے بنیادی حقوق یکساں تھے، ان کی عبادت گاہوں کی حفاظت سرکاری اولین ذمہ داری تھی، لیکن ہندتوا کے نعرے لگانے اور بھارت کو ہندوانے کے جنون میں مبتلا عناصر گزشتہ تین عشروں سے سیکولر اقدار کو زمین بوس کرنے کے لئے شدت سے سرگرم ہیں۔

بابری مسجد بھارت کی شمالی ریاست اتر پردیش کے ضلع فیض آباد کے ایودھیا میں، جو نوابوں کے شہر لکھنؤ کے پاس ہی واقع ہے، ستائیس برس قبل چھ دسمبر سن 1992ء کو ہندو حملہ آوروں نے مغل بادشاہ

بابر کے ایک جنرل میر باقی کی تعمیر کردہ تقریباساڑھے چارسو برس قدیم تاریخی بابری مسجد کو دن دہاڑے منہدم کردیا تھا۔مسلمانوں نے اس مسجد کو دوبارہ حاصل کرنے کے لیے ایک طویل عدالتی جدو جہد کی تاہم گزشتہ ماہ نو تاریخ کو سپریم کورٹ نے اس پر اپنا فیصلہ سنایااور بابری مسجد کے انہدام کو پوری طرح غیر قانونی بتا کر اراضی کی ملکیت اُسی ہندو فریق کو سونپ دی، جو مسجد کی مسماری کی ذمہ دار تھی۔ بابری مسجد جو مغل بادشاہ ظہیر الدین محمد بابر کے نام سے منسوب ہے، بھارتی ریاست اتر پردیش کی بڑی مساجد میں سے ایک تھی۔اسے مغل سالار میر باقی نے تعمیر کروایا تھا۔تعمیری پس منظر بابری مسجد مغل بادشاہ ظہیرالدین محمد بابر(1483ء-1531ء) کے حکم سے دربار بابری سے منسلک ایک نامور شخص میر باقی کے ذریعہ سن 1527ء میں اتر پردیش کے مقام ایودھیا میں تعمیر کی گئی۔ یہ مسجد اسلامی مغل فن تعمیر کے اعتبار سے ایک شاہکار تھی۔ بابری مسجد کے اوپر تین گنبد تعمیر کیے گئے.جن میں درمیانی گنبد بڑااوراس کے ساتھ دو چھوٹے گنبد تھے۔گنبد کے علاوہ مسجد کو پتھروں سے تعمیر کیا گیا تھا.جس میں صحن بھی شامل تھا۔صحن میں ایک کنواں بھی کھودا گیا۔گنبد چھوٹی اینٹوں سے بنا کر اس پر چونا کا پلستر کیا گیا تھا۔مسجد کو ٹھنڈا رکھنے کی غرض سے اس کی چھت کو بلند بنایا گیا۔روشنی اور ہوا کے لیے جالی دار کھڑکیاں نصب تھیں۔اندرونی تعمیر میں ایک انتہائی خاص بات یہ تھی کہ محراب میں کھڑے شخص کی سرگوشی کو مسجد کے کسی بھی اندرونی حصے میں آسانی سے سنا جاسکتا تھا۔الغرض یہ اسلامی فن تعمیر کا شاہکار تھا۔اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمیں بھی کوئی طیب ایردوان جیسا غیرت مند اورحمیت دینی رکھنے والالیڈر عطافرمائیں تب ہی بھارت کے کریہہ عزائم کا راستہ روکا جاسکتا ہے۔

14 اگست ہمارے لئے یومِ تشکر اور یوم احتساب ہے

چودہ اگست ہماری قومی زندگی کا سب سے یادگار دن ہے۔اس کی عزت اس کی اہمیت، آزادی کی جنگ لڑتے کشمیریوں اور فلسطینیوں سے پوچھیں تو معلوم ہو، یہ دن محض ایک دن ہی نہیں، ایک نعمت ہے، جس نے ہماری نسلوں کو آزادی کی فضاؤں میں پلنے بڑھنے کا موقع دیا۔ہمارے بوڑھوں کو عزت سے جینے اور مرنے کا حق دیا۔ہمارے جوانوں کو روشن مستقبل دیا۔ برطانوی اقتدار کے خاتمے کے لیے برصغیر کے مسلمانوں نے جو عظیم قربانیاں دی ہیں اور جو بے مثال جدو جہد کی ہے۔ یہ ان کے اسلام اور دو قومی نظریے پر غیر متزلزل ایمان و یقین کا واضح ثبوت ہے۔انہی قربانیوں اور مسلسل جدو جہد کے نتیجے میں بالآخر پاکستان کا قیام عمل میں آیا تھا۔ پاکستان کرہ ارض کا واحد ایسا ملک ہے جس کی بنیاد ایک نظریہ پر رکھی گئی اور وقت کی سفاک طاقتوں سے اس نظریہ کو منوانے کیلئے اسلامیان ہند نے جو انگنت قربانیاں دیں اقوام عالم کی تاریخ میں ان کی مثال نہیں ملتی، پاکستان کا قیام شب قدر، جمعۃ الوداع ماہ رمضان المبارک 1368ھ بمطابق 14 اگست 1947ء عمل میں آیا۔ظہور پاکستان کا یہ عظیم دن جمعۃ الوداع ماہ رمضان المبارک اور شب قدر جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے، محض اتفاق نہیں ہے بلکہ خالق و مالک کائنات کی اس عظیم حکمت عملی کا حصہ ہے۔ 13 اپریل 1948ء کو اسلامیہ کالج پشاور میں تقریر کرتے ہوئے بانی پاکستان نے فرمایا:۔”ہم نے پاکستان کا مطالبہ زمین کا ایک ٹکڑا حاصل کرنے کے لیے نہیں کیا بلکہ ہم ایسی جائے پناہ چاہتے تھے جہاں ہم اسلامی اصولوں کے مطابق زندگی بسر کرسکیں“

اگرچہ تمام حالات خراب ہی سہی مگر آج بھی ہم آزادی کی نعمت سے مستفید ہو رہے ہیں اور یہ

آزادی ایک بہت بڑی نعمت ہے۔آج یوم آزادی کا دن ہم سے تقاضا کرتا ہے کہ ایک بار پھر ہم اسی جذبے کے ساتھ کھڑے ہوں جسکے ساتھ ہمارے اسلاف قیام پاکستان کے وقت کھڑے تھے، جب وطن عزیز کو مہاجرین کی آبادکاری کا مسئلہ درپیش تھا، وسائل نہ ہونے کے برابر تھے مگر ایک عزم تھا،خواب کو حقیقت میں بدل دینے کا عزم۔ہمارے پاس آج وسائل بہت ہیں، کچھ حصہ تباہ ہوا ہے تو بفضل الہیٰ بہت بڑا حصہ سلامت ہے۔آج اگر ہم سندھی، پنجابی، بلوچی اور پختون کی بجائے ایک سچا پاکستانی مسلمان بن کر سوچیں تو بہت جلد حالات بدلیں گے اور وطن عزیز امن کا گہوارہ ہوگا۔کھیت ہرے بھرے اور بازار پر رونق ہونگے۔ ہر لب خندہ اور ہر چہرہ شاداب ہوگا۔14 اگست 2020ء ہمارا یوم تشکر ہے کہ اس روز اللہ تعالیٰ نے ہمیں آزادی کے ساتھ یہ موقع عطا فرمایا،14 اگست ہمارے لئے یوم احتساب ہے کہ ہم یہ جائزہ لیں، جو عہد ہم نے اللہ تعالیٰ سے اور اس قوم سے کیا تھا، کیا اس کی تکمیل کے لئے بامعنی پیش قدمی کر سکے ہیں؟ اور اگر ایسا نہیں کر سکے تو اس میں کون اور کس درجے کا ذمہ دار ہے؟ اور پاکستان صرف حکمرانوں کا نہیں بلکہ ہم سب پاکستانیوں کا گھر ہے۔جب پاکستان ہم سب کا گھر ہے تو پھر اس کی جغرافیائی اور نظریاتی سرحدوں سمیت ہر قسم کی حفاظت بھی ہمارے ذمہ داری ہے۔اسلام کے نام پر قائم ہونے والی مملکت پاکستان کی تعمیر و ترقی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔اسی میں ہم سب کی بقا ہے۔یہی قوم کی اپنے وطن کے ساتھ وفاداری ہے۔ملک پاکستان ربّ کائنات کی طرف سے ایک عظیم نعمت ہے، جن مقاصد کے لئے مسلمانوں نے جدو جہد کی تھی، وہ ضرور حاصل ہوں گے انشاءاللہ تعالیٰ! کیونکہ آزادی کے اصل محرک اور ہیروز وہ قدوسی صفات لوگ ہیں کہ جنہوں نے پسینے سے وضو کیا،خون سے غسل کیا،ہتھکڑی کو ہاتھوں کا زیور اور بیڑی کو پاؤں کی پازیب سمجھا،جہنم زار جیلوں کو، وحشت ناک کوٹھریوں کو اور اندھیر قید خانوں کو سجدہ گاہ بنایا، پھانسی کے پھندوں کو معطر پھولوں کا ہار سمجھا، پھانسی گھاٹ کو زندگی کا تریاق جانا،توپوں کے دھانوں کو جاوداں زندگی کا شاٹ کٹ راستہ جانا،ملک وقوم کی آزادی کے لیے خون دینے کو مقصد حیات جانا، کٹے،مرے، پیٹے لیکن نہ جھکے،نہ بکے نہ ہٹے،حالانکہ تشکیل پاکستان تب ہی ممکن ہوئی جب فرنگی سامراج یہاں سے نکلا،اور فرنگیوں کو

یہاں سے نکالنے والے یہی علمائے حق اور علمائے دیوبند کفن بردوش لوگ تھے، اگر فرنگی کی حکومت آج بھی ہوتی تو پاکستان نہ ہوتا، قوم کو جشن آزادی کے موقعہ پر قافلہ حریت کے ان بے سروسامان مجاہدوں، غازیوں اور شہیدوں کو نہیں بھولنا چاہیے۔ آزادی کا یہ حصول کوئی آسان کام نہیں تھا جیسا کہ شاید آج سمجھا جانے لگا ہے۔ نواب سراج الدولہ سے لے کر سلطان ٹیپو شہید اور آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر تک کی داستاں ہماری تاریخ حریت و آزادی کی لازوال داستان ہے۔ 1857ء کی جنگ آزادی کے المناک واقعات بھی اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ سات سمندر پار سے تجارت کی غرض سے آنے والی انگریز قوم کی مسلسل سازشوں، ریشہ دوانیوں اور مقامی لوگوں کی غداریوں کے نتیجے میں برصغیر میں مسلمانوں کی حکومتیں یکے بعد دیگرے ختم ہوتی چلی گئیں۔

بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ ''تحریکِ آزادی میں علمائے حق کا کوئی کردار نہیں۔'' یہ بات سراسر حقائق کے خلاف ہے۔ علمائے کرام نے آزادی کی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا، مثال کے طور پر 1600 کے بعد انگریز ہندوستان میں داخل ہوا اور اس کی آزادی پر ڈاکہ ڈالا، اور 1803 میں شاہ عبدالعزیزؒ نے انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ صادر فرمایا۔ تحریک کی کمان سید احمدؒ اور ان کے شاگرد خاص شاہ اسماعیلؒ نے کی اور اپنے رفقاء کے ساتھ مل کر کئی علاقوں میں انگریز کو شکستِ فاش دی۔ 1831 میں سید احمدؒ اور شاہ اسماعیلؒ بالاکوٹ کے مقام پر اپنے رفقا کے ہمراہ شہید ہوگئے۔ 1857 کی جنگِ آزادی کا اہم ترین معرکہ ''شاملی'' کے میدان میں ہوا، جہاں انگریز کو سخت جانی و مالی نقصان کا سامنا کرنا پڑا۔ اس معرکے کے سپہ سالار حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ تھے۔ ان کے خاص کمانڈروں میں حافظ محمد ضامنؒ، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ جیسے جلیل القدر علما تھے۔ اس معرکے میں بے شمار علما و طلبہ شہید ہوئے۔ مسلمانوں کو شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ مولانا فضل حق خیر آبادیؒ اور دیگر علما کو فتویٰ جہاد کے جرم میں کالے پانی کی سزا دی گئی۔ مفتی کفایت علی بدایونیؒ کو جنگ آزادی کی پاداش میں تختۂ دار پر لٹکا دیا گیا۔ 1857ء کی شکست کے بعد مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور دیگر اکابرین نے اسلامی روایت کے

تحفظ اور ملک کی آزادی کی خاطر 1866ء میں قصبہ دیوبند میں ''دارالعلوم'' نامی علمی درس گاہ کی بنیاد ڈالی جو آگے چل کر آزادی کی تحریکوں کا مرکز و سرچشمہ ثابت ہوئی۔ دارالعلوم دیوبند کے شیخ الہند مولانا محمود حسن نے آزادی کیلئے ''تحریک ریشمی رومال'' شروع کی۔ 1917ء میں غداری کی وجہ سے حجازِ مقدس سے شیخ الہند کو گرفتار کر کے مولانا حسین احمد مدنی ؒ، مولانا عزیر گل ؒ، مولانا حکیم نصرت حسین ؒ، مولانا وحید احمد ؒ کے ہمراہ بحیرہ روم میں واقع جزیرہ مالٹا کی جیل میں جلاوطن کر دیا گیا۔ 1919ء میں مولانا محمد علی جوہر ؒ نے انگریزوں کے خلاف تحریکِ خلافت شروع کی۔ مولانا شوکت علی ؒ اور ابوالکلام آزاد ؒ جیسے عظیم قائدین بھی ساتھ تھے۔ مفتی محمد شفیع عثمانی ؒ اور سید ابو محمد دیدار علی شاہ الوری ؒ نے ''مطالبۂ پاکستان'' کو مدلل فتاویٰ کی صورت میں پیش کر کے تحریک آزادیٔ پاکستان میں فیصلہ کن اور موثر ترین کردار ادا کیا۔ مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی ؒ نے مطالبہ پاکستان کی پرزور حمایت کا اعلان کیا۔ شاہ احمد نورانی کے والد ماجد عبدالعلیم صدیقی قادری نے قیامِ پاکستان کے مطالبے کو عالمی سطح پر اُجاگر کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ 15 / اگست 1947 کو کراچی میں مولانا شبیر احمد عثمانی ؒ نے جبکہ مشرقی پاکستان مولانا ظفر احمد عثمانی ؒ نے تلاوتِ قرآن اور دعا کے بعد پاکستان کی پہلی پرچم کشائی کا اعزاز حاصل کیا۔ 11 / ستمبر 1948ء میں جب بانیٔ پاکستان قائداعظم کا انتقال ہوا تو ان کی وصیت کے مطابق مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی نماز جنازہ کی امامت فرمائی۔ مارچ 1949 میں دستور ساز اسمبلی نے ''قراردادِ مقاصد'' کے عنوان سے قرارداد منظور کی تو اسلام کی بنیادی تعلیمات، اساسی احکامات اور اہم جزئیات کو آئین کا حصہ بنانے میں مولانا شبیر احمد عثمانی ؒ اور ان کے رفقائے کار نے بھرپور کردار ادا کیا، اور آج بھی علمائے کرام ملک کی تعمیر و ترقی اور قوم کی فلاح و بہبود میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے ہیں۔

اور جو حضرات یہ سوچتے ہیں کہ پاکستان نے اب تک کونسا کارنامہ سرانجام دیا ہے ان کے لئے عرض ہے کہ یہ وہ پاکستان ہے جس نے 63 سال کی عمر میں 8 جنگیں لڑیں تقسیم کے وقت 1948 کشمیر کی جنگ، 1965 میں ہندستان کی مسلط کردہ جنگ، 1971 میں ہندوستان کی مسلط کردہ جنگ، 1999 میں

کارگل کی جنگ، دنیا کی سپر پاور روس سے افغانستان میں جنگ، دنیا کی سب سے بڑی 50 لاکھ مہاجروں کو اپنے ملک میں پناہ دی. موجودہ دوسری سپر پاور امریکہ سے جنگ اس کے باوجود پاکستانیوں پاکستان زندہ ہے بلکہ ایٹمی قوت بھی ہے. یہ وہ پاکستان ہے جس کے خلاف اسرائیل، انڈیا اور امریکہ نے اتحاد کرلیا ہے لیکن اس وقت تک اللہ کے حکم سے ناکام ہیں یہ وہ پاکستان ہے جس نے عرب اسرائیل جنگ میں اسرائیل کے چھ ایف سولہ جہاز گرائے تھے جب کہ سارا عرب اسرائیل کے آگے گھٹنے ٹیک چکا تھا. یہ وہ پاکستان ہے جس نے سری لنکا کی 60000 آرمی کو انڈیا کے تربیت یافتہ تامل ٹاگر کے خلاف تربیت و مدد فراہم کی۔

14 اگست کو برسہا برس کی جدو جہد کے بعد ایک خدا، ایک رسول ﷺ اور ایک قرآن پر ایمان رکھنے والوں نے ایک قائد کی قیادت میں پاکستان اس نظریہ کی بنیاد پر حاصل کیا کہ مسلمان ایک علیحدہ قوم ہیں جس کا طرز زندگی، ثقافت اور دین سب سے الگ ہے۔ ''ہم دونوں قوموں میں صرف مذہب کا فرق نہیں، ہمارا کلچر ایک دوسرے سے الگ ہے۔ ہمارا دین ہمیں ایک ضابطہ حیات دیتا ہے جو زندگی کے ہر شعبے میں ہماری رہنمائی کرتا ہے ہم اس ضابطہ کے مطابق زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے ہمیں اس جشن آزادی کے موقع پر پاکستان کی خاطر سوچنے اور کام کرنے کا پختہ ارادہ کر کے اس پر عمل کرنا ہوگا۔ یہ مت سوچو کہ پاکستان نے کیا دیا بلکہ یہ سوچو کہ تم نے پاکستان کو کیا دیا ہے، ہمیں اپنی احساسِ ذمہ داری کو محسوس کرنا چاہیے۔ اِس ملک کی حفاظت سلامتی اور تعمیر و ترقی میں کردار ادا کرنا آپ کا میرا سب کا فرض ہے۔ امید ہے اس 14 اگست کا سورج پاکستان میں امن و خوشحالی کا پیغام لے کر طلوع ہوگا انشاءاللہ۔

حرام اور مشتبہ سے اپنے آپ کو بچائیں!

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے کئی مقامات پر حلال کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، کھانے پینے سے متعلق بھی انبیاء علیہم السلام کو اور ان کے ذریعہ ان کی اُمتوں کو یہ حکم دیا گیا کہ حلال اور پاکیزہ چیزوں کو کھاؤ، اور نیک اعمال کرو، سورۂ مومنون میں ارشاد ہے: ’’اے پیغمبرو! تم (اور تمہاری اُمتیں) نفیس، پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک اعمال کرو (اور) میں تم سب کے کیے ہوئے کو خوب جانتا ہوں۔‘‘ (المومنون: ۵۱)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میرے والد نے مجھے ایک چیز دی تو میری والدہ نے میرے والد حضرت بشیر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں اس پر اس وقت تک رضامند نہیں ہوں جب تک کہ تم اس ہدیہ پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ نہ بنالو، چنانچہ میرے والد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! ﷺ میں نے اپنے بیٹے نعمان کو ایک چیز دی ہے اور میری اہلیہ عمرہ بنت رواحہ نے مجھ سے کہا کہ میں اس ہبہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ بنالوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا: ’’جس طرح تم نے اپنے اس بیٹے کو ایک غلام دیا ہے، کیا اسی طرح اپنے سب بیٹوں کو بھی ایک ایک غلام دیا ہے؟‘‘ انہوں نے کہا کہ نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ’’اِتَّقُوا اللہَ وَاعْدِلُوْا فِیْ اَوْلَادِ کُمْ‘‘۔ ’’اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان انصاف کرو۔‘‘ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا: ’’حضرت نعمان رضی اللہ عنہ نے اپنے سننے کو یقینی طور پر بیان کرنے کے لیے اپنی انگلیوں سے اپنے کانوں کی

طرف اشارہ کیا کہ میرے ان کانوں نے خود سنا۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: إِنَّ الْحَلَالَ بَيِّنٌ وَإِنَّ الْحَرَامَ بَيِّنٌ ۔''حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے۔'' یہ پہلا جملہ ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ کچھ چیزیں تو وہ ہیں جن کا حلال ہونا سب کو معلوم ہے، اور کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کا حرام ہونا سب کو معلوم ہے، یعنی ان دونوں کا معاملہ صاف اور روشن ہے۔ واضح ہے کہ انسان حلال کو اختیار کرے اور حرام سے اپنے آپ کو بچائے۔ حلال جیسے: نیک کام، اچھی گفتگو، حلال ذرائع سے کمایا ہوا مال وغیرہ اور حرام جیسے کفر ہے، شرک ہے، مردار ہے، جھوٹ ہے، سود کھانا، غیبت کرنا، چغل خوری کرنا، شراب پینا، کسی کا مال چھین لینا، کسی کے حق پر قبضہ کر لینا، وغیرہ، تو ان میں سے حلال چیزوں کو انسان اختیار کرنے والا بنے اور حرام سے دور رہے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے گزارش کی کہ یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم آپ میرے حق میں دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ میری دعاؤں کو قبول فرمایا کرے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سعد! پاکیزہ چیزیں کھاؤ، حلال لقمہ کھایا کرو، اللہ تعالیٰ تمہاری دعائیں قبول فرماتا رہے گا۔'' آج کل بہت سی دعائیں کی جاتی ہیں، مگر لوگوں کا شکوہ یہ ہوتا ہے کہ دعائیں قبول نہیں ہوتیں، اس لیے ہر شخص کو اپنے حال پر غور کرنا چاہیے، اور اپنی زندگی کا جائزہ لینا چاہیے، میں کتنا حلال کماتا ہوں، اور کس قدر اپنے آپ کو حرام سے بچاتا ہوں؟

ہمارا دین اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حرام کی ذرہ برابر آمیزش سے بھی بچنے کا حکم دیا ہے، حرام مال اگر چہ قلیل کیوں نہ ہو اس کو بھی اپنے حلال مال میں خلط ملط نہ کریں، حرام کو حلال میں شامل نہ کریں، اگر چہ زیادہ مال حلال ہو اور اس میں کسی قدر حرام شامل ہو جائے یہ بھی انسان کے لیے عبادات اور دعاؤں کی قبولیت کی راہ میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔''حلال وحرام کے درمیان کچھ مشتبہات ہیں جنہیں اکثر لوگ نہیں جانتے، پس جو شخص شبہ میں ڈالنے والی چیز سے بچا، اپنے آپ کو محفوظ رکھا، اس نے اپنے دین اور عزت کو محفوظ کر لیا اور جو شبہ ڈالنے والی چیزوں میں پڑ گیا تو وہ حرام میں پڑ گیا۔'' اور جو آدمی شبہات سے بچتا ہے وہ حرام سے بھی محفوظ رہے گا اور جو شبہات سے نہیں بچے گا وہ ایک نہ ایک دن حرام

میں واقع ہو جائے گا۔اور جہاں کہیں شبہ پیش آئے وہاں انسان کو مستند علماء سے پوچھ لینا چاہیے کہ آیا یہ معاملہ درست ہے یا نہیں؟ یہ کاروبار کرنا جائز ہے یا نہیں؟ وغیرہ۔اور حلال پر قناعت کرنے اور حلال کو اختیار کرنے سے اللہ تعالیٰ برکت بھی دیتے ہیں اور نیک اعمال کی توفیق بھی عطا فرماتے ہیں اس سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ ان دونوں کا آپس میں گہرا تعلق ہے اور یہ ایک دوسرے کے معاون ہیں۔حلال غذا کا عمل صالح میں بڑا دخل ہے۔جب انسان کی غذا حلال ہوتی ہے تو نیک اعمال کی توفیق اسے خود بخود ہونے لگتی ہے اور جب غذا ہی حرام ہو تو نیک کام کا ارادہ کرنے کے باوجود بھی اس راہ میں مشکلات حائل ہو جاتی ہیں اور آدمی نیکی سے محروم ہو جاتا ہے۔

مذکورہ احادیث سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ دل کی صفائی اور پاکی کے لیے یہ لازم ہے کہ انسان حلال پر اکتفاء کرنے والا بنے۔حرام سے بھی اور مشتبہ چیزوں سے بھی اپنے آپ کو دور رکھے۔اللہ تعالیٰ ہمیں حلال پر قناعت نصیب فرمائے اور حرام اور مشتبہ چیزوں سے ہمیں محفوظ فرمائے۔

حفظِ قرآن‘‘ حفاظتِ قرآن کا ذریعہ

زیرِنظر تصویر میں کئی درجن بچے اور بچیوں نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی لاریب کتاب قرآن کریم کو اپنے سینوں میں محفوظ کرنے کی سعادت حاصل کی ہے اللہ تعالیٰ ان سب کو اس دولت عظیمہ کی حفاظت اور عمل کی توفیق نصیب فرمائیں۔جمہور علماء اہل سنت والجماعت کے نزدیک اتنا قرآن کریم حفظ کرنا جس سے نماز ادا ہوجائے، ہر مسلمان عاقل بالغ پر فرض ہے اور مکمل قرآن کریم حفظ کرنا فرضِ کفایہ اور باعثِ اجروثواب ہے۔ اگر کوئی بھی مسلمان حافظِ قرآن نہ رہے تو تمام عالم کے مسلمان گناہ گار ہوں گے۔اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود قرآن کریم حفظ کیا،صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو اس کی ترغیب دی، بلکہ جو شخص ایمان لاتا اول آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو قرآن کریم سکھاتے اور پھر وہ قرآن سیکھنے کے بعد اوروں کو سکھاتا اور حفظ کراتا، جس کی بنا پر ہزاروں صحابہ کرام قرآن کریم کے حافظ بنے۔ایک غزوہ میں ستر قاری شہید ہوئے اور جنگِ یمامہ میں سات سو قرآن کریم کے حافظ شہید ہوئے،جس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ:’’قرآن کریم کو کتابی صورت میں بھی محفوظ کرائیے،اس طرح حفاظ شہید ہوتے رہے تو کہیں قرآن کریم ہی نہ اُٹھ جائے۔‘‘جس کے بعد قرآن کریم کو حفظ کے ساتھ ساتھ کتابی صورت میں بھی جمع کیا گیا اور کیا جاتا رہا۔’’اُمت اور اہلِ سنت کے ائمہ کے درمیان اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کے اس کلام کا نام ہے جسے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بطور معجزہ لائے ہیں اور وہ سینوں میں محفوظ ہے، زبانوں سے پڑھا جاتا ہے اور مصاحف میں لکھا ہوا ہے۔‘‘

بعض لبرل، ماڈرن قسم کے دانشوروں کے نزدیک قرآن کریم حفظ کرنا فضول، اس کے الفاظ رٹنا،

حماقت، دماغ سوزی اور تضییعِ اوقات ہے۔نعوذ باللہ من ذٰلک۔دنیا جانتی ہے کہ آج بھی حفاظتِ قرآن کا محفوظ ذریعہ حفظِ قرآن ہی ہے۔اور یہ باتیں وہی آدمی کرسکتا ہے جو خوفِ خدا،فکرِ آخرت،اسلامی معاشرہ اور روحِ اسلام سے ناواقف ہو یا اسلام سے آزادی کا خواہاں اور اتباعِ نفس کا مریض ہو،ورنہ ایک سمجھ بوجھ رکھنے والا مسلمان آدمی اس طرح کی باتیں نہیں کرسکتا۔

قرآن کریم کے حفظ کا ثبوت' قرآن کریم،صحیح احادیث اور چودہ صدیوں سے اُمتِ مسلمہ کے عملی تواتر سے ثابت ہے۔''ہم آپ کو پڑھائیں گے،آپ بھول نہیں پائیں گے۔'' (الاعلیٰ:۶)اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم کے نزول کے مقاصد میں سے اُسے حفظ کرنا اور یاد کرنا بھی ہے۔

قرآن کریم کی حفاظت سے مراد اس کے الفاظ اور معانی دونوں کی حفاظت ہے۔اور حفاظتِ کاملہ وہی ہے جو لفظ اور معنی دونوں کو شامل ہو۔اُمت میں تاقیامت ایسے حفاظِ قرآن پیدا ہوتے رہیں گے جو اس کے ہر حرف اور معنی کی حفاظت کرتے رہیں گے۔خلیفہ مامون الرشید نے ایک نومسلم سے پوچھا کہ تم نے اسلام کیسے قبول کیا؟اس شخص نے جواب دیا میں نے چاہا کہ میں مختلف مذاہب پر تحقیق کروں۔ کیونکہ میرا خط اچھا ہے،اس مقصد کے لیے میں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ میں نے نہایت عمدہ خط میں تورات کے تین نسخے لکھے اور اس میں کہیں کہیں کمی زیادتی کردی۔وہ نسخے میں نے کنیسہ میں پیش کیے تو انہوں نے مجھ سے خرید لیے،پھر میں نے بڑی خوش خط کتابت کے ساتھ انجیل کے تین نسخے تیار کیے اور ان میں کمی زیادتی کردی،وہ میں نے عیسائیوں کے سامنے پیش کیے،تو انہوں نے بھی مجھ سے خرید لیے۔پھر میں نے قرآن کو بھی بہت اچھے خط میں تحریر کیا اور حسبِ معمول تین نسخے تیار کرکے ان میں بھی تحریف کردی،پھر جب میں نے ان نسخوں کو مسلمان کتب فروشوں کی خدمت میں پیش کیا تو انہوں نے ان کی تحقیق کی،جب انہیں معلوم ہوا کہ ان نسخوں میں کمی زیادتی ہوئی ہے تو انہوں نے لینے سے انکار کردیا۔پھر یہ شخص کہنے لگا کہ جب میں نے یہ صورت حال دیکھی تو مجھے اس بات پر یقین آگیا کہ قرآن پاک ہی ایک واحد کتاب ہے جو ہر قسم کی تحریف سے پاک ہے اور یہی اس کی صداقت کی دلیل ہے۔اس پر میں نے اسلام

قبول کرلیا۔

چونکہ قرآن کریم آخری کتاب ہے اور ہمیشہ کے لیے ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا ذمہ خود لیا اور ایسی حفاظت فرمائی کہ آج تک شرق وغرب میں اس کے لاکھوں حافظ موجود ہیں اور وہ تواتر کے ساتھ روئے زمین کے مسلمانوں کی زبانوں پر یکساں محفوظ ہے۔ ایک لفظ یا زبر زیر کا فرق نہیں۔ بفرضِ محال اگر قرآن کریم کے تمام مکتوبی اور مطبوعی نسخے روئے زمین سے معدوم ہو جائیں تب بھی قرآن کریم کا ایک جملہ اور ایک کلمہ بھی نہ ضائع ہوسکتا ہے اور نہ بدلا جاسکتا ہے۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ: دنیا کی کوئی کتاب ایسی محفوظ نہیں، جیسا کہ یہ قرآن کریم محفوظ ہے، سوائے قرآن کریم کے کوئی کتاب دنیا میں ایسی نہیں جس میں تغیر وتبدل اور تصحیف وتحریف واقع نہ ہوئی ہو۔ (تفسیر کبیر، ج:۵، ص:۲۶۵)

علماء کرام نے لکھا ہے کہ قرآن کریم کی حفاظت کے ذرائع صرف دو ہی ہوسکتے ہیں: ایک کتابت اور دوسرا اُسے حفظ کرنا، قربِ قیامت میں قرآن کریم کے الفاظ اُٹھا لیے جائیں گے، لیکن ''حفظِ قرآن'' کی صورت میں حفاظت کا ذریعہ باقی رہے گا اور یہ آخرت بلکہ جنت تک ساتھ جائے گا، اس پر کئی احادیث وارد ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''بے شک جنت کے درجات قرآن کی آیات کی تعداد کے برابر ہیں، پس حفاظِ قرآن میں سے جو جنت میں داخل ہوگا اور پورا قرآن پڑھے گا اس سے اوپر کوئی نہیں ہوگا۔'' (بیہقی)

قرآن وسنت کا مطالعہ پوری طرح واضح کرتا ہے کہ قرآن مجید کے قیامت تک کے لیے مکمل ضابطۂ حیات ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کو آخری دن تک اصل صورت میں محفوظ رکھنے کا حکم فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے اصل متن کو انسانی تحریف سے محفوظ رکھنے کے لیے اس کے تحفظ کی ذمہ داری خود لی ہے۔

قرآن کریم حفظ کرنا رسم نہیں، بلکہ فرضِ کفایہ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور صحابہ کرام رضوان اللہ

علیہم کا طریقہ ہے، جو باعثِ اجر وثواب اور اس کی حفاظت کا ایک ذریعہ ہے۔ ''حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس اُمت کو حفظ عطا کیا گیا ہے اور ان سے پہلے وہ اپنی کتابیں صرف دیکھ کر ہی پڑھا کرتے تھے، جب یاد کرنا چاہتے تو صرف انبیاء علیہم السلام ہی حفظ کر سکتے تھے، اور یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ اور ایمان والے ہیں جو قرآن مجید کو یاد بھی کرتے ہیں اور پڑھتے بھی ہیں اور ان کو علم سے بھی متصف کیا ہے۔''

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: بہت برا ہے وہ شخص جو یہ کہے کہ میں فلاں فلاں آیت بھول گیا ہوں، ایسا نہیں بلکہ وہ بھلا دیا گیا ہے، قرآن مجید کو یاد کرو، کیونکہ وہ منہ کی بنسبت لوگوں کے سینوں سے زیادہ جلدی نکلنے والا ہے۔'' (مشکوۃ: ۱۹)

اس حدیث سے جہاں یہ ثابت ہو رہا ہے کہ قرآن کریم کا محفوظ رہنا بار بار دہرائی اور دور سے ہوتا ہے، وہاں یہ بھی ثابت ہو رہا کہ بھلانے پر وعید بھی ہے، بلکہ فرمایا کہ: کوئی یہ نہ سمجھے کہ وہ بھول گیا، بلکہ بھلا دیا گیا ہے۔

یہ تمام مراحل قرآن وسنت کو سمجھنے کے لیے ضروری ہیں تو حفظ کے بعد ان کا مرحلہ آتا ہے اور الحمد للہ! اکثریت حفاظ کی یہ مراحل بھی عبور کر لیتی ہے۔ آج تک کسی نے یہ نہیں کہا کہ صرف حفظ کر کے رک جاؤ، بلکہ علمائے کرام تو ترغیب دیتے ہیں کہ حافظ بننے کے ساتھ ساتھ عالم بھی بنو، اگلے مراحل بھی طے کرو۔ ہاں! بعض لوگ حفظ کے بعد معروضی حالات کی بنا پر یا تو یہیں تک رک جاتے ہیں یا دوسری دنیوی راہ اختیار کر لیتے ہیں تو اتنا تو ان میں بھی فضیلت اور شرف موجود ہے کہ وہ قرآن کریم کے الفاظ کے حاملین ہیں، پھر اللہ تعالیٰ آگے ان سے بھی کم از کم اتنا تو کام لے لیتا ہے کہ وہ اس کلام اور پیام کے الفاظ کا ابلاغ اگلی نسلوں تک کر لیتے ہیں۔

اور جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم حفظ کرنا فضول، اس کے الفاظ رٹنا حماقت ہے اور دین اسلام، قرآن کریم اور مسلمانوں کی تو کوئی خدمت کر نہیں رہے، بلکہ قرآن کریم کی حفاظت، اس کی عظمت، اس کے تقدس واحترام اور مسلمانوں کے قرآنی نظام کو ختم کرنے کے درپے ہیں اور ان کی اس سوچ، فکر اور تدبیر سے کفار کا مقصد اور ان کی خواہش پورا کرنے کی ایک بھونڈی کوشش ہے۔

17 اگست یومِ شہادت علامہ علی شیر حیدری رحمہ اللہ

حق تعالیٰ جل شانہ نے دین اسلام کی سربلندی و پاسبانی کے لیے ہر دور میں ایسے مردان حق پیدا فرمائے ہیں، جنھوں نے اپنے خونِ جگر سے گلشن دین کی آبیاری کی، اس کو سرسبز وشاداب رکھا اور اس پر ہونے والے فصلی کیڑوں اور سنڈیوں کے حملوں کا حکمت وجراءت سے جواب بھی دیا۔ یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ امیرِ عزیمت مولانا حق نواز جھنگوی شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اصحاب وازواجِ رسول علیہم الرضوان کے مقام ومنصب اور ناموس کے تحفظ کے لیے جاں نثاروں اور فدا کاروں کا ایک قافلۂ سخت جاں ترتیب دیا تھا۔ علی شیر اُسی قافلۂ حق کا پانچواں سپہ سالار تھا۔ جھنگ سے تعلق رکھنے والی سنی جماعت سپاہ صحابہ جس کی بنیاد انجمن سپاہ صحابہ پاکستان کے نام سے علامہ حق نواز جھنگوی رحمہ اللہ نے ۱۹۸۵ء میں رکھی۔ بعد میں اس جماعت کا نام بدل کر سپاہ صحابہ پاکستان رکھ دیا گیا، اس جماعت کے مرکزی راہنما مولانا حق نواز جھنگوی رحمہ اللہ تعالیٰ کو ۲۲/ فروری ۱۹۹۰ء میں شہید کر دیا گیا۔ حق نواز جھنگوی رحمہ اللہ کے بعد مولانا ایثار القاسمی رحمہ اللہ اس جماعت کے سربراہ مقرر ہوئے، جنہیں ۱۰/ فروری ۱۹۹۱ء میں شہید کر دیا گیا، بعد میں مولانا ضیاء الرحمن فاروقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے سپاہ صحابہ کی قیادت سنبھالی جو کہ ۱۸/ جنوری ۱۹۹۷ء میں ایک دہشت گردی کی واردات میں درجنوں ساتھیوں سمیت شہید کر دیئے گئے۔ ان کے بعد مولانا اعظم طارق رحمہ اللہ تعالیٰ اس جماعت کے سربراہ مقرر ہوئے، مولانا اعظم طارق رحمہ اللہ تعالیٰ رکن قومی اسمبلی بھی منتخب ہوئے۔ مولانا اعظم طارق رحمہ اللہ تعالیٰ کو ۶/ اکتوبر ۲۰۰۳ء میں اسلام آباد میں ان کے ڈرائیور کے ہمراہ فائرنگ کر کے شہید کر دیا گیا۔ پاکستان کے سابق صدر جنرل ریٹائرڈ پرویز مشرف نے دیگر مذہبی تنظیموں

کے ساتھ سپاہ صحابہ پر بھی پابندی عائد کر دی، جس کے بعد سپاہ صحابہ کا نام بدل کر ملتِ اسلامیہ پاکستان رکھ دیا گیا۔علامہ علی شیر حیدری رحمہ اللہ تعالیٰ سپاہ صحابہ کے پانچویں بڑے راہنما تھے جو کہ دہشت گردی کی نذر ہوئے تھے۔"

1963 میں خیر پور میرس سندھ میں حاجی وارث کے گھر جانوری گوٹھ میں علامہ علی شیر حیدری شہیدؒ پیدا ہوئے، کل 9 بہن بھائیوں میں علامہ علی شیر حیدری شہیدؒ سب سے بڑے تھے، آپؒ کے 5 بھائیوں کا نام علی رضا، بلاول، علی حیدر، محمد الیاس اور مولانا ثنا اللہ حیدری ہے، آپؒ کی 3 بہنیں ہیں، حضرت حیدری شہیدؒ نے دو شادیاں کیں تھیں لیکن اولاد سے محروم رہے، علامہ اورنگزیب فاروقی صاحب اور مولانا معاویہ اعظم صاحب سمیت کئی جماعتی کارکنان کو محبت سے اپنا بیٹا کہہ کر پکارا کرتے تھے، ٹھیڑی کے مدرسے دارالہدیٰ سے حیدری شہیدؒ نے تعلیم مکمل کی، ان کی تعلیم میں ان کے چچا اور علامہ عبدالجبار حیدری صاحب کے والد محترم فضل محمد جانوری مرحوم نے بہت تعاون کیا، خیر پور میرس میں اپنے گھر کے ساتھ ہی جامعہ حیدریہ کے نام سے ایک بڑا دینی ادارہ قائم کیا جو آج بھی اپنے شباب پر ہے۔

علامہ علی شیر حیدری شہید رحمہ اللہ علمی مزاج رکھنے والے ایک عالم باعمل، درویش خدامست، منفرد خطیب، جری اور بہادر اور ناموسِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے دفاع کے لیے بے جگری سے لڑنے والے ایک عظیم مجاہد تھے۔ وہ سپاہی بھی تھے اور سپہ سالار بھی۔ قائد و رہنما بھی تھے اور علی شیر کی آنکھوں میں حُبِ رسول اور حُبِ ازواج و اصحابِ رسول علیہم الرضوان کی ایمانی چمک ہوتی تھی۔ آپ علم و تحقیق کے میدان کے شاور تھے۔ علم نے آپ کو حلم سے آشنا کر دیا تھا، حوصلے و صبر سے ہمکنار کر دیا اور جہد و ایثار میں بے پناہ کر دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں بہت ساری خوبیوں سے نوازا تھا۔

انھوں نے ساری زندگی دین حق کی نشر و اشاعت، اعلائے کلمۃ اللہ اور قرآن اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پوری امت تک پہنچانے کے لیے جدو جہد کی اور 17 اگست 2009ء کو پیر جو گوٹھ میں واقع ایک مدرسے میں درس قرآن و حدیث دے کر واپس تشریف لا رہے تھے، دشمن نے ان پر حملہ

کرنے کے لیے جن ساعات کا انتخاب کیا تھا، وہ ساعات بھی بڑی عظیم تھیں کہ جب خلاق عالم آسمان دنیا پر تشریف لاکر ندا کراتے ہیں ہے کوئی......کیا معلوم! حضرتؒ نے کسی ایسی ہی ساعت میں ایسی ہی شان شہادت مانگی ہو، جو قبول کر لی گئی۔ علامہ علی شیر حیدری اپنی جان کا نذرانہ پیش کرتے ہوئے شہادت کے اعلیٰ مرتبے پر فائز ہو کر ایسی حیاتِ جاودانی حاصل کر گئے، جس کے بعد کوئی بھی مسلمان ان کو مردہ نہیں کہہ سکتا، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی لاریب کتاب میں نہ صرف شہدا کی حیات کی شہادت و گواہی دی ہے، بل کہ شہید کو مردہ کہنا تو درکنار مردہ گمان کرنے سے بھی منع فرما دیا۔

آہ! کیا انسان تھا! جو اماں عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کی عزت و عصمت پر قربان ہو گیا۔ سچے بیٹے ماؤں کی حرمت پر یوں ہی فدا ہوتے ہیں۔ تاریخ اُن کی فداکاری اور وفاداری پر ہمیشہ ناز کرے گی۔ آپ کی حق گوئی اور فداکاری پر امہات المؤمنین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ارواح کتنی خوش ہوئی ہوں گی۔ صحابہ کی پاکیزہ ارواح نے علامہ علی شیر شہید کا استقبال کیا ہو گا۔ وہ قبر میں بھی پُرسکون نیند سو رہے ہوں گے اور قیامت کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے مستحق بنیں گے۔ راقم الحروف کو یقین ہے کہ خلفاء راشدین، امہات المؤمنین، بناتِ طاہرات اور تمام صحابہ وصحابیات رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنے روحانی بیٹے علی شیر شہید کی مغفرت کی سفارش کریں گے اور اللہ تعالیٰ اپنے اِس صالح بندے کو جنت کے انعامات سے نوازیں گے، انشاء اللہ تعالیٰ! دشمنانِ صحابہ نے علامہ کو شہید کر کے تحفظ ناموس اصحاب رسول کے مشن کے آگے بند باندھنے کا سوچا تھا لیکن انہیں کیا معلوم تھا کہ ایک علامہ علی شیر حیدری دنیا سے جاتے جاتے لاکھوں علی شیر حیدری تیار کر گئے ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمیں اُن کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطاء فرمائے اور اللہ تعالیٰ ان کی شہادت کو اسلام کے غلبے کا ذریعہ بنائے اور امت مسلمہ کو ایسے آبدار ہیروں کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العلمین!

متحدہ عرب امارات اور اسرائیلی معاہدہ

اطلاعات کے مطابق 13 اگست بروز جمعرات کو متحدہ عرب امارات (یو اے ای) نے اسرائیل کو تسلیم کرلیا ہے۔ متحدہ عرب امارات اور اسرائیل کی غاصب حکومت کے درمیان سمجھوتہ طے پا گیا اور عرب امارات نے عربی حمیت اور غیرت کا سودا کر کے عام مسلمانوں اور خاص طور پر فلسطینی مسلمانوں کی پشت میں خنجر گھونپ دیا ہے۔ اس مجرمانہ اقدام سے امت مسلمہ اور خاص طور پر فلسطینی مسلمانوں میں شدید غم و غصہ پایا جاتا ہے۔ متحدہ عرب امارات کی اس سنگین خیانت کو تاریخ میں کبھی فراموش نہیں کیا جائے گا۔ ترکی نے اس اقدام پر برملا تنقید کرتے ہوئے متحدہ عرب امارت کے فیصلے کو فلسطین کی آزادی کی جدوجہد میں بڑی رکاوٹ اور غداری سے تشبیہ دی ہے۔ متحدہ عرب امارات کا اسرائیل کے حوالے سے یہ فیصلہ فلسطین میں 70 سال سے جاری جدوجہد کی نفی ہے اور فلسطینیوں کی قربانیوں کے ساتھ بہت بڑی زیادتی ہے، اور متحدہ عرب امارات دنیا کے ان کمزور ممالک میں سے ہے جو خطے میں عالمی استعمار کے کارندے کا کردار ادا کر رہا ہے، یو، اے، ای، اتنا بڑا ملک نہیں ہے کہ اسرائیل کے حوالے سے اس کے فیصلے کو اسلامی ممالک یا عرب دنیا کا فیصلہ تصور کیا جائے، اسلامی دنیا کو اس حوالے سے جلد اور موثر حکمت عملی بنانے ہوگی۔

متحدہ عرب امارات اور اسرائیل کی غاصب حکومت کے درمیان سمجھوتے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان میں نہ صرف سیاسی بصیرت اور اسلامی حمیت کی کمی ہے بلکہ اُنہیں مظلوم و مجبور کروڑوں مسلمانوں کے جذبات کا بھی ہرگز خیال نہیں ہے۔ اصل حقائق سے بے بہرہ یہ گروہ اپنے تئیں یہ سمجھتا ہے کہ اگر پاکستان نے اسرائیل کو اب تک تسلیم نہیں کیا، تو یہ سب مولویوں کی مخالفت کی وجہ سے ہے جو لوگوں کو گمراہ کر رہے

ہیں۔ اسرائیل کو تسلیم نہ کرنے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ فلسطین میں یہودیوں کی آبادکاری وہاں کی صدیوں سے چلی آنے والی آبادی یعنی فلسطینیوں کی رضامندی کے ساتھ نہیں ہوئی، بلکہ پہلے برطانیہ نے اس خطہ پر 1917ء میں باقاعدہ قبضہ کر کے فوجی طاقت کے بل پر یہودیوں کو فلسطین میں آباد کیا ہے، اور اب امریکہ اور اس کے اتحادی پوری فوجی قوت استعمال کر کے فلسطینیوں کو یہودیوں کی اس جبری آبادکاری کو تسلیم کرنے پر مجبور کر رہے ہیں جس پر فلسطینی راضی نہیں ہیں کیونکہ یہ دھونس اور جبر کا راستہ ہے جسے دنیا کی کوئی مہذب اور متمدن قوم قبول نہیں کر سکتی۔ انصاف اور مسلمہ اصولوں کا تقاضا تو بہرحال یہی ہے اور اگر بالادست قوتیں طاقت کے نشے میں اس اصول پر نہیں آتیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم اپنے موقف سے دستبردار ہو جائیں اور بے اصولی اور دھونس کو اصول و قانون کے طور پر تسلیم کر لیں۔

1948ء میں جب تمام مسلم دنیا نے اسرائیل کو تسلیم نہ کرنے کا فیصلہ کیا تھا، تو اس کی فوری وجہ یہ تھی کہ فلسطین کے بے گناہ مسلمانوں کو ان کی صدیوں سے ملکیتی زمین سے محروم کر کے اسے یہودیوں کو دے دیا گیا جس کے نتیجے میں لاکھوں فلسطینی مسلمان آج تک مہاجرین کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں۔ جدید تاریخ اسرائیل کے علاوہ کوئی اور مثال پیش کرنے سے قاصر ہے کہ جہاں ایک مقامی قوم کو بے دخل کر کے ان کے علاقے پر مختلف ملکوں سے آنے والے دوسری قوم کے افراد کو نہ صرف بسا دیا جائے بلکہ ان کی ریاست بھی قائم کر دی جائے۔ یہ سراسر ظلم اور ناانصافی تھی جسے اس وقت کی استعماری طاقتوں نے فلسطین کے بے چارے مسلمانوں سے روا رکھا۔ ان لوگوں کے عالمی تصورِ انصاف کا ماتم نہ کیا جائے تو کیا کیا جائے جنہوں نے بزعم خویش یہودی قوم سے کی جانے والی 'ناانصافی کی تلافی فلسطینی مسلمانوں سے اس سے بڑھ کر ناانصافی کی صورت میں کی، اور یہود کو فلسطین کو چھوڑے ہوئے ہزاروں سال ہو گئے تھے۔ وہ اپنی مرضی سے یہ خطہ چھوڑ کر امریکہ، یورپ اور روس کے علاقوں میں آباد ہو گئے تھے، مسلمانوں نے انہیں زبردستی نہیں نکالا تھا۔ اب ایک ہزار سال کے بعد ان کے چند لیڈروں میں یہ اُمنگ بیدار ہوئی کہ ان کی یہودی ریاست ہونی چاہئے تو اس کا یہ طریقہ ہرگز نہیں تھا جو اپنایا گیا۔ استعماری طاقتوں نے جب اسرائیل کو قائم کرنے کا فیصلہ کیا تھا، تب بھی ان کا ضمیر مردہ تھا اور آج بھی ان کی سوچ میں تبدیلی نہیں آئی۔

1967ء اور 1973ء کی عرب اسرائیل جنگوں میں اسرائیل نے صحرائے سینا، مغربی کنارہ، گولان کی پہاڑیاں اور یروشلم کے جس علاقے پر قبضہ کیا تھا، وہ آج تک قائم رکھے ہوئے ہے۔ ہمارے نام نہاد روشن خیال دانشوروں نے ہر معاملے میں مولویوں پر تنقید کو اپنا وطیرہ بنا رکھا ہے، ورنہ کون نہیں جانتا کہ اسرائیل کو تسلیم کرنے یا نہ کرنے کا معاملہ محض پاکستان کے مولویوں کا معاملہ نہیں ہے، یہ اُمت مِسلمہ کے ہر فرد کے ضمیر کا معاملہ ہے۔ اُمت مِسلمہ ہی کیا، ہر اس انسان کے ضمیر کا مسئلہ ہے جسے انصاف پسند ہونے کا دعویٰ ہے۔ نادانوں کو اتنا بھی علم نہیں ہے کہ بانیٔ پاکستان محمد علی جناح نے ۱۹۴۸ء میں جب اسرائیل کو تسلیم نہ کرنے کا فیصلہ فرمایا تھا تو یہ مولویوں کے دباؤ کا نتیجہ نہیں تھا، بعد کے سیکولر حکمرانوں نے بھی اگر اس پالیسی کو جاری رکھا تو اس کی وجوہات امت مِسلمہ سے یکجہتی، مظلوم فلسطینیوں کی حمایت اور ظلم وعدوان کے خلاف احتجاج تھیں نہ کہ مولویوں کا دباؤ۔

اسلامی تاریخ سے واقفیت کی ان ملت فروشوں سے کیونکر توقع کی جائے، انہیں تو دورِ حاضر کی تاریخ سے بھی مَس نہیں ہے۔ ان کی طبیعتوں میں یہود یت نوازی کا جوش جب زور مارتا ہے تو کہتے ہیں کہ پاکستان کی اسرائیل سے کیا لڑائی ہے؟ مگر وہ یہ نہیں سوچتے کہ آخر کچھ تو بات ہے کہ اسرائیلی قیادت پاکستان کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے ناپاک منصوبے بناتی رہی ہے، آخر اسرائیل بھارت کے ساتھ مل کر پاکستان کے ایٹمی مرکز کہوٹہ کو تباہ کرنے کی مکروہ منصوبہ بندی کیوں کرتا رہا ہے، کشمیر میں اسرائیل بھارتی افواج کے ساتھ مل کر حریت پسندوں پر ظلم وستم کیوں ڈھا رہا ہے؟ اگر کوئی لڑائی نہیں ہے تو اسرائیل پاکستان کے خلاف ان ریشہ دوانیوں اور سازشوں میں ملوث کیوں ہے؟ کاش یہ لوگ مولویوں پر غصہ برسانے کی بجائے کبھی اسرائیلی قیادت سے بھی پوچھ لیتے کہ اسے پاکستان سے کیا تکلیف ہے؟

ان حالات میں فلسطینی مسلمانوں کی اخلاقی حمایت کی بجائے اُلٹا وحشی اسرائیلی ریاست کو تسلیم کرنے کی بات کرنا کس قدر شقاوتِ قلبی ہے، کتنی انسانیت دشمنی ہے اور اخلاقی اصولوں سے کس قدر سنگین روگردانی ہے۔ اے کاش! یہ افراد اگر مصیبت کے وقت میں مسلمانوں کی مدد نہیں کر سکتے، کم از کم ان کی دل آزاری تو نہ کریں، ان کے زخموں پر نمک پاشی کا مکروہ فریضہ تو ادا نہ کریں...!!

ویران مساجد کی آباد کاری کا ذمہ دار کون؟

سوشل میڈیا پر ایک پوسٹ نظر سے گذری جو گوجرانوالہ کے قریب ایمان آباد میں واقع ایک مسجد کی ہے، جو مغل دور میں بنائی گئی ہے، جس کا نام عثمانیہ مسجد ہے، حقیقت میں اگر ایسا ہی ہے جو تصویر میں دکھایا گیا ہے تو ہم مسلمانوں کے لئے بہت ہی افسوس کا مقام ہے ۔اسی طرح کی اور کئی ایسی مسجدوں کی ویرانیاں اور پھر ان کی بربادیاں کسی باشعور اور زندہ ضمیر مسلمان اور کسی صاحب نظر انسان سے مخفی نہیں ۔آہ افسوس صد افسوس! کہ ہم مسلمان اپنے بڑوں، بزرگوں کے آثار ونشان اور ان کے تعلیمی اور تعمیری کارناموں کا جو کہ مدارس ومساجد کی شکلوں میں ہے تحفظ نہ کر سکے نہ ہی ان مساجد کی اراضی کو ہم بچا سکے ۔ذلت ہی ذلت ہے ،شرمساری ہی شرمساری ہے، رسوائی ہی رسوائی ،بدنامی ہی بدنامی ہے، ان مسلم لیڈروں اور نمائندوں کے نام جو مذہب کے نام پر اقتدار پر ہیں ۔اقتدار کے لالچی ہیں کرسیوں کے حریض ہیں ۔صرف ان کا مقصد حکومتوں کی گدی نشینی کے سوا اور کچھ بھی نہیں ۔نہ انہیں اللہ سے محبت نہ رسول اللہ سے واسطہ۔

جو چیز کسی قوم کے ساتھ مخصوص ہو وہ اس کا شعار اور اس کے تشخص کی خاص علامت سمجھی جاتی ہے، چنانچہ مسجد بھی اسلام کا خصوصی شعار ہے، یعنی کسی قریہ، شہر یا محلہ میں مسجد کا ہونا وہاں کے باشندوں کے مسلمان ہونے کی علامت ہے ۔اور زمین کے تمام حصوں میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب مساجد ہیں، یہ آسمان والوں کے لئے ایسے ہی چمکتی ہیں جیسا کہ زمین والوں کے لئے آسمان کے ستارے چمکتے ہیں ۔ان مساجد کو نماز، ذکر وتلاوت، تعلیم وتربیت، دعوت وتبلیغ اور دیگر عبادتوں سے آباد رکھنے کا مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے ۔آج مسلمانوں میں جو دن بدن بگاڑ آتا جا رہا ہے، اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہمارا تعلق مساجد سے

کمزور ہوگیا ہے۔ لہٰذا ہمیں چاہئے کہ ہم اللہ کے گھر یعنی مساجد سے اپنا تعلق مضبوط کریں کیونکہ مساجد مسلمانوں کی نہ صرف تربیت گاہیں ہیں بلکہ مساجد مسلم معاشرہ کی عکاسی کرتی ہیں۔ دنیا میں سب سے پہلا گھر بیت اللہ ہے، جو مسجد حرام کے وسط میں واقع ہے، جس کی طرف رخ کرکے ہم ایمان کے بعد سب سے اہم رکن یعنی نماز کی ادائیگی کرتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے مدینہ منورہ پہنچنے سے تھوڑا قبل قبا بستی میں ''مسجد قبا'' اور مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد سب سے پہلے جس مسجد کی بنیار کھی وہی بعد میں مسجد نبوی کے نام سے موسوم ہوئی، جو اسلام کے دنیا کے کونے کونے تک پہنچنے کا ذریعہ بنی۔ لہٰذا ہم اپنا تعلق مسجدوں سے جوڑ کر اس بات کی کوشش کریں کہ ہماری مسجدیں آباد ہوں۔ اگر ہمارا تعلق مسجد سے جڑا ہوا ہے تو جہاں اللہ تعالیٰ سے قربت حاصل ہوگی اور کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے (رحمت کے) سایہ میں جگہ ملے گی، وہیں ان شاء اللہ دشمنان اسلام کی تمام کوششیں بھی رائیگاں ہوں گی۔

مساجد کو آباد رکھنے والوں کے لئے بے شمار فضیلتیں قرآن وحدیث میں وارد ہوئی ہیں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اللہ کی مسجدوں کو وہی آباد کرتے ہیں جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہوں اور نمازوں کے پابند ہوں اور زکاۃ دیتے ہوں اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرتے ہوں، توقع ہے کہ یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔ (سورۃ التوبۃ: 18) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر کسی شخص کی مسجد میں آمدورفت رہتی ہے تو تم اس کے ایمان کی گواہی دو''! صرف آمدورفت پر ایمانی شہادت کی تعلیم دی گئی ہے، اس سے آگے بڑھ کر اگر کوئی مسجد کی خدمت میں مصروف رہتا ہو تو اس کے کیا فضائل ومناقب ہونگے؟ کسی کو مسجد کی خدمت نصیب ہوجائے تو یہ ایک بڑی نعمت ہے، اس پر جس قدر شکر گزاری کی جائے کم ہے، اور مسجد کا مقصد تعمیر نہیں، بلکہ مسجد کا مطلوب نماز اور نمازی ہے، مسجد کی تعمیر سے زیادہ مسجد کو نمازیوں سے آباد کرنے کی ضرورت ہے، جب مسجدیں ناپختہ تھیں تو نمازی پکے تھے، اب مسجدیں پختہ ہیں، رنگ وروغن سے مزین ہیں؛ لیکن نمازیوں سے خالی ہیں۔ اس لئے ادائیگی نماز فرض ہے، نگرانی مسجد نفل ہے۔ فرائض سے غافل ہوکر صرف نوافل کی کثرت یا نوافل میں انہماک کسی کی نجات کے لیے کافی نہیں، یہ نوافل تو رنگ وروغن

کے مماثل ہیں، اور فرائض دیوار کی طرح ہیں، جب دیوار ہی نہ ہوتو رنگ و روغن کس پر؟ کیوں کہ جو فرائض پر مداومت کرے گا وہ نوافل کو بھی صحیح ڈھنگ سے انجام دینے کی کوشش کرے گا، جو فرائض ہی سے غافل ہو وہ نوافل میں بدرجۂ اولیٰ کوتاہی کرے گا۔

میری بڑے دردمندانہ التجا ہے، اے مسلمانو بالخصوص اے قوم کے نوجوانوں ہم سب مل کر خدارا ایک ہوجائیں، آؤ ہم سب مل کر اللہ کے ویران اور غیر آباد گھروں کو آباد کریں، مسجدوں کی ویرانیاں دور کریں اور وقف جائیدادوں کا تحفظ کریں۔ وقف بورڈ کے حکام بھی اپنی ذمہ داریوں کو سمجھیں، اللہ تعالیٰ نے جب آپ کو وقف جائیدادوں اور مسلم اثاثوں کے تحفظ کا ذمہ دار بنایا ہے تو آپ بھی اللہ کے حضور جوابدہی کا احساس اور خیال رکھتے ہوئے ان ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی نبھائیں۔

خاتم النبیین (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نوٹیفکیشن

پنجاب اسمبلی نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام کے ساتھ خاتم النبیین تحریر کرنا او بولنا لازمی قرار دینے کی قرارداد پیر کے روز جاری قومی اسمبلی کے اجلاس میں پیش کی، جس کی تمام پارلیمانی جماعتوں نے حمایت کی۔جناب سپیکر چودھری پرویز الٰہی صاحب کا کہنا تھا کہ ہمارے لیے یہ اعزاز کی بات ہے کہ پورا ایوان خراج تحسین کا حق دار ہے، پنجاب اسمبلی کے اجلاس کے دوران رائے حق پارٹی کے پارلیمانی لیڈر جناب مولانا محمد معاویہ صاحب نے قرارداد پیش کی جس میں نصاب ساز اداروں کی حدود متعین کرنے کے لیے پنجاب اسمبلی میں (ق) لیگ کی رکن خدیجہ عمر فاروقی صاحبہ کے مسودہ قانون پر ہونے والی قانون سازی پر سپیکر، وزیر اعلیٰ پنجاب اور پارلیمانی لیڈرز سمیت تمام کو خراج تحسین پیش کیا گیا۔واضح رہے کہ 15 جون کو سندھ اسمبلی میں بھی نصابی کتب، سرکاری دستاویزات میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام کے ساتھ خاتم النبیین لکھنے کی قرارداد متفقہ طور پر منظور کر لی گئی تھی اور وفاقی حکومت محکمہ تعلیم کا تمام سرکاری کاغذات اور سکول کالج سلیبس میں لفظ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خاتم النبیین لکھنے کا مبارک نوٹیفکیشن جاری ہوگیا تمام مسلمانوں کو مبارک ہو۔

اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاتم الانبیاء وسید المرسلین بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نبوت ورسالت کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا گیا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دین کامل عطا کیا گیا ہے، چنانچہ قیامت تک صرف اور صرف شریعت محمدیہ یعنی قرآن وحدیث اور ان سے ماخوذ علوم ہی انسانوں کے لئے مشعل راہ ہے۔خاتم النبیین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سلسلہ نبوت ورسالت کے اختتام کی ایک واضح دلیل یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیامت تک پوری انسانیت کے لئے پیغمبر بنا کر بھیجے گئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دنیا سے تشریف

لے جانے کے بعد سے آج تک کوئی نبی یا رسول آیا اور نہ آئے گا۔آپ ﷺ کے تشریف لے جانے کے بعد جو بھی دعویٰ کرے گا، وہ جھوٹا، فریبی، مکار اور دجال ہوگا۔اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی لاریب کتاب میں فرمایا: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں کے ختم پر ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔(سورہ احزاب:40) اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی بھلائی، ہدایت و راہنمائی کیلئے وقتاً فوقتاً ایک لاکھ 24 ہزار کم وبیش انبیاء اور رسول دنیا میں مبعوث فرمائے اور یہ سلسلہ نبوت خاتم النبیین حضرت محمد مصطفی ﷺ کی تشریف آوری پر ختم ہوگیا لہذا آپ ﷺ آخری نبی ہیں اور اب قیامت تک کوئی نبی یا رسول تشریف نہیں لائے گا لہذا اب ہر مسلمان پر آپ ﷺ کے آخری نبی ہونے پر ایمان لانا ضروری ہے جو بھی آپ ﷺ کو آخری نبی نہیں مانتا یا اس میں ذرہ بھر بھی شک کرے گا وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

تمام مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ خاتم النبیین کے معنی یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو منصب نبوت پر فائز نہیں کیا جائیگا۔حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں تیس جھوٹے پیدا ہوں گے، ہر ایک یہی کہے گا کہ میں نبی ہوں حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں، میرے بعد کوئی کسی قسم کا نبی نہیں۔(ابوداؤد، ترمذی) اس حدیث شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ خاتم النبیین کی تفسیر لا نبی بعدی کے ساتھ خود فرمادی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور خاتم النبیین رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث متواتر کے ذریعہ خبر دی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا تا کہ لوگوں کو معلوم رہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جس نے بھی اس مقام (یعنی نبوت) کا دعویٰ کیا وہ بہت بڑا جھوٹا، بہت بڑا افترا پرداز، بڑا ہی مکار، اور فریبی، خودگمراہ اور دوسروں کو گمراہ کرنے والا ہوگا اگرچہ وہ خوارق عادات اور شعبدہ بازی دکھائے اور مختلف قسم کے جادو اور طلسماتی کرشموں کا مظاہرہ کرے۔(تفسیر ابن کثیر رحمہ اللہ علیہ جلد 3 صفحہ 494)

ابتداء اسلام سے لے کر آج تک پوری امت مسلمہ قرآن وحدیث کی روشنی میں متفق ہے کہ نبوت کا

سلسلہ آپ ﷺ پر ختم ہوگیا ہے۔ تقریباً چودہ سو برس سے کروڑہا مسلمان اس عقیدہ پر قائم ہیں۔ قرآن کریم کی متعدد آیات میں آپ ﷺ کے آخری نبی ہونے کا ذکر موجود ہے حتی کہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب (ختم نبوت) میں تقریباً ایک سو/ 100 آیات قرآنیہ، 210 احادیث نبویہ، اجماع امت اور سینکڑوں اقوال صحابہ اور تابعین وائمہ دین سے مسئلہ ختم نبوت کو مدلل کیا ہے۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں خیر القرون سے آج تک پوری امت مسلمہ کا اتفاق ہے کہ نبوت ورسالت کا سلسلہ آپ ﷺ پر ختم ہوگیا ہے، اب کوئی نبی پیدا نہیں ہوگا۔ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور قیامت تک پوری انسانیت کے لئے پیغمبر ہیں۔ صرف اور صرف شریعت محمدیہ ہی انسانوں کے لئے مشعل راہ ہے۔

قرآن مجید، احادیث، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آئمہ عظام اور تمام زمانوں کے علماء حضرات کا متفقہ فیصلہ ہے کہ خاتم المرسلین ﷺ پر نبوت ورسالت کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے۔ اس عقیدے میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ بلکہ اس میں شک کرنے والا دائرہ اسلام سے خارج ہوجاتا ہے۔ خاتم النبیین حضور نبی کریم ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا حتی کہ حضرت عیسی علیہ الصلوۃ والسلام آکر شریعت محمدی ﷺ کی پیروی کریں گے یعنی نبی یا رسول بن کر نہیں بلکہ خاتم النبیین حضور کریم ﷺ کے امتی بن کر آئیں گے۔ یہ عقیدہ ختم نبوت ہر قسم کے نقلی اور عقلی دلائل سے ثابت ہے۔ جیسا کہ اسلام کے آغاز میں ہی منافقین اور اسلام کے دشمنوں کے بھی بھرمار تھی۔ لہٰذا عقیدہ ختم نبوت کے منکروں کی تعداد میں دور حاضر میں بھی اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ یہ لوگ اسلام کے بدترین دشمن ہیں۔ کیوں کہ اسلام تو نام ہی خاتم النبیین ﷺ کی اطاعت کا ہے۔ قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ”جس نے رسول اللہ! ﷺ کی اطاعت کی تو اُس نے میری ہی اطاعت کی“ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اسلام کی تعلیمات ہر دل وجان سے عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

مساجد کے ذمہ داران سے چند گزارشات

اناللہ وانا الیہ راجعون قاری اسلم صاحب جو آج تیز بارش کی وجہ سے ان کے کمرے کی چھت گرگئی جس میں ان کے تین بیٹے. ایک بیٹی اور اہلیہ شہید ہوگئیں ان کی اہلیہ ایک عالمہ فاضلہ خاتون تھیں اور مدرسہ دارالھدیٰ میں ٹیچر تھیں ان کا رہائشی تعلق بوسال سے تھا قاری اسلم صاحب پھالیہ مدرسہ جامعہ فاروقیہ کی مسجد میں امام تھے. اور یہ مکان مسجد انتظامیہ نے اپنے امام اور ان کی عالمہ اہلیہ کو عنایت فرمایا ہوا تھا۔ جو ان کے بچوں کی تعلیم وتربیت میں مصروف تھے۔ جب اس گھر سے پانچ جنازے اکھٹے اٹھیں ہوں گے، تو تمام مساجد کی انتظامیہ کے لیے یہ سوال لیکر اٹھیں ہوں گے کہ کیا آپ اپنے بچوں کے لئے بھی ایسا ہی گھر اور چھت پسند کرتے ہو؟ جو اپنی مسجد کے امام اور خطیب کے لئے بنواتے ہو؟ کیا علماے کرام یا ان کے بچوں کی جان کی کوئی قیمت نہیں؟ کیا ان کا حق نہیں کہ وہ محفوظ اور مضبوط گھروں میں رہیں؟ اللہ ہمارے معاشرے پر رحم فرمائے! قاری صاحب اور ان کے خاندان کو ان پانچ جنازوں کو ایک ساتھ اٹھانے کی ہمت حوصلہ اور صبر عطاء فرمائے اور ہماری شہید بہن اور اس کے چار پھولوں کو جنت الفردوس میں بلند ترین مقام عطاء فرمائے آمین

مسجدوں کی تعمیر کا اصل مقصد پنج وقتہ نماز جماعت کے ساتھ قائم کرنا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نماز کے ذریعہ سے مسجد کو آباد رکھا جائے اور مسجدیں بننے کے بعد، اس کی آبادی کے لیے چار ستون ضروری ہیں: (1) امام، (2) موذن، (3) تیسرا مقتدی، (4) اور چوتھا مسجد کمیٹی۔ اگر ان میں سے ایک بھی نہ رہے؛ تو مسجد کا حق ادا نہیں ہوگا۔ ان چار ستونوں میں اللہ کے یہاں سب سے اعلی اور افضل، دو ستون ہیں، اور وہ امام و موذن ہیں۔ لیکن افسوس کہ ان چار طبقوں میں سب سے زیادہ مظلوم طبقہ امام اور موذن ہی

ہیں ۔جو انبیاء کا وارث ہو، امامت جس کا حق ہو، جو لوگوں کو نماز کی دعوت دیتا ہو، ان کو مسجد آباد کرنے کی دعوت دیتا ہو، وہ آج مجبور محض اور مظلوم بنا ہوا ہے ۔رہے دوسرے دو ستون یعنی مسجد کے نمازی اور مسجد کمیٹی تو ان کا شمار ظالموں میں ہوتا ہے ۔مقتدیوں کا شمار ظالموں میں اس لیے کہ انہوں نے ایسی کمیٹی کا انتخاب کیا، جو امام ومؤذن کی ضروریات کا خیال نہیں کرتی اور معلوم ہونے کے بعد بھی کہ مسجد کمیٹی، ان کے امام ومؤذن پر ظلم کر رہی ہے، آواز اٹھانے سے قاصر ہیں ۔

مسجد کے احترام کے ساتھ ساتھ امام کا احترام بھی ہمارا اخلاقی اور دینی فریضہ ہے ۔امام ہمارا مذہبی لیڈر رہوتا ہے ۔جس طرح ہم دنیاوی لیڈروں کا ادب کرتے ہیں اس سے کہیں زیادہ ہم کو اپنے مذہبی لیڈر کا ادب کرنا ضروری ہے ۔ پیدایش، ختنہ، عقیقہ، قربانی، موت میت، شادی بیاہ، قرآن خوانی اور بچوں کی ابتدائی تعلیم وتربیت غرض پیدائش سے موت تک یہاں تک کہ موت کے بعد بھی ضروری کاموں کے دوران ہمیں قدم قدم پر امام کی ضرورت پیش آتی ہے ۔ہمیں چاہیے کہ ہم امام کا اچھی طرح سوچ سمجھ کر انتخاب کریں، افضل شخص ہی کو امام بنائیں کیوں کہ وہ ہماری نمازوں کا ذمّے دار بھی ہے اور ہمارے عقائد کی اصلاح کرنے والا بھی ۔اس زمانے میں تو امام حضرات ماضی کی طرح صرف قاریِ قرآن یا صرف حافظ نہیں ہوتے بلکہ اکثر جگہوں پر امامت کا فریضہ انجام دینے والے حافظِ قرآن اور عالم اور کہیں کہیں مفتی صاحبان بھی ہوتے ہیں، ان کے ساتھ تو غلط رویّہ اور ناز یبا حرکت یا ان کی بے عزتی تو بہت زیادہ بُری بات ہے پہلے پہل امام کی تقرری کے بعد ان کے ساتھ اعزاز اور اکرام کا معاملہ ہوتا ہے، لیکن دھیرے دھیرے امام کی خامیوں کی تلاش شروع ہو جاتی ہے، امام کی غلطیوں پر نکتہ چینی کی جاتی ہے، مستحبات کے ترک پر اعتراض کیا جاتا ہے، اس کی منہ بھر کر غیبت کی جاتی ہے، حالاں کہ یہ اعتراض درست نہیں یاد رکھیں کہ جب ہم نے اس شخص کو اپنی نماز جیسی اہم عبادت کے لیے امام تسلیم کر لیا تو پھر اس کے خلاف بے کار کے جملے، اس کے سامنے طنزیہ باتیں، اور اس کی غیر حاضری میں اس کی غیبت کیا معنیٰ رکھتی ہے؟ احادیث میں مسجدوں کے ساتھ ساتھ امام کی بھی فضیلتیں بیان کی گئی ہیں ۔منصب امامت ایک جلیل

القدر منصب ہے جو گویا کہ نیابتِ رسالت (یعنی انبیاء کے نائب) ہیں، جس کی بناء پر ائمہ حضرات کا اکرام و احترام لازم ہے۔ خاتم الانبیاء ﷺ نے فرمایا: ”تمہارے امام تمہارے سفارشی ہیں“ یا یوں فرمایا: ”تمہارے امام اللہ تعالیٰ کے یہاں تمہارے نمائندہ ہیں“ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے دریافت کیا کہ اللہ کے رسول! مجھے کوئی کام بتائیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اپنی قوم کے امام بن جاؤ“ تو انھوں نے کہا ”اگر یہ ممکن نہ ہو تو؟“ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”پھر مؤذن بن جاؤ“۔ (شرح عمدۃ الفقہ: ج:3،ص:139) فقہائے کرام رحمہم اللہ نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ مسجد کے متولی اور مدرسہ کے مہتمم کو لازم ہے کہ خادمانِ مساجد اور مدارس کو ان کی حاجت کے مطابق اور ان کی علمی قابلیت اور تقویٰ وصلاح کو ملحوظ رکھتے ہوئے وظیفہ ومشاہرہ (تنخواہ) دیتے رہیں۔ باوجود گنجائش کے کم دینا بُری بات ہے اور متولی خدا کے یہاں جواب دہ ہوں گے۔ (درمختار والشامی) صرف امامت کی تنخواہ دے کر امام پر اذان کی ذمہ داری ڈالنا، ان سے جھاڑو دینے، نالیاں صاف کرنے وغیرہ امور کی خدمت لینا ظلم شدید اور توہین ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”حاملین قرآن (یعنی حفاظ وقراء وعلمائے کرام) کی تعظیم کرو، بے شک جس نے ان کی تکریم کی اس نے میری تکریم کی“۔ (الجامع الصغیر) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”حاملین قرآن (یعنی حفاظ وقراء وعلمائے کرام) اسلام کے علمبردار ہیں اور اسلام کا جھنڈا اُٹھانے والے ہیں۔ جس نے ان کی تعظیم کی اس نے اللہ کی تعظیم کی اور جس نے ان کی تذلیل کی اس پر اللہ کی لعنت ہے“۔ (فتاویٰ رحیمیہ) ان احادیث مبارکہ سے واضح طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول خاتم النبیین ﷺ کی نگاہ میں امامت اور مؤذنی ایک اعلیٰ اور شرف والا عمل تھا، اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو اس کی تلقین فرمائی، اس لئے اہل محلہ کی ذمہ داری ہے کہ امام کی ضروریات کا خیال رکھیں، اُسے اتنی تنخواہ دی جائے، جو اُس کی ضروریات کے لئے کافی ہو اور اُس علاقے کے متوسط فرد کی تنخواہ کے برابر ہو اور اس کی غلطیوں کے پیچھے نہ پڑیں، کیونکہ وہ بھی ہماری طرح انسان ہیں، فرشتے نہیں ہے۔ افسوس کی بات ہے کہ آج ائمہ کرام اور علمائے کرام کی ناقدری ایک

عام وبائی شکل اختیار کرتی جارہی ہے،ایک شخص کو امام بھی بنایا جارہا ہے اور اس کی ناقدری بھی ہورہی، امام کی عزت وعظمت ایک ذمہ دارِ مساجد کا وطیرہ ہونا چاہیے تاکہ اس سے اور لوگ بھی سبق سیکھیں، اگر کوئی امام مسجد کے جائز اصولوں کے مطابق خدمت کے لیے آمادہ نہ ہو تو شرافت کے ساتھ اسے علاحدہ کردیا جائے، کیونکہ "متولی اور مہتمم کا عالم باعمل ہونا ضروری ہے، اگر میسر نہ ہوسکے تو صوم وصلاۃ کا پابند، امانت دار، مسائل وقف سے واقف کار، خوش اخلاق، رحم دل، منصف مزاج، علم دوست، اہلِ علم کی تعظیم وتکریم کرنے والا ہو، جس میں یہ اوصاف زیادہ ہوں اس کو متولی اور مہتمم بنانا چاہیے۔(فتاویٰ رحیمیہ ۹/ ۲۹۳) حضرت مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "فی زمانہ یہ ذمہ داری متولیانِ مسجد اور محلہ وبستی کے بااثر لوگوں کی ہے، ان کو اس اہم مسئلہ پر توجہ دینا بہت ضروری ہے، ائمہ مساجد کے ساتھ اعزاز واحترام کا معاملہ کریں، ان کو اپنا مذہبی پیشوا اور سردار سمجھیں، ان کو دیگر ملازمین اور نوکروں کی طرح سمجھنا منصبِ امامت کی سخت توہین ہے، یہ بہت ہی اہم دینی منصب ہے، پیشہ ور ملازمتوں کی طرح کوئی ملازمت نہیں ہے، جانبین سے اس عظیم منصب کے احترام، وقار، عزت، عظمت کی حفاظت ضروری ہے۔" (فتاویٰ رحیمیہ ۹/ ۲۹۳ جدید)

خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے موذنوں کے بارے میں فرمایا: کہ روزِ محشر لوگوں میں گردن کے اعتبار سے لمبے مؤذن حضرات ہوں گے، ایک اور حدیث میں فضیلت والی چیزوں کا تذکرہ کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا: اگر پہلی صف اور اذان دینے کی فضیلت کا علم ہوجائے تو آپس میں قرعہ اندازی کی نوبت آجائیگی۔ایک جانب مؤذن کی یہ فضیلت ہے، دوسری جانب ذمہ داروں کا رویہ ہے کہ وہ مؤذنین کے ساتھ آبائی وخاندانی ملازمین کا سا برتاؤ کرتے ہیں، انھیں تنخواہ دینے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ہمارے زرخرید غلام ہیں، اگر اسلامی حکومت ہوتی تو بیت المال ان کا کفیل ہوتا، اب چوں کہ بیت المال کا وجود نہیں؛ اس لیے عوام ان کی تنخواہوں کے ذمہ دار ہیں، اسی لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ مؤذن اور امام دونوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھیں، ان کے ساتھ حسنِ اخلاق کا معاملہ کریں، غیر اخلاقی رویہ سے کلی

اجتناب کریں۔کئی مؤذنین اپنے ذمہ داروں کے رویہ سے نالاں رہتے ہیں،بعض دفعہ ذمہ داروں کے ہراساں کرنے سے مؤذنین اس عظیم خدمت سے دستبردار ہو جاتے ہیں،ذمہ دار مؤذنین کی معاش کی بنا پر انھیں تنگ نہ کریں۔

مساجد کی انتظامیہ تنخواہ کے معاملے میں کتنی فراخ دل ہے نمونے کے طور پر ملاحظہ فرمائیے ایک قصبے کی مسجد میں 2020 کے درمیان میں امام رکھا گیا جو ماشاء اللہ حافظ اور عالم بال بچے دار بھی ہیں انہیں مسجد انتظامیہ نے بتایا کہ فیملی کی رہائش نہیں ہے اور تنخواہ/8000 ہوگی مزید یہ کہ اپنے کھانے کا انتظام بھی اسی تنخواہ سے کرنا ہے اور کسی سے اس کے علاوہ ایک روپے کی بھی توقع نہ رکھنا،(اسی قصبے میں ایک اور قاری صاحب ہیں جو 29 سال سے وہاں تدریس (ٹیچنگ) کر رہے ہیں اب ان کے پاس ماشاء اللہ دوسری نسل پڑھ رہی ہے کئی درجن بچے ان سے حفظ اور سینکڑوں بچے ناظرہ قرآن کریم پڑھ چکے ہیں انہوں کہا کہ یہ امام صاحب خوش قسمت ہیں کہ ان کی تنخواہ آٹھ ہزار مقرر ہوئی ہے،اگر استقامت سے یہی پر امام کرتے رہے تو 28 سال بعد ان کی تنخواہ بھی/17000 تک تو ضرور ہو جائے گی انشاء اللہ!وکیونکہ میری تنخواہ 28 سال کے بعد اب جا کے سترہ ہزار/17000 تک پہنچی ہے اور ایک شریف انسان کا بھلا ہو جس اکیلے نے یہ بیڑا اٹھایا ہوا ہے آج تک کسی دوسرے فرد نے یہ پوچھنے کی بھی جسارت نہیں کی کہ کون تنخواہ دے رہا ہے اور کیسے گزارا ہو رہا ہے)اسی قصبے کے ایک اور قاری صاحب ہیں ان کے متولی سے تنخواہ بڑھانے کی بات ہوئی تو انہوں نے فرمایا مشورہ چل رہا ہے دو ماہ بعد جب قاری صاحب سے پوچھا گیا ہاں بھائی تنخواہ بڑھی ہے یا نہیں؟ قاری صاحب نے کہا فلاں صاحب (مسجد انتظامیہ میں سے) نے کہا ہے کہ اپنے کوائف مفتی صاحب کو پیش کرو کہ تم پر زکوٰۃ لگتی ہے یا نہیں؟ یعنی زکوٰۃ بھی دینی ہے تو امام صاحب کو ذلیل کر کے دینی ہے،اگر تحقیق ہی کرنی ہے تو اپنے طور پر خود تحقیق کرو، مستحق زکوٰۃ کو محسوس بھی نہ ہو۔۔ یہ دو تین مثالیں اس قصبے کی ہیں جن میں اکثریت لوگوں کی ہے اگر احتیاط سے بھی کہا جائے تو ان کے لاکھوں میں بینک بیلنس اور کروڑوں کی پراپرٹیاں ہیں۔بہرحال یہ باتیں ضمناً چل نکلی

ہیں بہر حال! ایسا باور کیا جاتا ہے کہ مساجد کے امام اور موذنین معاشرے پر بوجھ ہیں اور پھر ان کے ساتھ عام طور پر اسی قسم کا برتاؤ کیا جاتا ہے، یقین جانئے ہمارا یہ عمل خود ہماری بدبختی اور اللہ کی ناراضی کا سبب ہے اور اس سے خود ہمیں ہی دنیا و آخرت میں خسارہ ہوگا۔ یہ کس قدر حیرت اور افسوس کا مقام ہے کہ ایک جانب تو یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ امامت اور موذنی کرنا معمولی کام ہے، یہ کام کر کے انسان پرُسکون طریقے سے اپنی زندگی نہیں گزار سکتا اور اس میں اپنی اولاد کو لگانا گویا ان کی زندگی کو برباد کرنا ہے، جب کہ دوسری جانب جب یہی لوگ بڑے شوق سے مسجد کے ٹرسٹی یا متولی بنتے ہیں تو امام یا موذّن کی تنخواہ چند ہزار سے زائد کرنے کے لیے کسی بھی صورت تیار نہیں ہوتے۔ اگر امام صاحب کسی مجبوری کی وجہ سے کسی دن دو منٹ لیٹ ہو گئے تو گلا پھاڑ پھاڑ کر امام صاحب کو متنبہ کیا جاتا ہے کہ آئندہ یہ غلطی نہیں ہونی چاہیے۔ تنخواہ کاٹنے کی دھمکی دی جاتی ہے۔ جی وہی تنخواہ جس سے امام صاحب کے گھر کا گزارہ مشکل سے ہوتا ہے۔ جی وہی تنخواہ جتنے کا بیڑی سگریٹ ہمارے صدر و سکریٹری صاحبان صرف ایک دن میں ہضم کر جاتے ہیں، میرے خدا رحم فرما! بعض ذمہ داران اس غلط فہمی میں بھی مبتلا ہیں کہ تنخواہ کم دے کر ہم مسجد، مدرسہ کا پیسہ بچا رہے ہیں، جب کہ یہ حضرات سخت غلطی پر ہیں، اس طرح وہ ان حضرات کا استحصال کر کے مسجد کا پیسہ نہیں بچا رہے ہیں بلکہ اپنے لیے آخرت کی مصیبت مول لے رہے ہیں، ان حضرات کو احمقوں کی جنت سے نکلنے کی ضرورت ہے۔ کیا اسے استحصال نہیں کہا جائے گا؟ اب آپ خود موازنہ کر لیں کہ ایک مزدور بھی امام مسجد سے زیادہ کما لیتا ہے، جبکہ دین متین کی حفاظت اور اس کی ترویج و اشاعت اور امت کی آخرت سنور جائے اس کوشش میں اپنا بچپن اور جوانی کے ایام جھونک دینے والے ان سعادت مند نفوس کے ساتھ امت کا کیا سلوک ہے؟ اس امت کے بعض افراد نے آج اسے ایک مزدور کے مقام پر کھڑا کر دیا ہے۔ ہمارے گھروں اور مسجدوں کے رنگ و روغن میں سالانہ لاکھوں روپے فضول خرچ کر دیے جاتے ہیں لیکن بیچارے امام و مؤذن ہیں کہ وہ سکونت کے قابل ایک گھر کی خواہش میں زندگی کھپا دیتے ہیں۔ اگر کوئی امام خارجی آمدنی کے لیے چھوٹا موٹا اپنا کوئی کاروبار شروع کرتا ہے تو اس کو امامت کا مستحق نہیں سمجھا جاتا یا پھر اس کی تنخواہ کا اضافہ

روک دیا جاتا ہے۔ اگر اللہ کا کوئی نیک بندہ امام ومؤذن کی تنخواہ میں اضافہ کی بات کرتا ہے تو اللہ پر توکل اور بھروسہ کا حوالہ دے کر اس کو خاموش کر دیا جاتا ہے۔ اللہ رحم وکرم کا معاملہ فرمائے اور مساجد کے نادان ذمے داران کو توفیق دے کہ وہ امام ومؤذن کی ضروریات کو سمجھ سکیں! ہمارا تصور یہ ہوتا ہے کہ امام اور موذن کو انسان نہیں، فرشتہ ہونا چاہیے، مگر خود ہم کسی کے ساتھ انسانی اخلاق کے ساتھ بھی پیش نہیں آتے۔ پس اِس وقت مسلمانوں میں بے شمار سماجی اصلاحات کے ساتھ کرنے کا ایک اہم کام یہ بھی ہے کہ ائمہ اور موذنین کے تئیں لوگوں کے دلوں میں احترام اور وقار کا جذبہ پیدا کیا جائے۔ اسلام میں ان کا جو مقام ومرتبہ بتایا گیا ہے، اس سے لوگوں کو روشناس کیا جائے اور لوگوں کو مساجد سے جوڑتے ہوئے ائمہ کی مخلصانہ اقتدا کا ماحول بنایا جائے۔ ہر دور میں عوام کا مساجد اور اماموں سے گہرا ربط رہا ہے، آج بھی عام مسلمانوں کا دن رات کا تعلق اپنے اماموں سے ہوتا ہے، اگر عوام اور ائمہ کے مابین تعلقات مضبوط ہوں گے اور دونوں طرف افادہ واستفادہ کی راہ ہموار ہوگی تو اس طرح مجموعی طور پر پورے مسلم معاشرے میں ایک خوش گوار سماجی انقلاب برپا ہو سکتا ہے۔

راقم الحروف مساجد کمیٹی سے گزارش کرتا ہے کہ امام ہمارے پیشوا ہیں۔ وہ ممبر رسول کے وارث ہیں۔ وہ محراب رسول کے امین ہیں اس لیے جس طرح ہم اپنی ضروریات کا خیال کرتے ہیں، ان کا بھی خیال کریں بلکہ جس طرح نماز میں امام کو اپنے سے آگے رکھتے ہیں، اسی طرح دنیاوی آسائش میں بھی، ہم ان کو مقدم رکھیں۔ تاکہ جو حادثہ قاری اسلم صاحب کے ساتھ پیش آیا ہے کسی اور امام، حافظ، قاری، عالم کے ساتھ پیش نہ آئے اور ساتھ ہی ساتھ نمازیوں سے یہ بندہ یہ عرض کرنا چاہتا ہے کہ کمیٹی میں ایسے افراد کا انتخاب نہ کریں، جو امام ومؤذن کی ضروریات کا خیال نہ کرے، جو رحم دل نہ ہو، نماز کی پابندی نہ کرتا ہو، زکاۃ کا اہتمام نہ کرتا ہو کیوں کہ جو اللہ کا اور فقراء کا حق ادا نہ کرے، وہ امام ومؤذن کا حق خاک ادا کرے گا۔ یہ ہمیشہ یاد رہنا چاہیے کہ ظالم اور اس کی مدد کرنے والا ایک دن مٹ کر رہے گا۔

لہٰذا ذمہ دارانِ مساجد ومدارس کو اس پر توجہ دینے کی سخت ضرورت ہے، اسی طرح نوجوانانِ

ملت کو بھی محلہ کی مسجد کے امام ومؤذن ومدرسین کی خبر گیری کرتے رہنا چاہیے، اور مسجد مدرسے کی آمدنی کے سلسلے میں ذمہ داران کا تعاون بھی کرتے رہنا چاہیے، تب جا کر یہ معاملہ قابو میں آئے گا، اور ان حضرات کی تنخواہوں کا معیار بلند ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!

بجلی کی قیمتوں میں ریکارڈ اضافہ

تفصیلات کے مطابق مشیر خزانہ عبدالحفیظ شیخ کی زیر صدارت اقتصادی رابطہ کمیٹی کا اجلاس ہوا، ای سی سی 4 نکاتی ایجنڈے پر غور کیا گیا۔ ای سی سی نے کے الیکٹرک صارفین کیلئے بجلی مہنگی کرنے کی منظوری دے دی، کے الیکٹرک ٹیرف میں اضافہ سہ ماہی ایڈجسٹمنٹ کی مد میں کیا جائے گا، صارفین کیلئے بجلی ٹیرف میں 2 روپے 89 پیسے تک اضافے کی منظوری دی گئی۔

بجلی کی قیمتوں میں اضافے کے لئے نام نہاد ماہرین جو جواز بتاتے ہیں، ان میں روپے کی قیمت میں کمی، ٹرانسمیشن اور تقسیم کاری میں نقصانات، بجلی کا کم استعمال اور ٹیرف میں قانونی اور غیر قانونی اضافے کو بیان کیا جاتا ہے۔ یہ سب حیلے بہانے اور ڈھکوسلے ہیں۔ یہ بالکل واضح ہے کہ آئی ایم ایف سے قرضہ جات لینے کی ایک اہم شرط بجلی کی قیمتوں میں اضافہ کیا جانا تھا، جواب وقفے وقفے سے کیا جا رہا ہے۔ اور وزیر بجلی عمر ایوب نے ایک عجیب منطق دیتے ہوئے مسلم لیگ ن کو اس کا ذمہ دار قرار دیا۔ انہوں نے یہ اعلیٰ فرمان جاری کیا کہ ن لیگ نے اپنے دور کے آخری اٹھارہ ماہ میں بجلی کی قیمتوں میں اضافہ نہ کر کے ملک کو جو 226 ارب روپے کا نقصان پہنچایا اسے اب پورا کرنا ضروری ہے۔ اگرچہ مسلم لیگی دور بھی کوئی مثالی دور نہ تھا لیکن مسلم لیگی دور میں 28000 میگا واٹ تک بجلی پیدا کرنے کی صلاحیت حاصل کر لی گئی تھی۔ مگر اس میں امپورٹڈ کوئلے سے پیدا ہونے والی بجلی مہنگی بھی ہے اور ماحول کی تباہی کا باعث بھی بن رہی تھی۔ مگر انکو اس بات کے طعنے دینا کہ انہوں نے اپنے دور میں بجلی مہنگی کیوں نہ کی، خان صاحب کی حکومت کے سیاسی دیوالیہ پن اور نااہلی کی انتہا کا اظہار ہے۔ موجودہ تحریک انصاف حکومت نیو لبرل پالیسیوں پر تیزی سے عمل کر رہی ہے۔ وہ بجلی اور گیس کے ساتھ ساتھ، پٹرول کی قیمتوں میں بھی

مسلسل اضافہ کر رہی ہے اور سینکڑوں اداروں کی نجکاری کے درپے ہے۔ روپے کی قیمت میں کمی کا نقصان بھی عوام پر ان ڈائریکٹ ٹیکس لگا کر کیا جا رہا ہے۔ گویا ہر طریقے سے عوام کی جیبوں میں ہاتھ ڈالا جا رہا ہے۔ مار کھاتا ہے تو محنت کش طبقہ، جو طبقاتی طور پر اتنا منظم نہیں کہ کھل کر جدوجہد کرے۔ اور ظلم کی انتہا دیکھئے/ 300 یونٹ بجلی بل = / 3285 روپے۔۔۔ اور/ 360 یونٹ بجلی بل = / 6235 روپے۔ اس کے علاوہ بجلی اہلکار جان بوجھ کر ایک مہینے میں/ 70 / 60 یونٹ کم اور دوسرے مہینے میں/ 70 / 60 یونٹ زیادہ ڈال کر بل ڈبل بھیج دیتے ہیں جس کی وجہ سے بل/ 300 یونٹ سے اوپر جانے کی وجہ سے پہلے کی نسبت بل ڈبل ہو جاتا ہے اس لئے صارفین کا اربابِ اختیار سے مطالبہ ہے اس لوٹ کھسوٹ کے ٹیرف کو فی الفور ختم کیا جائے اور فی یونٹ کے حساب سے ریٹ لگایا جائے۔ اور بجلی بل پر جو کئی قسم کے ٹیکس مثلاً: انکم ٹیکس ڈبل، ٹیلی ویژن کی ڈبل فیس اور (یہ فیس مسجد کے بل میں بھی ہوتی ہے اور جن کے گھر ٹی وی نہیں ہے ان پر بھی لاگوں ہوتی ہے) بقایا جات، یہ وضاحت نہیں ہوتی کون سا بقایا جات، ایکسٹرا ٹیکس اسکے بارے میں وضاحت نہیں ہے کس چیز کا ایکسٹرا ٹیکس، اور نیلم جہلم سرچارج کس بات کے وغیرہ وغیرہ۔ اور بجلی کے آنے جانے کا وقت ہی نہیں، کب گئی اور کب آئی بالخصوص پسماندہ دیہاتوں میں تھوڑا سا موسم خراب ہونے کی دیر ہے پھر کئی کئی گھنٹے بے چاری عوام کو خوار ہونا پڑتا ہے۔

ایک صاحب کے گھران کے پیر صاحب تشریف لائے اس وقت صاحب خانہ کے ایک رشتہ دار بھی ان سے ملنے آئے ہوئے تھے جو کے پیری مریدی کے سخت مخالف تھے۔ اُن کے اور پیر صاحب کے درمیان کچھ سخت الفاظ کا تبادلہ ہوا اور اچانک ہی سارا گھر اندھیرے میں ڈوب گیا، ہر طرف ہاہا کار مچ گئی اور صاحب خانہ سمجھے کے پیر صاحب جلال میں آ گئے ہیں اور تمام گھر والوں کو اندھا کر دیا ہے، گرتے پڑتے پیر صاحب کے قدموں میں لیٹے اور گڑ گڑانے لگے۔ "موتیاں والیو معاف کر دیو ساڈی نظر واپس کر دیو" پیر صاحب نے ٹھوکر لگائی اور غصہ سے بولے "اہی دیو میں کجھ نہیں کیتا، بجلی چلی گئی اے تے تہاڈا یو پی ایس کم نہیں کردا" یہ اور اس طرح کے بے شمار لطیفے آج کل پاکستان کی عوام کے زبان زد عام ہیں۔ اسکی وجہ یہ ہے کے پاکستان میں اول

تو بجلی اتنی ہے ہی نہیں، کے پورے پاکستان کے عوام کو مل سکے اور جن کو سہولت میسر ہے وہ گرمیوں کے شروع ہوتے ہی اسکا انتظار شروع کر دیتے ہیں کے کب آئی اور کب گئی۔ اس دفعہ جو جماعت برسر اقتدار ہے اس نے عوام سے ووٹ ہی اسی مسئلے کو حل کرنے کے وعدہ پر لئے تھے۔ پاکستان کی بدقسمتی یہ ہے کہ نجی بجلی گھر ہوں یا کرائے کے بجلی گھر، موٹر وے ہو یا پیلی ٹیکسی سکیم ہر وقت کے حکمرانوں نے عوامی فلاح کے منصوبے اپنی جیب گرم کرنے کی خاطر بنائے گئے ہیں۔ ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے کیچڑ اچھالتے ہیں اور آخر میں مصیبت عام آدمی کو ہی جھیلنی پڑتی ہے۔

بس تھوڑا صبر کریں

چند دن پہلے کراچی میں 5 بچوں کے باپ نے اس لیے خودکشی کر لی کیونکہ اس کے پاس اتنے پیسے نہیں تھے کہ وہ اپنے بچوں کی فرمائش یا ضد پوری کر سکتا۔ وہ بیروزگار تھا۔ اس لیے اپنے بچوں کے لیے سردیوں کے نئے کپڑے نہیں خرید سکا۔ وہ کتنے کرب، تکلیف اور غم کی کیفیت میں مبتلا رہا ہوگا۔ اس کے دل و دماغ پر کیا گزری ہوگی جو اپنے بچوں کو ہنستا کھیلتا دیکھ کر جیتا ہوگا۔ اپنے بچوں کے چہروں پر ایک مسکراہٹ لانے کے لیے کتنے جتن کرتا ہوگا مگر وہ بچوں کی خواہش پوری نہ کر سکنے پر ہمیشہ کے لیے انہیں چھوڑ کر چلا گیا۔ اسی طرح لیہ میں ایک باپ نے چار بیٹیوں اور ایک بیٹے کو زہر دے کر مار ڈالا اور پھر خود زہر پی کر خودکشی کر لی۔

انہوں نے اپنے بچوں کی آنکھوں میں ایسا کیا دیکھا ہوگا جو ان سے برداشت نہیں ہوا۔ انہوں نے اپنے بچوں کے چہروں پر ایسا کیا پڑھ لیا کہ دنیا چھوڑ گئے۔ کیا ہمارے معاشرے میں یہی دو شخص تھے جو اس کرب اور تکلیف سے گزر رہے تھے۔ ہمارے ملک کے عوام کی اکثریت اسی کیفیت میں مبتلا ہے۔ جسم اور روح کا رشتہ برقرار رکھنا مشکل سے مشکل ہوتا جا رہا ہے۔ غربت اور مہنگائی نے عوام کا جینا دوبھر کر دیا ہے۔ خاص طور پر مہنگائی نے تو لوگوں سے مسکراہٹ اور چھوٹی چھوٹی خوشیاں بھی چھین لی ہیں۔ انہیں روزانہ اپنی چھوٹی چھوٹی خواہشات اور آرزوؤں کو بھی قتل کرنا پڑتا ہے۔ جب آرزوؤں اور خواہشات کو مسلسل دبانا اور ان کا گلا گھونٹنا مشکل ہوتا جاتا ہے تو پھر لوگ اپنی زندگی کے خاتمے کو ترجیح دیتے ہیں۔

موجودہ حکومت کو آئے قریباً دو سال ہو چکے ہیں اس کی کارکردگی اور کارناموں سے ہر فرد ہاں ہاں کر رہا ہے ان کارناموں میں بڑا کارنامہ تمام اشیائے خورونوش، آٹا، چینی، چاول، دالوں، سبزیوں، گھی، میدہ،

پٹرول، ڈیزل، سوئی گیس، بجلی کی قیمتوں میں ریکارڈ اضافہ ہے، تمام اشیا غریب عوام کی قوت خرید سے باہر ہوگئی ہیں۔ روزمرہ کی ضرورت کی اشیاء کی قیمتوں میں مسلسل اضافے اور کمر توڑ مہنگائی نے عوام کا جینا دوبھر کر دیا ہے۔ نرخوں میں مسلسل اضافے کی بدولت اس وقت عام آدمی کا سب سے بڑا مسئلہ مہنگائی ہے۔ آٹا، چینی گھی، چاول، دودھ، دالیں، سبزیاں اور گوشت کے ساتھ ساتھ موجودہ دور میں بجلی گیس، پٹرول اور ادویات بھی بنیادی انسانی ضروریات ہیں۔ جن کی ارزاں نرخوں پر دستیابی عوام کا بنیادی انسانی حق ہے۔ ہمارا حکمران طبقہ ہر معاملے میں امریکہ اور یورپ کی نقالی کی حد تک پیروی کرنا ضروری سمجھتا ہے لیکن اس طبقہ نے کیا کبھی یہ سوچنے کی زحمت بھی کی ہے کہ امریکہ اور یورپ میں اشیائے خوردونوش پر حکومت نے کنٹرول کر رکھا ہے اور وہاں کی حکومتوں اور سپر مارکیٹ بزنسز کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ان چیزوں کی قیمت کم رہنی چاہیے، کیوں کہ یہ چیزیں ہر انسان کی بنیادی ضرورت ہیں۔ ان ممالک کے علاوہ متحدہ عرب امارات میں بھی کھانے پینے کی اشیاء کی قیمتیں مستحکم ہیں۔ وہاں بنیادی ضرورت کی اشیاء حکومتی کنٹرول کی وجہ سے برس ہا برس سے بڑھنے نہیں پاتیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں کے عوام اپنے حکمرانوں سے خوش ہیں، کیونکہ ان کو یہ بنیادی ضروریات بہ آسانی اور سستے داموں حاصل ہو جاتی ہیں۔ اس کے برعکس ہمارے ہاں خوردونوش کی اشیاء کی قیمتوں پر کوئی نگرانی نہیں ہے۔ ہر دوکان میں اپنی مرضی کے نرخ وصول کیے جاتے ہیں۔ قوتِ خرید کی ابتری سے حالت یہاں تک آ پہنچی ہے کہ کچھ برس پہلے جو لوگ آٹا چینی، گھی، چاول، دال ہفتے یا مہینے کے لیے اکٹھا خریدا کرتے تھے، آج وہ روزانہ کے حساب سے خریدنے پر مجبور ہیں۔

حکومتی معاشی ماہرین تو معیشت کے استحکام کے لیے کوشاں ہیں۔ انہیں تو آئی ایم ایف اور عالمی بینک کو مطمئن کرنا ہے۔ انہیں خوش رکھنا ہے۔ ان کے پاس اتنا وقت کہاں ہے کہ وہ غریبوں کے تلخ حالات زندگی کے بارے میں سوچیں۔ ہمارے ارباب واقتدار کو احساس ہی نہیں ہوتا کہ ضروریات زندگی، خوراک، بجلی، گیس، پٹرول اور سبزیوں وغیرہ کی قیمتوں میں معمولی ردوبدل انہیں کتنی مشکلات اور اذیتوں

سے دو چار کرتا ہے۔ جو لوگ 7 ہزار سے 15 ہزار روپے ماہانہ کماتے ہیں۔ کرایوں کے گھروں میں رہتے ہیں۔ ان کی جیبوں پر جب 1000 روپے یا اس سے زیادہ کا اضافی بوجھ پڑتا ہے تو ان کی کیا حالت ہوتی ہے۔ 1000 روپے کی حکمران اشرافیہ کے سامنے کیا اوقات ہے۔ اتنی تو وہ کسی بھی ریسٹورنٹ میں کھانا کھا کر ٹپ دے دیتے ہیں۔ بالائے درمیانے طبقے کو بھی دو چار ہزار سے کوئی فرق نہیں پڑتا مگر جو شخص کماتا ہی سات، دس یا پندرہ ہزار ہو تو اس کو ایک یا دو ہزار روپے سے بہت فرق پڑتا ہے۔ قیمتوں میں معمولی ردوبدل انہیں یہ فیصلہ کرنے پر مجبور کر دیتا ہے کہ انہوں نے بچوں کو سکول بھیجنا ہے یا کام پر۔ انہیں یہ فیصلہ کرنا ہوتا ہے کہ انہوں نے بیماری کے لیے دوا خریدنی ہے یا بچوں کا پیٹ بھرنا ہے۔ عوام پر کیا بیت رہی ہے، وہ کس اذیت میں مبتلا ہیں اس سے حکومتی معاشی ماہرین کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ٹیکس لگائے جاؤ۔ مہنگائی کرتے جاؤ۔ بجلی، گیس، پٹرول مہنگا کرتے جاؤ اور پھر معصومیت سے کہو کہ مہنگائی کی وجہ ہماری پالیسیاں تو نہیں ہیں۔ یہ تو پچھلی حکومتوں کی لوٹ مار کا نتیجہ ہے۔ بس تھوڑا صبر کریں۔ پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔ کب تک ہو جائے گا یہ خود ان کو بھی پتہ نہیں ہے۔

محرم الحرام میں شادی

ماہِ محرم الحرام کے فضائل ابتدائے آفرینش سے مُسلّم ہیں، حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے وقت سے ہی یہ ماہ فضیلتوں والا ہے، اِن حُرمت والے مہینوں میں ایک چیز جس کا رواج عام طور پر بہت زیادہ ہو چکا ہے کہ اس مہینے میں شادی سے روکا جاتا ہے کہ یہ غم اور سوگ کا مہینہ ہے لہٰذا اس مہینے میں خوشی نہیں منانی چاہیے، کیوں؟ اس لیے کہ اس مہینے میں نواسہَ رسول حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے خاندان کے چھوٹوں اور بڑوں کو ظالمانہ طور پر نہایت بیدردی سے شہید کر دیا گیا تھا، ان کے ساتھ اظہار ہمدردی کے لیے غم منانا، سوگ کرنا اور ہر خوشی والے کام سے گریز کرنا ضروری ہے، تو یہ احکامات دینیہ سے ناواقفیت کی علامت ہے؛ اس لیے کہ "شہادت" جیسی نعمتِ بے بہا کسی بھی طور پر غم کی چیز نہیں ہے، یہ تو خوش بختی ہے، اور بلا شک وشبہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا دن تاریخ اسلامی میں بہت ہی تاریک دن ہے، لیکن اس عظیم سانحے کی وجہ سے شادی یا منگنی کو حرام کر دینے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ ہماری شریعت میں سالانہ برسی وغیرہ کے موقعوں پر غم تازہ کرنے اور سوگ منانے کی اجازت نہیں ہے اور نہ ہی یہ کہ ان دنوں میں خوشی کا اظہار کرنا منع ہے۔ اگر اس بات پر کوئی اتفاق کرے تو ہمیں یہ پوچھنے کا حق بنتا ہے کہ کیا جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے وہ دن امت کیلئے سب سے غمگین دن نہیں ہے؟ تو پھر مکمل ماہِ ربیع الاول میں شادی کرنا منع کیوں نہیں کرتے؟! یا اس ماہ میں شادی بیاہ کی حرمت یا کراہت صحابہ کرام سے منقول کیوں نہیں ہے؟ یا خاتم النبیین ﷺ کی آل و اولاد اور انکے بعد آنے والے علمائے کرام سے منقول کیوں نہیں ہے؟ اگر ہمارا یہی حال رہا کہ جس دن بھی کوئی اسلامی شخصیت یا اہل بیت کا کوئی فرد فوت ہو یا اسے شہید کیا گیا ہو، ہم ہر سال اس غم کو تازہ کرنے لگ جائیں، تو ہمارے لئے خوشی اور مسرت کا

کوئی دن باقی نہیں رہے گا، اور لوگوں کو نا قابل برداشت حد تک مشقت اٹھانی پڑے گی۔ یقیناً دین میں نت نئے احکام ایجاد کرنا اسلام مخالف لوگوں کا کام ہے، اور یہ لوگ اللہ تعالی کی طرف سے مکمل کر دیئے جانے والے دین میں بھی کمی کوتاہی نکالنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔

اس لئے محرم الحرام کے مہینے میں نکاح کرنے میں کوئی قباحت نہیں، دیگر مہینوں کی طرح اس ماہ مبارک میں بھی نکاح کرنا درست اور جائز ہے، بلکہ اس ماہ میں نکاح نہ کرنے کی رسم کو ختم کرنے کے لیے نکاح کرنا موجب اجر ہوگا۔ اگر اس ماہ مبارک میں شہادتوں کی وجہ سے اس کو غم اور سوگ کا مہینہ قرار دے کر نکاح سے احتراز کیا جائے تو سال بھر میں کوئی مہینہ ایسا نہیں جس میں کسی عظیم شخصیت کی شہادت کا واقعہ پیش نہ آیا ہو، اور اس بنا پر تمام مہینوں میں نکاح سے احتراز ناممکن بات ہے۔ اس لیے محرم الحرام میں بھی نکاح کرنا عام مہینوں کی طرح جائز ہے۔

علماء کرام فرماتے ہیں کہ اس مہینے میں فضیلت محض روزے رکھنے کی ہی نہیں ہے، بلکہ اس ماہ کا ہر نیک عمل بہ نسبت دوسرے مہینوں کے بہت بڑھا ہوا ہے، چنانچہ اعمال میں سے ایک بڑا اور اہم عمل نکاح کا بھی ہے "عمل نِکاح" چاہے کسی مہینے میں ہو، یہ اپنی اصل کے اعتبار سے مباح ہے، اور مباح کام کا ناجائز ہونا کسی واضح ممانعت سے ہوتا ہے لیکن اس مہینے میں، یا اس کے علاوہ کسی اور بھی مہینے میں شریعت کی طرف سے کسی قسم کی کوئی ممانعت نہیں ملتی، نہ کتاب وسنت میں، نہ اجماع امت سے اور نہ ہی قیاس وغیرہ سے چنانچہ جب ایسا ہے تو اس ماہ کا نکاح اپنی اصل (مباح ہونے) کے اعتبار سے جائز ہی رہے گا۔

خاتم الانبیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین وتبع تابعین اور متقدمین یا متاخرین فقہاء میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں ہے، جو اس ماہ مبارک میں شادی، بیاہ وغیرہ کو ناجائز قرار دیتا ہو۔ لہٰذا اگر کوئی اس کو منع بھی کرتا ہے تو اس کا منع کرنا بغیر دلیل کے ہوگا اور کسی بھی درجہ قابل اعتبار نہیں ہوگا۔ اور شرعاً سوگ کرنے کی اجازت صرف چند صورتوں میں ہے اور وہ بھی صرف عورتوں کے لیے نہ کہ مردوں کے لیے: (ا) ایسی عورت جس کو طلاق بائن دی گئی ہو اس کے لیے صرف زمانہ عدت

میں ۔(۲) جس عورت کا شوہر فوت ہو جائے، اس کے لیے صرف زمانہ عدت میں ۔(۳) کسی قریبی رشتے دار کی وفات پر صرف تین دن کے لیے ۔اس کے علاوہ کسی بھی موقع پر عورت کے لیے سوگ کرنا جائز نہیں ہے ۔اور سوگ کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس عرصہ میں زیب وزینت اور بناؤ سنگار نہ کرے، زینت کی کسی بھی صورت کو اختیار نہ کرے، مثلا: خوش بو لگانا، سرمہ لگانا مہندی لگانا اور رنگ برنگے خوشنما کپڑے وغیرہ پہننا، اس کے علاوہ کوئی صورت اپنانا، مثلاً: اظہارِ غم کے لیے سیاہ لباس پہننا یا بلند آواز سے آہ و بکا جائز نہیں ۔نیز! مردوں کے لیے تو کسی صورت میں سوگ کی اجازت نہیں ہے تو پھر محرم الحرام کے شروع ہوتے ہی سوگ اور ماتم کے نام پر پورے ملک وملت کو عملی طور پر یرغمال بنالینا کیا معنی رکھتا ہے؟ تو یہ ایک ایسا مہینہ ہے جس کی نسبت اللہ تعالی نے اپنی طرف فرمائی ہے ۔اس ماہ میں نفل روزوں کا ثواب دیگر مہینوں سے زیادہ ہے، اس لئے اس ماہ کی برکت، اور فضیلت پانے کیلئے پوری کوشش کرنی چاہیے، چنانچہ اس ماہ میں غمگین رہنا، یا شادی کرنے سے ہچکچانا، یا جاہلی دور کی طرح بدفالی لینا سب غلط ہے ۔اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ہر طرح کے منکرات سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے اور افراط وتفریط سے بچتے ہوئے صراط مستقیم پر گامزن رکھے! آمین

کیلے اور بجلی کا بل

واپڈا آفس کے سامنے ایک شخص کیلے بیچ رہا تھا،محکمہ کے ایک بڑے افسر نے پوچھا کیلے کس طرح درجن ہیں؟ کیلے فروش نے افسر سے پوچھا کیلے کس کے لئے خرید رہے ہو صاحب؟

افسر! کیا مطلب؟ کیلے فروش! مطلب یہ کہ: یتیم خانے کے لیے لے رہے ہو تو 10 روپیہ درجن،اولڈ ہوم کے لیے لے رہے ہو تو 15 روپیہ درجن،،بچوں کے ٹفن کے لیے 20 روپیہ درجن،گھر کھانے کے لیئے لے رہے ہو تو 25 روپیہ درجن،اگر پکنک کے لئے خریدنے ہوں تو 30 روپیہ درجن۔

افسر کیلے فروش سے! یہ کیا بیوقوفی ہے؟ ارے بھائی جب سب کیلے ایک جیسے ہیں تو ریٹ الگ الگ کیوں؟

کیلے والا: روپے کی وصولی کا اسٹائل تو آپ لوگوں سے ہی سیکھا ہے۔جیسے:

1 سے 100 ریڈنگ کا الگ ریٹ

100 سے 200 کا الگ ریٹ

200 سے 300 کا الگ ریٹ

بجلی تو آپ ایک ہی کھمبے سے دیتے ہو؟ تو پھر گھر کے لئے الگ ریٹ کیوں؟ دکان کے لئے الگ ریٹ کیوں؟ کارخانے کا الگ ریٹ کیوں؟ اور ایک بات اور،میٹر کا کرایہ الگ۔میٹر کیا امریکہ سے امپورٹ کیا ہے؟ جو پاکستان بننے سے لے کر لوگ اب تک میٹر کا کرایہ ادا کر رہے ہیں آخر میٹر کی قیمت کتنی ہے؟ آپ بتا دو مجھے ایک بار!

مندرجہ بالا پوسٹ فیس بک سے تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ لی گئی ہے۔بہر حال طبی ماہرین کا کیلے

کے حوالے سے کہنا ہے کہ کیلے میں تین چوتھائی حصہ پانی ہونے کی وجہ سے چھوٹے بچوں اور بڑوں کے لئے کیلے کا استعمال ان کی صحت کا ضامن ہے، اس لئے دودھ کے ساتھ بالخصوص بچوں کو کیلے کا استعمال ضرور کرائیں۔ الغرض کیلا پھل کا پھل ہے اور دوا کی دوا ہے۔ اس کے استعمال کو اگر معمول بنا لیا جائے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ کوئی بیماری آپ کے قریب بھی پھٹکے۔ کیلا وہ پھل ہے جو آپ کو صحت اور طاقت بخشنے آیا ہے۔ یہ آپ کے لئے ایک بہترین پھل ہے جو کہ آپ کی زندگی بدل سکتا ہے۔ کہیں بھی کسی بھی وقت اس کو مختلف قسم کے کھانے اور پینے میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ کیلا صبح سویرے کھانا سب سے بہترین ہے۔ بڑھتی عمر کے بچوں کیلئے اور بوڑھے لوگوں کیلئے بھی کیلا انتہائی مفید ہے۔ یہ جسم کو صحت مند رکھنے کیلئے بھی اچھا ہے۔ یہ ہڈیوں کو طاقت دیتا ہے۔ جسم کی تھکاوٹ کم کرتا ہے۔ صبح کے وقت 2 عدد کیلے کھا لئے جائیں تو یہ بھرپور غذا کا کام بھی دیتا ہے۔ یہ آپ کے جسم کو وہ تمام غذائی اجزاء مہیا کرتا ہے جس کی آپ کو ضرورت ہوتی ہے۔ ایک تحقیق میں دریافت کیا گیا کہ جو لوگ بہت زیادہ پھل اور سبزیاں کھاتے ہیں، ان میں گردوں کے کینسر کا خطرہ بہت کم ہوتا ہے، تحقیق کے دوران اس مقصد کے لیے فائدہ مند پھلوں کا جائزہ لیا گیا تو کیلے سب سے بہتر ثابت ہوئے۔ غذائی اعتبار سے کیلے کی افادیت کا انکار نہیں، کیونکہ یہ توانائی سے لبریز پھل ہے، جس میں وٹامن اور معدنیات کا خزانہ پوشیدہ ہے، یہ ایک ایسا جادوئی پھل ہے جو انسانی جسم کو پلک جھپکتے ہی توانائی فراہم کرتا ہے، دیگر پھلوں کے مقابلے میں یہ ایک زود ہضم غذا ہے جسے شیر خوار بچوں کی ابتدائی خوراک کا اہم جزو سمجھا جاتا ہے، کیلا اگر بچوں کو کم عمری میں استعمال کروایا جائے تو وہ بہت جلد صحت کے اعلیٰ معیار تک پہنچتے ہیں۔ جبکہ بڑھتے ہوئے بچے ہر روز ناشتے میں کیلا کھانے کے بعد ایک گلاس دودھ پینے کی عادت اپنا لیں تو ان کا وزن بھی بڑھنے لگے گا اور جسمانی طاقت بھی حاصل ہوگی۔

طب نبوی ﷺ کے مطابق کیلا عمدہ پھل ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اچھی دوا بھی ہے، یہ جسم میں وٹامن سی کی کمی کو پورا کرتا ہے، طاقت اور خون پیدا کرتا ہے، گردوں کو طاقت دیتا ہے، جگر کے لئے مقوی

ہے، گلے کی خراش میں اس کا استعمال مفید ہے، جسم سے زہریلے مواد کو باہر نکالتا ہے، کھانسی کے لئے بھی مفید ہے، جبکہ پیچش کے لئے اکسیر ہے، یرقان میں بھی فائدہ پہنچاتا ہے۔ تیزابیت دور کرتا ہے، اس لئے معدہ کے لئے مفید ہے۔ پیاس اور دل کی بیماریوں کے لئے بھی فائدہ مند ہے، پیچش، مروڑ، بچوں کے دستوں میں اور کمزور بچوں کے لئے جن کا وزن کم ہو انہیں کیلا دودھ کے ساتھ دینا چاہیے۔ کم مقدار میں کھانے کی صورت میں باعث قبض، اور زیادہ کھانے کی صورت میں قبض کشا ہے، جسم کو موٹا کرتا ہے، شوگر کے مریض کم کھائیں، کیلا کھانے کے بعد فوراً پانی نہ پئیں اس سے بلغم پیدا ہوتا ہے، پیچش اور دست کے دوران کیلا دہی میں ملا کر کھائیں۔

کیلے کے ساتھ ساتھ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے کیلے کے درخت میں بھی دوا کے اثرات رکھے ہیں۔ کیلے کے تنے میں موجود پانی سے پیٹ کے کیڑے ہلاک ہوتے ہیں، اس کی جڑ بھی بڑی کارآمد ہے، جس سے طبیب اپنے مریضوں کا علاج کرتے ہیں، کیلے کی ایک خوبی یہ ہے کہ دن کے ابتدائی حصے میں اس کا استعمال جس قدر کارگر ہے اتنا شام یا رات کو نہیں، لہذا بہتر ہوگا کہ ناشتے کے اوقات میں کیلا استعمال کیا جائے۔

6 ستمبر یوم دفاع پاکستان

6 ستمبر 1965ء کی جنگ نے جہاں ہمیں اپنے سپاہیوں کی جرأت واستقامت اور بے لوث قربانیوں کو دیکھنے کا موقع فراہم کیا وہاں اس نے ہمارے اجتماعی رویوں کے ان روشن پہلوؤں کو بھی اجاگر کیا جن میں ملی وحدت، تنظیم، حب الوطنی اور قومی افتخار نمایاں ہیں۔اس دن پوری قوم جارحیت کرنے والوں کو سبق سکھانے کے لئے فرد واحد کی طرح اٹھ کھڑی ہوئی۔ہماری بہادر مسلح افواج اور عوام کے مابین ایک ایسا جذباتی رشتہ استوار کیا جو ہمیشہ دلوں کو گرماتا رہے گا۔یہ ہمارے قومی شعور کا ایسا بھرپور اور جانفزا تجربہ ہے جو باعثِ افتخار بھی ہے اور قابل تقلید بھی۔ 6 ستمبر کا وہ دن جب کئی گنا بڑے ملک نے افرادی تعداد میں کئی گنا زیادہ لشکر اور دفاعی وسائل کے ساتھ اپنے چھوٹے سے پڑوسی ملک پر کسی اعلان کے بغیر رات کے اندھیرے میں فوجی حملہ کر دیا۔اس چھوٹے مگر غیور ملک پاکستان نے اپنے دشمن کے جنگی حملہ کا اس پامردی اور جانثاری سے مقابلہ کیا کہ دشمن کے سارے عزائم خاک میں مل گئے۔بین الاقوامی سطح پر بھی اسے شرمندگی اٹھانا پڑی۔بھارتی افواج نے سترہ دن میں تیرہ حملے کئے لیکن وہ لاہور کے اندر داخل نہ ہو سکی۔اس وقت بھی امریکہ نے اپنی سابقہ روایات کو برقرار رکھتے ہوئے ہماری افواج کی امداد بند کر دی اور بھارت کا ساتھ دیا۔یہی وہ نوجوان ہیں جن کی سخت کوشی اور عرق ریزی نے صحراوں میں پھول کھلائے۔آسمانوں کو اپنی منزل بنانے والوں ان نوجوانوں کے عزم وحوصلے اور بلند عزائم کے سامنے آسمانوں کی بلندیوں پر جمنے والی ستاروں کی محفل بھی ہیچ ہوتی ہے۔سلام ہے ان ماوں کو جنہوں نے

چٹان جیسے حوصلے کے حامل نوجوانوں کو جنم دیا۔ جارحیت کرنے والا وہ بڑا ملک بھارت تھا۔ 1965ء کی ہندوستان اور پاکستان کے درمیان ہونے والی اس جنگ میں ثابت ہوا کہ جنگیں ریاستی عوام اور فوج متحد ہو کر ہی لڑتی اور جیت سکتی ہیں۔ پاکستانی قوم نے اپنے ملک سے محبت اور مسلح افواج کی پیشہ وارانہ مہارت اور جاںنثاری کے جرأت مندانہ جذبے نے ملکر ناممکن کو ممکن بنا کر دکھایا۔

اس کے ساتھ ساتھ پاکستان کے بہادر فضائی افواج نے ائیر مارشل نور خان کی قیادت میں بھارت کے ہوائی اڈوں پر بے مثال دلیری سے پرواز کرتے ہوئے ان کے لڑاکا جہازوں کو پاکستان پر حملہ کرنے سے قبل ہی نیست و نابود کر دیا۔ ہم 6 ستمبر یومِ دفاع پاکستان کے موقعہ پر اپنے ان قومی ہیروں کی قربانیوں اور عظیم بہادری کا کردار سرانجام دینے والوں کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں۔ اس روز افواج پاکستان کی بے مثال شجاعت اور قربانیوں کے ساتھ ساتھ تمام قوم یک جاں ہو کر دفاعِ پاکستان کے لئے اپنی فوج کی سپلائی لائن بحال رکھی۔ ہماری افواج نے نہ صرف زیرِحملہ علاقوں کا کامیابی سے دفاع کیا بلکہ ہزاروں شہریوں اور ان کے گھروں کی حفاظت کو بھی یقینی بنایا۔ 17 روز تک جاری رہنے والی اس جنگ کے دوران پاکستان کی بحری، بری اور فضائی افواج نے اپنی پیشہ ورانہ صلاحیتوں اور مہارتوں کا لوہا ساری دنیا میں منوانے کے ساتھ ساتھ بہادری و جانبازی اور جذبۂ شجاعت کی ایسی قابلِ تقلید مثال دنیا کے سامنے پیش کی جس کے لئے وہ آج بھی خراجِ تحسین کی مستحق ہے۔

یومِ دفاع ہمارے اس عزم کی تجدید کا بھی دن ہے کہ ہم ایک مضبوط قوم ہیں اور ہم کسی بھی غیر ملکی قوم سے ڈریں گے نہیں چاہے وہ جتنی بھی مضبوط کیوں نہ ہو۔ ہماری فوج اس کی اور دیگر چیزوں کی علامت ہے۔ ہماری فوج ہمارے عظیم ملک پاکستان کی شجاعت اور حربی تکنیکوں کا مظہر ہے اور یومِ دفاع یہ سب کچھ یاد رکھنے کا دن ہے تاکہ ہم مضبوط رہ سکیں اور اپنے ملک کے بچوں اور نوجوانوں کو درست پیغام دے سکیں۔ ان کو یہ بھی بتائیں 6 ستمبر کا دن پاکستان کا وہ دن ہے جسمیں جرأت اور بہادری کی تاریخ رقم ہوئی جو رہتی دنیا تک درخشاں رہے گی، اور ایسے دن قوموں کی زندگی میں کبھی کبھی آتے ہیں۔ مگر زندہ قومیں ایسے

دنوں کو ہمیشہ یاد رکھتی ہیں، ملت پاکستان کے لیے 6 ستمبر شہیدوں اور غازیوں کو یاد کرنے کا دن ہی نہیں یہ دن ہماری عظمت کا نشان ہے۔ 6 ستمبر اپنی نوعیت کے اعتبار سے قابل فخر اور یادگار دنوں کا درجہ رکھتا ہے قوم اپنے جرأت مند فرزندوں، شہیدوں، مجاہدوں کی بہادری اور حب الوطنی پر کیوں ناز نہ کرے جنہوں نے اپنے ملک کی سالمیت وحفاظت کے لیے اپنی خوبصورت جان بلند حوصلہ کے ساتھ ہمارے آنے والے کل کے لیے قربان کر دی اس پر پوری پاکستانی قوم رہتی دنیا تک اپنے ان شہیدوں مجاہدوں کو سلام پیش کرتی رہے گی، اور 6 ستمبر دفاع پاکستان قوم میں جہاں ایک نئی امنگ پیدا کرتا ہے دفاع جتنا مضبوط ہو قوم بھی اتنی ہی مضبوط اور فخر محسوس کرتی ہے۔ اور 6 ستمبر پاکستان کی تاریخ کا سنہرا دن مسلمانوں کے باہم اتحاد اور یگانگت کا عملی مظہر ہے جس نے پاکستان کا سر فخر سے بلند کر دیا اور جذبہ ایمانی کے ذریعے بھارت کے شب خون کا منہ توڑ جواب دیا۔ یوم دفاع تجدید کا دن ہے اور تقاضا کرتا ہے کہ مسلمان نفرتوں، عداوتوں کی خلیج کو پاٹ کر اپنی گم کردہ راہ کو پالیں اور متحد ہو کر بیرونی طاقتوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر یہ باور کرا دیں کہ ابھی ایمان کی حرارت دلوں میں زندہ ہے۔

آج کا دن ہمیں یاد دلاتا ہے کہ ہم اپنے فوجی جوانوں کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے یاد رکھیں کہ آزادی کی حفاظت اللہ پر بھروسہ اور اپنے وطن عزیز سے محبت اور دفاع وطن کی قربانی کے جذبہ سے ہوتی ہے لیکن قومی آزادی کی حفاظت کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ موجودہ منتخب حکومت اپنے وطن عزیز کی اقتصادی وسماجی ترقی کے لئے اس میں غربت، جہالت، بے روزگاری دور کرتے ہوئے قومی وسائل عیش و آرام پر ضیاع ہونے کی بجائے پاکستان کو ہر لحاظ سے خود کفیل فلاحی مملکت جلد از جلد قائم کریں۔

7 ستمبر یوم تحفظ ختم نبوت

وطن کی نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کی یاد دہانی

سات ستمبر 1974ء کا دن ہماری قومی اور ملی تاریخ میں اس کی خاص اہمیت ہے۔ اس دن مسلمانوں کے دیرینہ مطالبے پر اس وقت کی قومی اسمبلی نے قادیانیوں کو جمہوری اور پارلیمانی بنیاد پر غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا تاریخ ساز فیصلہ کیا، یہ یادگار فیصلہ مسلمانوں کی طویل جدو جہد کا نتیجہ تھا، اس روز عقیدہ ختم نبوت اور ناموس رسالت کے تحفظ کی سوسالہ طویل ترین جدو جہد، فتح مبین سے ہمکنار ہوئی۔ 7/سات ستمبر کا دن صرف پاکستان کے لیے ہی نہیں، بلکہ پوری امت مسلمہ کے لیے انتہائی تاریخی اہمیت کا حامل ہے، اس سے حضور ﷺ کی ختم نبوت کا تحفظ ہوا۔ اس دن آنحضرت ﷺ کی عزت و ناموس کا جھنڈا بلند ہوا۔ اس دن آپ کی ختم نبوت پر ڈاکہ ڈالنے والے ذلیل ورسوا ہوئے، آپ کی ردائے ختم نبوت کو چوری کرنے والے ناکام ونامراد ہوئے، حضور اکرم ﷺ کے تاج ختم نبوت کو چھیننے والے خائب وخاسر ہوئے، اس دن پاکستان کی پارلیمنٹ اور پوری قوم نے مل کر مرزائی اور قادیانیوں کو جسد ملت اسلامیہ سے کاٹ کر علیحدہ کر دیا اور انہیں آئینی طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا گیا، اس پر صرف پوری پاکستانی قوم نے ہی نہیں، بلکہ پوری امت مسلمہ نے سجدہ شکر ادا کیا، کیوں کہ قادیانیت کے تعفن اور اس کی سڑانڈ نے پوری امت مسلم کو بے چین اور مضطرب کیا ہوا تھا۔ اس فیصلے نے جہاں اہلیان پاکستان کے دینی جذبات کی مکمل ترجمانی کی وہاں پر پوری دنیا کے مسلمانوں میں اسلامیان پاکستان کی قدر کو بھی بڑھا دیا کہ پاکستان کے مسلمان

حضور ﷺ کی ناموس کے لئے اپنی جان کی قربانی دینے کے لئے بھی تیار ہیں، مگر ختم نبوت پر کسی کو ڈاکا ڈالنے کی قطعاً اجازت نہیں دے سکتے۔ زندہ قومیں اس طرح کے تاریخ ساز اور تابناک ایام ولمحات کو نہ صرف یاد رکھتی ہیں، بلکہ زندہ بھی رکھتی ہیں۔

خاتم النبیین جناب نبی کریم ﷺ کے منصب رسالت وختم نبوت کا عقیدہ اسلام کی اساس اور مسلمانوں میں "وحدت اُمت" کی علامت ہے، بلاشبہ رحمت للعالمین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی تسلیم کرنا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کے باب کو بند سمجھنا اسلام کی اساس اور بنیاد ہے جس پر دین اسلام کی پوری عمارت کھڑی ہے۔ قرآن کی درجنوں آیات اور سینکڑوں احادیث مبارکہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ تاجدار ختم نبوت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور رسول ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو شخص بھی نبوت کا دعویٰ کرئے وہ کافر مرتد، زندیق، دائرہ اسلام سے خارج، اور واجب القتل ہے۔ جھوٹے نبیوں کی ایک پوری تاریخ ہے اور انکار ختم نبوت پر مبنی فتنوں نے ظہور اسلام کے وقت ہی سر اٹھانا شروع کر دیا تھا، ماضی کے مختلف ادوار میں کئی بد بخت افراد نے دعویٰ نبوت کر کے مسلمانوں میں افتراق پیدا کرنے اور انہیں گمراہ کرنے کی سعی مذموم کی۔ مگر ہر دور میں اہل ایمان اور حق کے طرف داروں نے ان کے خلاف بھرپور مزاحمت کی، منصب ختم نبوت کی حفاظت کی اور مسلمانوں کو گمراہی اور ارتداد سے بچایا۔ انگریز نے جذبہ جہاد کو مسلمانوں کے دل و دماغ سے نکالنے کے لیے جعلی اور جھوٹا نبی پیدا کیا۔ ''قادیان'' کے ایک لالچی اور بدکردار شخص ''مرزا غلام احمد'' کو دعویٰ نبوت کے لیے آمادہ وتیار کیا اور آخر کار اس بد بخت نے نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ مرزا قادیانی نے پہلا کام یہ کیا کہ انگریز کے خلاف جہاد کو حرام قرار دیا اور انگریز کی اطاعت وفرمانبرداری کو ہی اصل ایمان قرار دیا۔

مرزا قادیانی کے جھوٹے دعویٰ نبوت کے بعد امت مسلمہ نے جس طرح اس کی گرفت کی اور علماء نے جس طرح اس کا تعاقب کیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ 18 جنوری 1953ء کو تمام مکاتب فکر کے علماء اور مذہبی اور سیاسی جماعتوں کے نمائندوں پر مشتمل آل پاکستان مسلم پارٹیز کنونشن میں مجلس تحریک تحفظ ختم نبوت

قائم کی گئی۔اور پھر اس کے مرکزی رہنماؤں نے قدم بہ قدم شب و روز ایک کر کے تحریک ختم نبوت کو بامِ عروج پر پہنچایا۔اس وقت سے لے کر آج تک ملکی سلامتی کے خلاف سازشیں کرنا اس ٹولے کا وطیرہ رہا ہے، چنانچہ 22 مئی 1974ء میں نشتر میڈیکل کالج ملتان کے طلبہ کے ساتھ ایک واقعہ پیش آیا طلباء کا ایک گروپ سیر وتفریح کی غرض سے چناب ایکسپریس سے پشاور جا رہا تھا۔جب ٹرین ربوہ پہنچی تو قادیانیوں نے اپنے معمول کے مطابق مرزا قادیانی کی خرافات پر مبنی لٹریچر تقسیم کرنا شروع کر دیا۔نوجوان طلبہ اس سے مشتعل ہو گئے اور انہوں نے ختم نبوت زندہ باد اور قادیانیت مردہ باد کے نعرے لگائے۔طلبہ جب پشاور سے واپسی پر 29 مئی کو ربوہ پہنچے تو قادیانی ہتھیاروں سے مسلح ہو کر طلبہ پر ٹوٹ پڑے اور طلبہ کو نہایت بے دردی سے مارنا پیٹنا شروع کر دیا، انہیں لہولہان کر دیا اور ان کا سامان لوٹ لیا۔آناً فاناً یہ خبر پورے پنجاب میں پھیل گئی۔یہ حادثہ شعلۂ جوالہ بن گیا۔یہ تحریک اتنی شدید اور طاقتور تھی کہ اس وقت کے علمائے کرام اور دانشور حضرات نے اس مسئلہ کو قومی اسمبلی میں حل کرنے کا فیصلہ کیا۔اسمبلی سے باہر کل جماعتی مجلس عمل تحفظ ختم نبوت، مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ کی قیادت میں سرگرم عمل تھی۔خواجہ خان محمدؒ، مولانا سید ابوذر بخاریؒ، نوابزادہ نصر اللہ خان، آغا شورش کاشمیری، حافظ عبد القادر روپڑیؒ، میاں طفیل محمدؒ، علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ اور تحریک کے دیگر مرکزی رہنماؤں نے قدم بہ قدم شب و روز ایک کر کے تحریک کو بامِ عروج پر پہنچایا۔ ادھر اسمبلی کے اندر مولانا غلام غوث ہزارویؒ، مولانا مفتی محمودؒ، مولانا عبد الحقؒ، مولانا شاہ احمد نورانیؒ، پروفیسر عبد الغفورؒ اور ان کے رفقاء نے آئینی جنگ کر کے تحریک کا مقدمہ بڑی دانشمندی سے لڑا۔

7 ستمبر 1974ء کو پاکستان کی آئین ساز اسمبلی میں آئین میں ترمیم کرتے ہوئے قادیانیوں کی حیثیت کا تعین کیا اور متفقہ طور پر آئین میں ترمیم کرتے ہوئے انہیں غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا۔یہ فیصلہ یوں ہی بیٹھے بٹھائے نہیں کر دیا گیا، بلکہ مکمل غور وخوض اور بحث ومباحثہ، سوال وجواب کے بعد ہر پہلو پر غور کرنے کے بعد کیا گیا، قومی اسمبلی میں قادیانی مسئلے پر بحث شروع ہوئی، قادیانی اور لاہوری گروپ دونوں نے اپنی خواہش اور درخواست پر اپنے محضر نامے قومی اسمبلی میں علیحدہ علیحدہ پیش کیے، ان کے

جواب میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت نے بھی ’’قادیانی فتنہ اور ملت اسلامیہ کا موقف‘‘ کے نام سے اپنا تفصیلی موقف پیش کیا۔ لاہوری، قادیانی محضر نامے کا شق وار جواب کی سعادت حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی ؒ کے حصے میں آئی اور انہوں نے علیحدہ علیحدہ مستقل دونوں محضر ناموں کے جوابات تحریری طور پر اسمبلی میں پیش کیے۔ قادیانی اور لاہوری گروپ نے صرف تحریری طور پر ہی اپنا موقف پیش نہیں کیا، بلکہ انہیں زبانی بھی اپنا موقف پیش کرنے کا موقع دیا گیا، چناں چہ قادیانی گروپ کی طرف سے قادیانیوں کا سربراہ مرزا ناصر احمد قومی اسمبلی میں پیش ہوا، 5 سے 10 اگست اور 20 سے 24 اگست تک کل گیارہ روز مرزا ناصر احمد کا بیان، اس سے سوالات و جوابات اور اس پر جرح ہوئی۔ ان گیارہ دنوں میں 42 گھنٹے مرزا ناصر پر جرح ہوئی۔ لاہوری پارٹی کی طرف سے ان کے سربراہ مسٹر صدر الدین پیش ہوئے۔ 27،28 اگست کو ان کا بیان ہوا اور ان پر 7 گھنٹے جرح ہوئی، صدر الدین چوں کہ کافی بوڑھے تھے، پوری طرح بات بھی سننے کی قوت نہیں رکھتے تھے، اس لیے ان کا بیان میاں عبد المنان عمر کے وسیلے سے ہوا۔ گواہوں پر جرح اور ان سے سوالات کے لیے اس وقت کے اٹارنی جنرل جناب یحییٰ بختیار کو متعین کیا گیا، انہوں نے پوری قومی اسمبلی کی اس سلسلے میں معاونت کی اور بڑی محنت و جاں فشانی سے اپنی ذمہ داری کو نبھایا۔ قومی اسمبلی کے ممبران اپنے سوالات لکھ کر اٹارنی جنرل صاحب کو دیتے اور وہ سوالات کرتے تھے، اس سلسلے میں مفتی محمود، مولانا ظفر احمد انصاری اور دیگر حضرات نے اٹارنی جنرل کی معاونت کی۔

بالآخر پوری جرح، بیانات اور غور و خوض کے بعد قومی اسمبلی کی اس خصوصی کمیٹی نے اپنی رپورٹ وزیر اعظم کو پیش کی۔ وزیر اعظم پہلے ہی فیصلے کے لیے 7 ستمبر کی تاریخ طے کر چکے تھے، چنانچہ 7 ستمبر کو قومی اسمبلی کا اجلاس ہوا، جس میں خصوصی کمیٹی کی سفارشات پیش کی گئیں اور آئین میں ترمیمی بل پیش کیا گیا۔ وزیر قانون نے اس پر مختصر روشنی ڈالی، اس کے بعد وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو مرحوم نے تقریر کی۔ تقریر کے بعد بل کی خواندگی کا مرحلہ شروع ہوا اور وزیر قانون نے بل منظوری کے لیے ایوان کے سامنے پیش کر دیا، تاکہ ہر رکن قومی اسمبلی اس پر تائید یا مخالفت میں رائے دے۔ رائے شماری کے بعد اسپیکر قومی اسمبلی نے پانچ

بج کر باون منٹ پر اعلان کیا کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے والی آئینی ترمیم کے حق میں ایک سو تیس ووٹ آئے ہیں، جبکہ مخالفت میں ایک ووٹ بھی نہیں ڈالا گیا، اس طرح قومی اسمبلی میں یہ آئینی ترمیمی اتفاق رائے سے منظور کرلیا گیا۔

اس وقت کے وزیر اعظم جناب ذوالفقار علی بھٹو صاحب بیرونی دباؤ کی وجہ سے اس آئینی ترمیم پر دستخط سے انکاری تھے، اس لیے بڑے بڑے شہروں میں فوج تعینات کردی گئی اور تحریک ختم نبوت کے قائدین اور کارکنوں کی لسٹ بنالی گئی، جنہیں رات کو گرفتار کرنا تھا۔ مگر خالق کائنات مسلمانوں کے حق میں فیصلہ لکھ چکا تھا۔ ایک حدیث کے مطابق تمام انسانوں کے دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں اور وہ ان کو جیسے چاہتا ہے پھیر دیتا ہے۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ نے بھٹو صاحب کے دل کو پھیر دیا اور مفتی محمود صاحب کے ان کو منانے کے بعد بالآخر وہ مبارک گھڑی آئی جب 7 ستمبر 1974ء کو 4 بج کر 35 منٹ پر قادیانیوں کے دونوں گروپوں (مرزائی اور لاہوری گروپ) کو قومی اسمبلی نے متفقہ طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا۔ اور یہ فیصلہ ایک ترمیم کے ذریعے پاکستان کے بنا۔ آج اس آئینی فیصلے کو 46 برس بیت گئے ہیں مگر مرزائیوں نے اسے تسلیم نہیں کیا۔ وہ آئے روز مسلمانوں کے خلاف اپنی سازشوں کا جال پھینکتے رہتے ہیں۔ علما کے خلاف نفرت پیدا کرنا۔ فرقہ وارانہ کشیدگی کو ہوا دینا اور سیاسی طور پر پاکستان کو بدنام اور غیر مستحکم کرنا اور ملکی سلامتی کے خلاف سازشیں کرنا مرزائیوں کا نصب العین ہے۔

تحریکِ ختمِ نبوّت 1974ء میں جنرل محمد ضیاء الحق شہید نے حضرت مولانا خواجہ خان محمد رحمہ اللہ کی قیادت میں قائم کل جماعتی مجلس عمل تحفظ ختم نبوّت کے مطالبات منظور کرتے ہوئے 26 اپریل 1984ء کو ''امتناع قادیانیت آرڈیننس'' جاری کیا، جس کے مطابق قادیانیت کی تبلیغ وتشہیر، قادیانی کا خود کو مسلمان ظاہر کرنا، اذان دینا، اپنی عبادت گاہوں کو مسجد کہنا اور شعائر اسلام استعمال کرنے کو جرم قرار دے دیا گیا۔ یہود ونصاریٰ کی مکمل سرپرستی وتعاون کی وجہ سے اس قانون کا مؤثر نفاذ تو نہ ہوسکا لیکن بہت حد تک مرزائیوں کے اثر ونفوذ کا راستہ روک دیا گیا۔

سات ستمبر کا دن پاکستان کے مسلمانوں کے لیے خصوصی طور پر اور دنیا کے کونے کونے میں بسنے والے مسلمانوں کے لیے عمومی طور پر ایک یادگار اور تاریخی دن ہے۔ یہ دن ہمیں اس تاریخ ساز فیصلے کی یاد دلاتا ہے جو پاکستان کی قومی اسمبلی نے عقیدۂ ختم نبوت کی حقانیت کا برملا اور متفقہ اعلان کرتے ہوئے جاری کیا تھا۔ اس عظیم اور تاریخ ساز فیصلے کی رو سے مرزا قادیانی اور اس کے ماننے والوں کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دے دیا گیا تھا۔ قومی اسمبلی نے جمہوری طریقے کے مطابق متفقہ طور پر یہ بل پاس کیا۔ اس دن کو یاد رکھنا اور اس کے بارے میں نئی نسل کو آگاہ کرنا ہمارا فرض ہے اور یہ یقیناً ختم نبوت کے تحفظ کا ایک عمدہ ذریعہ ہے۔ اس حوالے سے میری پوری اُمت مسلمہ اور بالخصوص پاکستانی حکومت سے درخواست ہے کہ وہ 6 ستمبر کو "یومِ دفاعِ پاکستان" منانے کی طرح 7 ستمبر کو "یومِ ختمِ نبوت" عظیم الشان طریقے سے منانے کا اہتمام کرے۔ اس وقت ضرورت اس امر کی ہے کہ حکومت 1974ء کی آئینی ترمیم اور 1984ء کے امتناع قادیانیت آرڈیننس پر نیک نیتی کے ساتھ موٴثر طور پر عمل درآمد کرائے اور مرزائیوں کو اپنی حیثیت کے اندر رہنے کا پابند بنائے اور اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات کی روشنی میں مرتد کی شرعی سزا نافذ کرے۔ اس کے علاوہ قادیانیت کی تبلیغ و تشہیر کی پابندی پر بھی سختی سے عمل درآمد کرایا جائے، تاکہ روئے زمین سے قادیانیت کا نام و نشان تک مٹ جائے۔

کیونکہ تعلیمی اور رفاہی کاموں کی آڑ میں قادیانیت کی تبلیغ کے راستے ہموار کیے جا رہے ہے امریکہ و مغربی ممالک اور افریقی ممالک کے علاوہ پوری دنیا میں حتیٰ کہ جدہ میں قادیانی اپنی ٹیکنیک سے کام کر رہے ہیں اور ہم ابھی تک روایتی کام کے دائرے سے باہر نکل کر صورتحال کا حقیقی ادراک کرنے کیلئے تیار نہیں پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا پر کچھ لوگ قادیانیوں کا حق الخدمت ادا کر رہے ہیں ایسے میں زیادہ ضروری ہوگیا ہے کہ تحفظ ختمِ نبوت کے محاذ کی تمام جماعتیں، ادارے اور شخصیات لمحہ بہ لمحہ بدلتی ہوئی صورتحال پر نظر رکھیں اور ممکن حد تک ترجیحات طے کرنے میں باہمی مشاورت سے کام لیں! خلاصہ یہ ہے کہ قادیانی مسلمانوں سے علیحدہ قوم ہیں، ان کے نظریات بھی یہی بتا رہے ہیں۔ ان کا اعتراف بھی یہی ہے۔ اسی کے

مطابق قومی اسمبلی نے آئین میں ترمیم کر کے انہیں غیر مسلم اقلیتوں میں شمار کیا جو عین انصاف ہے۔ جب سے یہ قانون بنا ہے اس وقت سے کوششیں جاری ہیں کہ کسی طرح یہ قانون یا تو ختم ہو جائے یا اس میں اس طرح ترمیم کر دی جائے کہ اس کی افادیت ختم ہو جائے۔ 7 ستمبر کے موقع پر پوری امت مسلمہ خصوصاً پاکستانی قوم یہ عہد کرے کہ ہم اس قانون کو تبدیل ہونا تو دور کی بات ہے، اس میں ادنیٰ سی ترمیم بھی نہیں ہونے دیں گے۔ اس کے لیے پوری قوم کو ہمہ وقت بیدار اور چوکنا رہنا ہوگا کہ کوئی بھی چور راستے سے اس میں نقب زنی نہ کر سکے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب رسالت و ختمِ نبوت کے لئے متفق و متحد ہو کر حقیقی کام کی توفیق سے نوازیں، خاتم النبیین ﷺ کی ختم نبوت کی حفاظت فرمائے اور ہمیں سرکار دو عالم ﷺ کی عزت و ناموس کی حفاظت کے لیے قبول فرمائے۔ (آمین یارب العلمین)

چند آسان گھریلو ٹوٹکے

انتخاب:......قاری محمد اکرام چکوالی

ذیل میں چند ایسے آسان گھریلو ٹوٹکے تحریر کیئے جارہے ہیں جن پر عمل کر کے بہت سی روزمرہ دشواریوں پر قابو پایا جاسکتا ہے۔ان کی حیثیت کسی قاعدہ کلیہ کی نہیں ہے بلکہ تجربات کی بنیاد پر ہے۔لہٰذا مخصوص حالات میں متعلقہ ماہرین اور تجربہ کاروں سے رابطہ قائم کرنا ضروری ہوگا:

☆......ابلتے ہوئے دودھ کو گرنے سے بچانے کے لئے اس دیگچی کو جس پر دودھ ابالا جائے اس کے کنارے پر تھوڑا سا گھی یا مکھن لگا دیں تو ابلتے وقت دودھ نیچے نہیں گرے گا۔

☆......بچوں کے فیڈر کی نپل میں بعض اوقات چکنائی جم جاتی ہے جس کی وجہ سے بچے کو دودھ پینے میں دشواری ہوتی ہے۔اس دشواری کا آسان حل یہ ہے کہ نپل میں دو چٹکی نمک ڈال کر دس منٹ تک کے لیے رکھ دیں بعد میں نیم گرم پانی سے دھوئیں،انشاء اللہ بالکل صاف ہوجائے گا۔

☆......دہی جمانے سے پہلے دودھ کو ابال کر اس میں 2 ہری مرچ ڈال دیں اور آدھے گھنٹے کے لئے رکھ چھوڑ دیئے اور پھر دیکھئے دہی جلد اور سخت جمے گا۔

☆......کچن میں کھانا بناتے ہوئے خوشبو اکثر سارے گھر میں پھیل جاتی ہے اس کو روکنے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک پیالی سفید سرکہ چولہے کے پاس رکھ دیں تو خوشبو نہیں پھیلے گی۔

☆......باسی چاول تازہ کرنے کے لئے پانی ابالیں اور اس میں چاول ڈال دیں ایک ابال کے بعد پانی نکال دیں اور دم پر رکھ دیں۔

☆......لیموں سے زیادہ رس حاصل کرنے کیلئے ایک دو منٹ تک نیم گرم پانی میں بھگو دیں پھر اس کا رس نکال دیں پھر اس کا رس دوگنا حاصل ہوگا۔

☆......نمک دانی میں چاول کے چار پانچ دانے ڈال دیں تو اس میں نمک نہیں جمے گا۔

☆......سرکے اور پانی سے شیشے کی بوتلیں اور صراحیاں خوب صاف ہو جاتی ہیں۔

☆......چاقو، چھری کی صفائی کچا آلو کاٹ کر چاقو پر ملنے سے چاقو صاف ہو جاتا ہے۔

☆......سیاہ بوٹ پالش میں ذرا سا سرکہ ملا دیا جائے تو جوتوں پر خوب چمک آجاتی ہے۔

☆......چہرے کے داغ دھبے دور کرنے کے لئے ایک گلاس پانی لے کر دو عدد لیموں کا رس اس میں ملا دیں پھر اس آمیزے کو برف جمانے والی ٹرے میں جمالیں پھر روزانہ ایک ٹکڑا نکال کر چہرے پر ملیں چہرہ خوب صاف ہو جائے گا۔

☆......پلاسٹک کے برتنوں کو کثرت سے استعمال کے بعد پلاسٹک کے برتنوں، بوتلوں پر کچھ داغ پڑ جاتے ہیں اور چکنائی جم جاتی ہے۔اس کے لئے ایک بڑے سے ٹب میں برتنوں کے حساب سے دو چار چمچ کپڑے دھونے والا سوڈا ڈال کر تیز گرم یا پانی میں بھگو دیں نتائج حیران کن ہوں گے۔

☆......اگر آپ کو نکسیر کی بیماری ہے تو آپ آملے کو ایک دن کے لیے پانی میں بھگو دیں اس کے بعد اس پانی کے چار قطرے روزانہ ناک میں ڈالیں تو آرام آجائے گا۔اور جب نکسیر بہنے لگے تو پیاز کاٹ کر ضرور سونگھئے ان شاء اللہ اس سے بھی آرام ملے گا۔

☆......اگر آپ کی جلد چکنی ہے یا آپ کے پاؤں میں بہت پسینہ آتا ہے تو گرم پانی میں سرکہ یا لیموں کا عرق ملا کر اس سے پاؤں دھوئیں۔پسینہ آنا کم ہو جائے گا۔

☆......گلاس اور اسٹیل کے برتن صاف کرنا بعض اوقات بہت مشکل ہوتا ہے۔اس کیلئے گندم کا آٹا چھاننے کے بعد بچ جانے والا چھلکا ضائع مت کریں۔اس سے گلاس اور اسٹیل کے دیگر برتن دھوئیں اور پھر ان کی چمک دیکھیں۔

☆...... چپاتیوں کو ڈبہ میں بند کرتے وقت اس میں تھوڑی سا ادرک رکھ دیں۔ چپاتی نرم اور تازہ رہی گی۔

☆...... اگر آپ ہچکی کو فوراً روکنا چاہتے ہیں تو ایک سبز الائچی اچھی طرح چبا کر نگل لیں اور فوراً ٹھنڈے پانی کا ایک گلاس پی لیں تو ہچکیاں بند ہو جائیں گی۔

☆...... دہی کو زیادہ دن تک استعمال کرنے کے لئے کچے ناریل کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے دہی میں ڈال کر رکھ دیں تو دہی 4 سے 5 دن تک ویسے ہی تازہ رہے گا۔

☆...... بال محفوظ رکھنے کے لئے: سیکا کائی، ماش کی دال اور میتھی سل پر باریک چٹنی کی طرح پیس لیں اسے بالوں میں لگائیں اس سے بال جھڑنا بند ہو جائیں گے، بالوں کا سفید ہونا بھی رک جائے گا اور بال چمکدار ہو جائیں گے۔

☆...... پنیر کو ٹوٹنے سے بچانے کے لئے: پنیر کو گرم پانی میں ڈال کر تھوڑی دیر رکھ دیں اور پھر اس کو کسی بھی چیز میں ڈال کر پکائیں پنیر ٹوٹتا نہیں ہے۔

☆...... زہریلی چیز کا شک دور کرنا کھانا پکاتے ہوئے اگر آپ کو یہ شک ہو کہ کھانے میں کوئی زہریلی چیز پڑ گئی ہے تو ایک چمچ مشکوک کھانا لے کر آگ میں ڈالیں اگر اس میں سے نیلے رنگ کے شعلے نکلیں تو سمجھ لیں کہ کھانا زہریلا ہو گیا اور کھانے کے قابل نہیں ہے۔

☆...... آئیڈیل کیک بنانے کے لئے ہمیشہ انڈے کی سفیدی علیحدہ اور زردی الگ سے پھینٹنے کے لئے لکڑی کا چمچہ استعمال کریں سیفدی خوب جھاگ بن جائے اور برتن الٹانے پر نہ گرے تو کیک خوب پھولا ہوا بنے گا۔ میدے کو دو تین مرتبہ اچھی طرح اور ہلکا ہلکا ٹیبل پر پٹخیں گے تو ہوا کے بلبلے نکل جائیں گے اور کیک عمدہ بنے گا۔

☆...... ہاتھوں سے مرچ کی جلن دور کرنے کے لیے آٹا تھوڑا سا ہاتھوں پر صابن کی طرح مل لیں، پھر پانچ منٹ بعد ہاتھ دھو لیں اگر آگ سے جل جائے تو ٹوتھ پیسٹ لگا لیں تو جلن دور ہو جائے گی۔

☆......المونیم کی چیزوں پر سے داغ دور کرنے کے لیے پسا ہوا نمک پہلے خشک اور پھر گیلا کر کے رگڑیں ایسا کرنے سے چند منٹ بعد داغ دور ہو جائے گا اس سے المونیم وغیرہ کی اشیاء پہلے کی طرح چمکنے لگیں گی۔

☆......فریج سے بدبو کا ختم کرنا اگر آپ کے فریج میں کسی بھی قسم کی بدبو آتی ہو تو ایک پیالی میں سرکہ ڈال کر فریج میں رکھ دیں، بدبو ختم ہو جائے گی۔

☆...... پیاز کاٹتے وقت آنکھوں سے پانی ختم کرنا: جتنی پیاز استعمال کرنی ہوں انہیں رات کو پلاسٹک کی تھیلی میں ڈال کر اچھی طرح تھیلی بند کر کے فریج میں رکھ دیں۔ انہیں کاٹتے وقت آنکھوں سے پانی نہیں بہے گا۔

☆......منہ کی بدبو دور کرنے کے لئے: رات کو ایک چٹکی نمک لے کر اس میں دو قطرے سرسوں کا تیل اچھی طرح سے ملالیں، انگلی سے دانتوں پر خوب اچھی طرح سے ملنے کے بعد منہ کو جھکالیں تا کہ پانی نکل جائے۔ بغیر کلی کئے سو جائیں پانی بالکل نہ لگائیں اس سے دانت بہت صاف اور مسوڑھے مضبوط ہو جائیں گے اور منہ کی بدبو بھی ختم ہو جائے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔

☆☆☆